

وفوقه الله العليم الخبير

الحمد لله والمنة له ذرية تحصيل سعادت ووصول طریقت

اعنی حصہ اول

گلشن

اردو شج دیوان حافظ

بحسب اہتمام سیدی لاکلام محمد اسماعیل خان مولف کتاب ہذا

مطبعہ الفضلانیہ المطابع الباطنیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَا يَا اَيُّهَا السَّائِي اَدِرْكَ سَاوَنَا وَلَهَا
کہ عشق آسان نمود اولی و افتاد و مشکلم

اگر ہمائی ہو شیار ہو جام دار کر پی اور پلا
الاکہ تیر و توحید سائی سے مراد مرشد کامل۔ اید مر یعنی دوزر ساغر چلا۔ یا جام شراب
دار کر ناول صیغہ امر از مصدر زلزل و الناول یعنی کوئی شے اور و نکو بھی دینا۔ جسکے یہ معنی
لئے لگئے ہیں کہ پی اور پلا۔ عشق سے مراد عشق حقیقی۔ اور اول سے مقصود روز بقیاق۔

مشکون سے عبارت منازل مقامات ہیں۔ یعنی ہم عدم سے وجود میں اسلئے آئے تھے کہ حصول
معرفت الہی اور شاہد حق آسان ہو جائے۔ مگر معلوم ہوا کہ عشق الہی جیسا کہ بقابلہ عدم کہ وجود میں
آسان معلوم ہونا تھا اول سر کہیں مشکل نکلا۔ کیونکہ وجود ذاتی چیز ہے۔ اور عشق جمعنی باقی پس غالی شہر
باقی پر کس طرح حاوی ہو سکتی ہے۔ یہی بڑی شکل تھی جو ہلکہ عدم سے وجود میں اگر پیش آئی۔

محققین کے نزدیک اہل معرفت کو حصول معرفت سے پہلے دس منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔
اور عشق کی منزل گیارہویں ہے۔ لہذا کوئی طالب حقیقت بلا ان دسوں منزلوں کو طے کر کے ہوئے
منزل عشق تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور عارف کامل بن سکتا ہے چنانچہ پہلی منزل طالب حقیقت
کے واسطے منزل موافقت ہے۔ یعنی دوست کے دشمنوں کو جس سے شیطان و نفس آثار
و کمروہات دنیا و دین دشمن جانتے۔ دوم منزل میل یعنی مابوئے اللہ کو دل سے بھلا دی
سوم منزل موافقت یعنی ہر حال میں اللہ کو دہونڈ ہے۔ اور سب سے بھاگے چہارم موودیت
یعنی بخشوع و خضوع قلب توحید الی اللہ ہو پنجم ہوا کہ دل کو ریاضت اور مجاہدہ میں سحر کر دے۔
ششم خلعت کہ تمام اعضاء بدن کو مابوئے اللہ سے خالی کر کے یاد الہی سے پُر کرے۔
ہفتم انقیاد کہ تمام خصال و میرے پاک و صاف ہو کر نصف بصفات حمیدہ ہوشم منزل ثقیف
یعنی قلب حرارت کے شوق سے دل دہیم کر کے رموز عشق کو افشا کو بر اسبے۔ مگر بصورت خال



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمین الصلوٰۃ والسلام محمد بن المصطفیٰ صلّی اللہ علیہ
وسلّم وآلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد یہ خاکسار محمدان محمد ذوالسمیع خان
صاحبان اہل طریقت نیز شائقینان ذمیرت کی خدمت سراپا بکت بن متمسک ہو کہ گودیوان خواجہ
حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ سراسر معرفت و رموز حقیقت سر پر ہے۔ مگر چونکہ عبارت اسکی
ادق اور مشکل الفہم فارسی ہی اسلئے اکثر اصحاب اردو دان اس پر لطفت دیوان کے مطالعہ سے
خطابین حاصل کر سکتے۔ چونکہ اسوقت تک اسکی کوئی شرح اردو میں نہیں ہوئی ہے۔ لہذا میں نے
اسکی شرح لکھنے کا قصد کیا اور اول کے دو چار شعر کے معنی مع شرح لکھ کر اصحاب نکتہ دان کو سنائے
نہجہ اول کو میرے نہایت ہی کرم جناب مولوی محرز الدین بن خان صاحب فیو سپرنٹنٹ و کیسی نیشن
علی ٹیچرنے بہت ہی پسند کیا اور مجھے اسکے تمام و کمال لکھنے کی ترغیب دلائی۔ اور اسکے اہتمام
طبع میں مالی مدد بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ میں نے خدا کے توکل اور مولوی صاحب موصوف کی تحریک
پر شرح کا لکھنا شروع کر دیا اور نام اسکا گلبن معارف رکھا۔ اب غلط کریم کے دعا ہے
کہ وہ مجھے اسکے پورا کر دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور پسندیدگی شائقین سے میری
محنت کو ٹھکانے لگائے۔ وَمَنْ يَتُوكِ كُلِّ اللَّهُ فَهُوَ حَسْبُكَ

عام ساقی نہیں ہے۔ بلکہ خاص وہ ہی ساقی ہے جو شراب معرفت پلانے کا استاد ہے اور
گو ساقی غم و حدت یا مرشد کامل شراب معرفت پلانے میں قسائل نہیں کرتا تاہم شوق کا یہی مقتضایہ
کہ اوس کو ہر وقت اپنی طرف متوجہ ہی رکھا جاوے جس طرح کہ بچہ اپنی ماں سے دور ہانگتا ہے تقاضہ
کیا کرتا ہے درحالیکہ وہ کسی وقت اوس سے دریغ نہیں کرتی۔

ہوئی نافہ کا خرصہ بازاران طرہ کب شاید زتاب جعد مشکینش جو خون افتاد و دلہا

بہلہ نافہ کی ہو کر آخر شب میں صبا اوس طرہ کو کوئی ہو اوسکی مشکین جوئی کر چچ سوزن میں خون ہوتا ہو

بڑے نافہ مشک کی ہو کا خر کے بعد لفظ شب محذوف ہو جس سے مراد پیغام ترک وجو و ظاہری یعنی موت

کا پیغام ہے جو عارفان کامل اور عاشقان صادق کو اس آخر وقت میں منجانب اللہ پہنچا کرتا ہے

معصر ثانی میں شین کی ضمیر اوسی شب کی طرف راجع ہے۔ چونکہ نافہ سیاہ ہوتا ہے اور زانامری ہرن

کے ناف کے خون سے ہوتا ہے اسلئے رعایت سیاہی بالون کی چوٹی اور شب کی تشبیہ و تخیل میں کہاں شاعری

دکھلائی گئی ہے علاوہ اس کے دل جو تمام انسانی خواہشوں کا مرکز ہے۔ اوس میں ہی صرف ایک قطرہ خون کا

ہونا مشہور ہے۔ اور کتب میں کہ یہ خون سیاہ ہوتا ہے۔ اس رعایت سے قطرہ خون کا دل میں ہونا۔ اور

ہرن کی ناف میں نافہ منجانباً جو دونوں سیاہی مائل ہوتے ہیں فارس کی شاعری کچھ قابل تعریف شبہیں ہیں۔

چونکہ خواجہ علیہ الرحمۃ موصل الی اللہ شاعر تھے لہذا اس لطیف شاعری کے پیرایہ میں انہوں نے وہی اسرار

معرفت بیان فرمائے ہیں۔ اور غلامیہ مطلب یہ ہے کہ پیغام وصال جو حصول معرفت کی صبا آخر شب میں

یعنی آخر وقت میں ہو کر پیغام حضرت صمدیہ مشتاقان حق کے پاس پہنچاتی یعنی مرثدہ وصل سنائی

ہے تو اس کے سننے سے دل جو ظاہری وجود کا سربراہ کا رہے غم و غصہ سے خون ہو جاتا ہے۔ اور نہیں چاہتا

کہ بہت سیستار برباد ہو کر اوسکی سلطنت ویران ہو جائے۔ چونکہ عارف کامل کا وصال موت سے ہوتا ہے اور

دل وجود انسانی کا بادشاہ ہے۔ پس اوسکو اس بربادی سے کمال پرچ ہوتا ہے۔ اس شعر کا یہی معنی ہے جو

اس سے اچھی طرح پر حل نہیں ہو سکتا تھا۔

بھی سجادہ رنگین کن کرت پیرمغان گوید کہ سالک بخیر نود راہ و رسم منزلہا۔

جاننا کہ شراب سونگ اگر پیرمغان بگو حکم دے کیونکہ ہادی منزلوں کی راہ و رسم سے بھیج نہیں جوتا

سے سے عشق الہی اور سجادہ سے دل عارف مراد ہے پیرمغان سے مرشد کامل اور منزلوں سے

نہم تم یعنی اپنے آپ کو محبت کا بندہ سمجھے۔ وہم فلہ یعنی آئندہ دلکو جمال حق کی برابر کرکے نہ
محبت کو سرشار ہو جائے۔ گیارہویں منزل عشق کی ہے کہ اس میں زبان پر ذکر خدا اور طبیعت میں
فکر حق سبحانہ تعالیٰ۔ اور روح کو شاہدہ جمال لم یزلیٰ میں ایسا مستغرق و محو ہوا ہے کہ خودی سے
نیچوڑ ہو کر از خود رفتگی کی حالت میں ذات احدیت میں شامل ہو جائے۔ اسی کو عشق حقیقی کہتے ہیں اور یہی
مقام معرفت ہے۔ لہذا اس شعر میں مشکوٰۃ نسیمی دس منزلیں مراد ہیں۔ جو عشق حقیقی تک پہنچنے
میں پیش آتی ہیں۔

مطلب شعر کا یہ ہے کہ اسے ساقی مخم معرفت۔ یا اگر مرشد کامل اٹھاؤ شراب عشق حقیقی کا جام دائرہ
کر یعنی تو ہی پی اور پہلو ہی ملا۔ اسلم کہ عشق حقیقی جو ایک دشوار کام ہے سرور میں آسان ہو جائے
اور جو جو شکلیں اس میں مائل ہیں وہ کیفیت نشہ عرفان میں محسوس نہ ہو سکیں جس طرح کہ شراب کنشیں مشکل آو
معت طلب کام آسانی سے انجام ہو جائے ہیں۔ اسی طرح عشق الہی کا کام جسکو ہم اول میں آسان سمجھ
تھے شکل نے پس او سکر آسان کرنے کی یہی ایک تدبیر ہے کہ ہم اسی شراب معرفت کنشیں مخمور
ہو کر اس کو اپنے واسطے آسان کر لیں۔ بیان یکایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حافظ علیہ الرحمۃ
ابھی عشق حقیقی کی منزل تک نہیں پہنچے تھے جو وہ پہلے کی دس منزلوں کو مشکل سمجھ کر ساقی سے دور
ساغر کی التجا کرتے ہیں۔ تو اسکا یہ جواب ہے کہ وہ عارف کامل تھے۔ اور انکو منازل عشق کی تبدیلی
منزلیں سطر کر نیکی ضرورت اب باقی نہ تھی۔ لیکن قاعدہ عام یہ ہے کہ کامل اپنی آپ کو کسی کامل نہیں کہا کرتا
بلکہ ناقص ہی بیان کرتا رہتا ہے۔ اسی اعتبار سے خواجہ صاحب بھی باوجود پورے عارف ہونے کو اپنے
آپ کو مبتدی ہی ظاہر کرتے ہیں۔

فائدہ اہل معرفت یا اصحاب طریقت کو فطری معنی سے بحث نہیں ہوتی بلکہ معنوی سمجھوتی ہے۔ اور
ہر ایک جملہ کا ماہو المقصود خواہ وہ کسی طرح کہا جاوے صوفی لوگ وہی مراد لیتے ہیں جہاں ذکر دین ہوتا ہے چونکہ
حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ باب طریقت میں ہیں۔ لہذا انہوں نے لفظ ساقی سے مرشد کامل اور مالک
او سکو اپنی طرف مائل کرنا مراد لیا ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان الفاظ میں مرشد کی سوزناوی تصور
اور اس سے ساغر کا تقاضا کرنا عقل سے بعید ہے۔ کیونکہ جب وہ خود شراب معرفت پلائے کو ہر وقت موجود
رہتا ہو تو اوپر ایسے بغیر الفاظ سے تقاضہ کرنا کیا معنی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ خواجہ صاحب کا مقصود کوئی

شب تار یک سوچ گروا چنن حایل کجاواند حال ماسکساران ساحل با

اندھیری رات سوچ کا خوف گرداب کلیر زور بڑھ کر گناہ پر پھروالہا حال کیا جانیں
شب تار یک سوچ سے دنیا اور سوچ سوچ و گرداب سے تفکرات زندگانی اور کمروہات دنیا مراد ہیں
سکسار یا سکسار وہ لوگ جو دریاے موت سے پاراوتر گئے ہوں اور آرام سے عدم کی خشکی پر
سوئے ہوں مطلب یہ کہ بطرح منہ ہار میں پھنسی ہوئی اور جلد ڈوب جانے والی کشتی کے
بیٹھنے والوں کی تکالیف اور مصیبت کو ساکنان خشکی جو آرام سے اپنے اپنے مکانات میں پیر پھیلانے
سوئے ہوں نہیں جان سکتے۔ اسی طرح وہ لوگ جو دریاے موت کے پاراوتر گئے
اور جن سے عالم قدس میں ہیں۔ یعنی واصل بحق ہو گئے ہم دنیا کے رہنمویا لون اور سوچ دھڑس
موت یا کمروہات خیالی باطلہ میں پھنسے ہوئے نہ جان کے حال کو کیا جانیں کہ کس مصیبت میں ہیں۔
اور ہم کیا گذرتی ہے۔ دنیا کو شب تار یک سوچ سے تشبیہ دینے کا بہت عمدہ فریضہ ہے۔ کیونکہ اس میں
ہذا خاص کوئی مادہ روشنی کا نہیں سوچ یا چاند جو اسکو روشن کئے رہتے ہیں وہ آسمانوں سے
متعلق ہیں۔ اگر سوچ زمین کو روشن نہ کرے تو یہ کرہ ارض متعلق ہے عالم منطقی ہونے کی وجہ سے
شب تار یک سوچ سے بھی کہیں زیادہ تار یک سوچ ہو جائے۔

ہمہ کارم ز خود کامی بہ بنامی کشید آخر نہان کرماندان راز مکر و سازند مخفلا

تمام کام میں نے خود کامی ہو بنامی اوتھالی وہ مجید بپوشیدہ کہتا ہے کہ جسکو مخفون کیا ہو

فرماتے ہیں کہ میں نے تمام کاموں میں جو اپنے ارادہ اور اختیار سے کئے آخر کار بنامی اوتھالی
یعنی جب میں عالم وحدت سے عالم تعین اور کثرت میں آیا تو جو افعال مجھے سرزد ہوئے وہ میری
صحیح عقل اور حواس خمسہ کے سبب ہو کر سوائی کا باعث ہو گئی۔ انہو حال عشق یا راز تو حید نہ چھپ سکا
کیونکہ جس پوشیدہ کام کو بہت سے لوگ ملکر کریں تو اس کا راز کبھی نہ کبھی نہ ورطشت از بام ہوجاتا ہے
اسی طرح میرا اصلی راز کہ جو خاص عالم لاہوت سے متعلق تھا وہ حواس خمسہ اور اس کے تابعین اعضاء
کی وجہ سے کہ جو جسمانی مقاصد کے کام انجام دیتے ہیں فاش ہو گیا۔ اگر میں اس عالم کثرت میں نہ آتا
تو میرا راز بھی حواس خمسہ اور اعضاء کا ظاہری کے اختیار میں نہ ہوتا۔ اور اگر کثرت میں ہی آتا تو مجھے

وہ ہی معرفت حق کی گیارہویں منزل بنی مقصود میں۔

شعر ہذا کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے طالب حکوم رشداً کامل کے حکم کا یہاں تک اتباع کرنا چاہیے کہ اگر وہ جاننا کو شراب سے آلودہ کرنے کو کہے تو تو بخون و خطر اوس میں ڈوب دے۔ کیونکہ وہ عشق حقیقی کے مراحل طے کرنے کے راز سے بخوبی واقف ہے اور کہیں راستہ سے ہٹنے سے پہلے مسکتا۔ اس سے مرشد کامل کی بجا آوری احکام میں تاکید مقصود ہے جو طالب پر بنیاد فرض ہے۔ وہ ہادی بھی ایسی ناجائز بات کی ہدایت سے آزمائش نہیں کریگا۔ مگر طالب کو بھی لازم ہے کہ اوس حکم سے کیوقت اور کسی حالت میں سرتابی نہ کرے۔ اور مثنوی مطلب یہ ہے کہ اسے مخاطب اپنوں کو سے وحدت سے رنگین کر کے یکرنگ ہو جا۔ اور مرشد حقیقی کے حکم کی تعمیل اقوال اور افعال سے بجا لای یعنی تہا حرکت و سکناات یا خطرات میں اوس سے وحدت کے سرور کا اتباع کئے جا۔ اس لئے کہ اس کا یہ معرفت اور طریق حقیقت سے بغیر نہیں ہے۔ اور سب کچھ جانتا ہے۔ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عَظِيمٌ

مراد منزل جانان چلے من عیش چون ہر دم جرس فریاد میں اورد کہ بر بنید مہملہ
بمکوار جانان میں کیا عیش و آرام جبکہ ہر وقت جرس شور مچاتا ہے کہ مہملوں کو باند ہو

جرس اون ٹالوں کی آواز کو کہتے ہیں کہ جو قافلہ والے اپنے مرکبوں کے گل میں باندھا کرتے ہیں اور ان سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جب وقت پڑا سے چلین تو ہر کاروائی آگاہ ہو جائے کہ اب چلنے کی طیاری ہو رہی ہے اور کسی وجہ سے رہ نہ جائے یا ٹالوں کا بجننا اسباب کی علامت ہوتی ہو کہ اسباب سفر درست کر کے منزل کے لئے طیار ہو جاؤ۔ اس اعتبار سے گویا جرس چلنے کا تقاضہ کیا کرتا ہے کہ بغیر نہ ہو۔ بلکہ اسباب سینچا لو بھل یعنی کجا وہ یا عماری جو اونٹ پر کسا جاتا ہو منزل جانان سے وصال الہی اور جرس سے آواز ملک الموت مراد ہے مطلب یہ ہے کہ جب بمکوار منزل جانان یعنی راہ عدم پر چلے ہو اور وہاں پہنچنے کے لئے ملک الموت ہر وقت شور مچاتا ہو کو س ارسل جاتا ہے تو بمکوار دنیا کی مستعار زندگی میں کیا راحت مل سکتی ہے۔ جبکہ تقاضائے موت کسی جگہ چین نہیں لینے دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا آرام کی جگہ نہیں اور یہاں جلد یا پار رخت زندگی باندھ کر سفر کی طیاری کرنی چاہئے۔ کیونکہ دنیا میں ٹھہرنے کی جگہ نہ یہ ہے نہ وہ ہے۔ لہذا ہر کاروائی کو لازم ہے کہ اپنا مکمل اونٹ نہ کہے اور جلد چلے کو طیار ہو جائے

اور وصال محبوب حقیقی ہی ہو جائے۔ بلکہ طالع بان حق حضور مبنی کا ارادہ اویسوت کرتے ہیں
 کہ جب دنیا اور اس کے جملہ کڑوں بکیروں کو خیر باد کہہ کر سب سے الگ تھلگ ہو جاتے ہیں
 اے فریغ ماہ حسن باز رو کر نشان شما آبرو سے خوبی از چاہ ز نندان شما
 اے خوب و بد ہمارے مرد و مرشدن کو ماہ حسن کفر و فرغ ہوا تمہاری چاہ ز نندان سے خوبی کو آبروی

اسے کلام غزلیہ ہے جو لفظ شما سے متعلق ہے۔ اور چاہ ز نندان اس نسیب کو کہتے ہیں جو سید
 شہزادی کے درمیان ہوتا ہے۔ شعرائے فارس کے نزدیک یہ شوڑ بکا نسیب گویا خوبصورتی چہرہ
 کی علامت ہے۔ شعر کا مہاز می مطلب یہ ہے کہ اے حسینو تمہارے چہرہ تابان کے سبب چاند کو
 روکشی اور تمہارے چاہ ز نندان سے لفظ خوبی کو آبروی ملی ہے۔ مگر حقیقی معنی اس شعر کے
 اسطرح ہیں کہ لفظ شما سے محبوب حقیقی کی طرف خطاب ہو یہ شاعر و نیکاطریقہ ہے کہ وہ معشوق کو جس
 مخاطب کی ضمیر سے بھی خطاب کرتے ہیں۔ گویا ان اس شما کا مخاطب حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ مگر شاعری اور
 قافیہ کے اعتبار سے یہ ضمیر لایا میج ہوگا۔ ماہ حسن سے حسن معشوقان مہاز می اور روسے نشان سے
 تجلیات انوار حق مقصود ہیں۔ تو اس صورت میں یہ مطلب ہے کہ اے بے نیلے محبوب حقیقی جو کہ
 شامہ اس دنیا میں نظر آتا ہے جتنے حسین نظر پڑتے ہیں ان سب میں تیرے ہی جمال کا کلمہ ہے
 اور تیرا ہی عکس ان نسب پر سایہ افکن ہو رہا ہو کیونکہ اللہ جمیل و یحییٰ الجمال اللہ حسین ہے
 اور حسین کو ہی دوست رکھتا ہے۔ اور نیز یہ یہی ممکن ہے کہ اس شعر سے حضور سرور کائنات و مہمیز
 موجودات کی طرف خطاب کیا گیا ہو اس صورت میں شما کی ضمیر کا شک ہی رفع ہو جاتا ہے۔ اور باقی
 مطلب وہی رہیگا جو معنوی طور کا بیان ہوا۔

غرم دیدار تو دار و جان برب آمدہ باز گردیدار آید چیست فرمان شما
 تیرے دیدار کے ارادہ شہ جان لب پر آئی ہو۔ لوٹ جائی یا کل آئے انکو واسطہ کیا حکم ہے
 یہاں پہلے مصرع میں تو کیا ہے اور دوسرے میں نہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ شعر اکثر
 معشوق کو تم کے نقطہ سے نذر کیا کہنے ہیں۔ اس سے جمع مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ
 ادب مقصود ہوتا ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ اے حقیقی میری جان تیرے دیدار کو
 اشتیاق میں نکلنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ یعنی تیرا وہاں چاہتی ہے۔ اگر وقت اس سے

صحیح الحواسی کے حالت میں مذکور بات نہ رکھتا تو بھی بہتر اور انہیں طلب تھا۔ غلامہ مطلب یہ ہے کہ جب میں
کچھ نہ تھا یعنی طلب لسانی نہ رکھتا تھا تو اپنے اختیار میں بھی نہ تھا۔ اور جبکہ عالم وجود میں آیا اور اثر
اختیار میں ہوا تو میرا پردہ اور راز وحدت فاش ہو گیا۔ اور کیوں نہ ہو جاتا جبکہ حالت وجود کا
انصرام حواس ظاہری و باطنی کے متعلق ہے۔

حضور کریمؐ اہی زوفاً بشو حافظاً مَن مَن تَلَقَّ مِنْ مَعْنَى خَرَجَ الدُّنْيَا وَ اَمْلَها
اگر حافظ اگر تو حضورؐ چاہتا ہو تو اس سے الگ نہ ہو۔ جبکہ کسی ملاقات کا ارادہ کرے تو دنیا کو خیر باد کہہ کر
اس سے نکال دے مطلب یہ ہے کہ اسے عاشق جب تپے محبوب کا وصال چاہتا ہے تو اس سے جدا ہوتی ہو کیونکہ
جب محبوب سے وصال کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے منافی مقصود یعنی دنیا کو ترک کر دے لیکن دوسری
مصرع کے معنوں پر اس صورت میں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پہلے دنیا ترک کر کے بعد کو ملاقات
وصل محبوب کی آرزو کرنی چاہئے مگر یہاں ان کا مضمون ہے کہ ملاقات پیدا کر کے حافظ صاحب بعد
میں ترک دنیا کی ہدایت کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض محققین نے رفع اعتراض کو واسطے لفظ مَن سے
کے بعد اَرَوْتُ کو مقدر مانا ہے اور مصرع کا فقرہ بنا کر یوں پڑھا ہے۔ مَن مَن تَلَقَّ مِنْ مَعْنَى خَرَجَ الدُّنْيَا
مَن تَلَقَّ مِنْ مَعْنَى خَرَجَ الدُّنْيَا وَ اَمْلَها جس کے معنی یہ ہوئے کہ جب تو وصل محبوب کا
ارادہ رکھے تو دنیا کو ترک کر کے خیر باد کہہ دے چنانچہ ہم نے بھی دوسرے مصرع کا ترجمہ
اروت کو شامل کر کے کیا ہے۔ اس موقع پر ملاقات کے سے عشق پیدا کرنے کے نہیں ٹھہرے بلکہ
وصل کے لئے گئے ہیں جیسا کہ اول مصرع کے لفظ حضورؐ سے ظاہر ہے۔ ایک عالم کو اس مصرع کی ترکیب
یہ بھی اعتراض ہے کہ جس وقت جزا شریط اور امر و نہی جملہ اسمیہ ہو وی تو فاعل کا لانا ضروری ہوتا ہے
لیکن اگر جزا مقدم ہو تو بغیر فاعل کے جائز ہو جائیگا۔ بہر حال نہ مصرع مذکور ترکیب بخوبی
میرزا پیدا ہے اور پھر اس کی اردو شرح کرنے سے مطلب کو طول دینے کی ضرورت نہیں
معلوم ہوتی۔ لہذا ہم نے اس کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ حضوری سے وصل یا امر اور نہی کے معنی ہے
حافظ اگر تو وصال محبوب حقیقی چاہتا ہے تو ہر وقت یاد آتی ہے حضورؐ میں حاضر ہوا اور صبر کو الگ
نہو اس لئے کہ کسی سے ملاقات کر کر وصال کی آرزو کرنا یا دولت حضوری پا جانا اور جس وقت ممکن
ہو کہ جب اسوہ بیرون یا او سکر منافیات کو ترک کر دیا جائے یعنی یہ ممکن نہیں کہ دنیا ہی سے ہے

اور تہمازی نظر جو ہلکے سے فائدہ کے واسطے نمی وہ ہے زکس کی طرح مجاہد اور ری
اس سے تو بخت تھا کہ تم کو پہلے ہی سے اپنا شہیدانہ بناتے اور جب ابتدا ہی سے نمی ہمارے
حال پر ہر مانی فرمائی ہے تو اس پروری تو ہم سے کیا کامل نگاہ سے بہن منزل مقصود تک پہنچاؤ
خاک ۱۱ چونکہ دیوان ہذا میں قریب قریب مہازی اور حقیقی دونوں قسم کو معنی پیدا ہوئی
ہیں اور اسی اعتبار سے شرح تصنیف بھی کئے گئے ہیں۔ لہذا ایک ہی رنگ میں اسکی شرح نہیں
ہو سکتی۔ تمام دیوان ظاہر میں مہازی مگر باطن میں حقیقی معنی کا پہلوئے ہوئے ہے۔

بخت خواب لو دما بیدار خواہ شد مگر زانکہ زور ویدہ آبی روی رخشان شما
ہمارا خواب لو دما بیدار کیا گیا لیکن اس جگہ کہ کوئی انگوٹہ ہماری روئے رخشان پانی ہو
قاعدہ کلیہ ہے کہ جب خواب آلود یا نیند اس کے موہ پر پانی چھڑکا جائے تو نیند بھاگ جاتی ہو
اور یہی قاعدہ عام ہے کہ تیز روشنی کے دیکھنے سے انگوٹہ میں چکا چونہ پیدا ہو کر پانی بھرتا ہے
اس موقع پر وہ رخشان سے انوار تجلیات ایزدی اور شمس سے وہ ہی محبوب حقیقی مراد ہے
اور مطلب یہ کہ تیری تجلیات معانی سے جب عاشق کی آنکھوں میں چکا چونہ پیدا ہوئی تو انہیں
پانی بھرا یا پانی سوتے ہوئے بخت کے واسطے خواب غفلت سے بیدار کر نیوالی مثال دیکھنا
ہے کہ جیسے نیند ہوئے کے موہ پر پانی چھڑک دینا مختصر یہ کہ جو پانی تجلی الہی دیکھنے سے انگوٹہ میں
پیدا ہوا وہ اسی عاشق کے یا اس کے بخت خفتہ کے بیدار کر نیو کافی ہو گیا۔ پس حافظ صاحب
فرماتے ہیں کہ جب تک میں حال جہان آرا سے مشرف نہ ہوا تھا تو میرے بخت سوئے ہوئے تھے
لیکن جبکہ جلوہ انہی نظر آگیا تو اسکی تیزی سے جو پانی آنکھوں میں نکلا وہ خفتہ کی موہ پر پانی چھڑکنا
ہو گیا لہذا اب میری نصیب ہوئے طور پر بیدار ہو جائینگے۔

پا صبا ہمارا بفرست از خست گلہ ستہ . بوکہ بوکہ پشہویم از خاک بستان شما
ابوئی غم سے صبا کے ہمراہ گلہ ستہ بھیج . شاید کہ بو پائین ہم ہمارے باغ کی خاک کو
خاک کو ہمارا قدر کو خفت . یعنی اگر تم اپنے باغ حسن سے باد صبا کے ہاتھ ایک گلہ ستہ
بھیج دو تو شاید ہم اوسکی تھوڑی سی بو پائین . یعنی کچھ کچھ رطبت تو حاصل کر ہی لیں .
منوی مطلب اس طرح پر ہے کہ گلہ ستہ سے جمع ابل یعنی اور صبا سے المام ربانی یا

نکلے کا آگیا ہو تو حکم دے۔ کہ نکل آوے۔ اور جو ابھی وقت نہیں آیا ہے تو ارشاد کر کہ پھر اپنے
 قید خانہ میں پہلی جگہ اس شعر میں گویا وصال کی آرزو لکھی ہے۔ مگر مرضی محبوب کا پہلو سے ہوئے
 کہ وہ دوست این سخن پارے ہمدستان شود **خاطر مجموع مازلف پریشان شما**
 ای خدا یہ مراد کہ براویگی کہ ہم صحبت ہو کر **ہماری خاطر مجموع اور تمہاری خاطر پریشان**
 ہمدستان ہمدستان کا محض ہے جس کے معنی ہم کلام اور ہم صحبت کر ہیں۔ دوسرے مراد میں
 خاطر مجموع یا دلجمعی سے شاید و عدت پر بلا تفرق خیالات جبر یا اختیار کے فریقہ ہونا مراد ہو
 دلجمعی اور سیوق ہوتی ہے کہ سوائے ایک کے اور کسی کا خیال نہ ہو زلف پریشان شما مراد اسکی
 قدرت کے گوناگون جلوے مقصود ہیں کہ کہیں کہہ اور کہیں کہہ نظر آتا ہے۔ گویا جلوہ ہائے
 قدرت یا منظر ہرات حق زلف پریشان کی طرح ہیں۔ اور خاطر مجموع زلف پریشان کی ضد تشبیہیت
 ہی پر معنی ہے۔ چونکہ اہل معرفت روح کا عدم سے وجود میں آنا اور اسکا اپنی اصل سے جسد اہو جانا
 قرار دیتے ہیں۔ مگر موت کے بعد وہ پر اپنی اسی اصل سے جالمتی ہے۔ لہذا مطلب غائب صاحب کا
 یہ ہے کہ اسے خدا وہ کو نہ مانوں ہو گا کہ جب یہ مراد آوے گی کہ ہماری خاطر مجموع یعنی روح تیری
 زلف پریشان ہو یعنی شاہد حق سے وابستہ ہو کر حال اشتہاف بیان کر گی اور اس کا اس طرح ملگی
 جس طرح کہ پھر ہے ہوے ہم صحبت ہو کر تے ہیں۔ اس شعر سے بھی تناسل وصال پائی جاتی ہے۔
کسین و زکست طرانی نہ نسبت از صاحب بہ کہ بغیر و شند ستوری بہستان شما
 تیری زکین کرد و زین سبکو آخر کوئی فائدہ نہوا **بہتر کہ پر نشینی کو نہا کوستان شمع و شمع و شمع**
 مجاہد آلودگی کی صفت میں شعرا کو فارسی انکھ کو زکس کے پھول سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ طرف میں
 فارسی محاورہ کسی چیز سے فائدہ اوٹھا نا طلب نہ نسبت کوئی فائدہ اوٹھا یا۔ مستوری گوشہ نشینی
 مستان یعنی مستان چشم۔ یعنی کسی شخص نے تمہاری زکین آنکھوں سے دور میں کوئی فائدہ نہ اوٹھا یا
 اس سے تو یہی بہتر ہے کہ گوشہ نشینی کو اس کے ماتہ بیڈالا جائے۔ معنی جب وہ کسی فائدہ کو لئے
 نہیں ہیں تو اوٹھا گوشہ میں ہی رہنا بہتر ہے۔ اور معنوی مطلب اس شعر کا یوں ہے کہ شمس مرشد کامل
 یا سالک راہ طریقت کی طرف خطاب ہے۔ اور طلب حقیقت میں زیادتی کا تقاضہ مقصود ہے
 یعنی اسے مرشد کامل تمہارے دور دورہ میں ہم تمہاری ایک نظر عنایت کے مشتاق رہے

کیے۔ اب ہم حقیقی مطلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ سابقان بزم جم سے مراد مقبول اولیاء
اللہ اور سے سے معرفت مراد ہے اور غلامہ یہ ہے کہ اسے مرشدان کامل گوہارا خاتم
تہماری بدولت ہے معرفت سے جیسا کہ ہرنا چاہئے تھا نہیں بھرا گیا۔ یعنی ہماری طلبیعت
کی سیری انویٰ تو یہی ہم تمہارے دعا گو ہیں کہ خدا تمہاری عمر کو دلا کرے اور تم ہمیشہ اپنا فیضان
محبت اسی طرح طالبوں کو پہنچاتے رہو واضح ہو کہ جو قاعدہ غمور و بکا شرب کی طلبی میں باقی سے
ہوتا ہے وہی طریقہ غموران بادہ معرفت کا مرشد کامل سے سمجنا چاہئے کہ چاہے وہ کتنا ہی سلوک
کے گروہ میں نہیں ہوتے اور طلبہ ہی کے جاسکتے ہیں۔ اور نیز یہی ممکن ہے کہ یہ شعر حضور
سروکائنات کی نعمت شریفین ہو۔ اور غم سے بذات خاص غمور اور سابقوں سے صحابہ کرام
ہوں اور معنی یہ ہوں کہ اسے رسول اللہ کی بزم شکرام کے جلیسو یعنی ایسے صحابہ محترم کہ اگرچہ
تمہارے زمانہ میں ہم پیدا نہ ہوئے اور نہ تمہاری محبت سے فیضیاب ہوئے تاہم تم اپنی بے عدل
خصلت اور نفس محبت کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ اور گار زمانہ رہو۔ اور تا قیامت تمہاری ناموں

کی شہرت بنا کر اسلام کو سبب بانی رہی

۱۰۔ صبا با ساکنان شہر فیروز مارگو	کامی سزا حق شناسان گو میدان شما
۱۱۔ صبا شہر دکر رہنے والوں کو ہماری طرف سے کہو	کامی سزا حق شناس کو کہ تمہاری میدان کی گنبدین
۱۲۔ گرچہ دوریم از بساط قرب ہمت دوریت	بندہ شاہ شمایم و شاخو ان شما
۱۳۔ اگرچہ ہم سے دور ہیں لیکن ارادہ دور نہیں ہے	تمہاری بادشاہ کرام اور تمہارے شاخو ان ہیں

یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں۔ اور حسب قاعدہ پہلے ہم ان شعر و بکا ماز کی مطلب بیان کرنے میں
مکمل ہے کہ خواجہ علیا رحمت شہر فیروز کے رہنے والے ہوں۔ یا کم از کم وہاں رہی ہوں اب چونکہ
میں فیروز میں تھے۔ پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کل غزل او نہوں نے فیروز اشتیاق نامہ کی لکھی ہے۔
اور صبا کو شاعروں کی عادت کہ موافق اپنا پیغام بر بلا غلامہ بنایا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اسے بادشاہ
ہمارے فیروز کو سب سے اجباب کی جو شہر فیروز میں ہیں تو یوں کہنا کہ ہم تو شہر دور میں اور ناحق شناسوں کے
سرو نکوٹے لہو کیلئے کی گیند بنا یا ہے۔ یعنی فیروز سے ربط و ضبط پیدا کیا ہے گو ہم دور سے ہی تاہم
دل ہمارا دور نہیں۔ اور ہر وقت تمہیں یاد کرتے ہیں یا ہمت و ارادہ سے دور نہیں ہیں۔ لیکن کیا ضرورت

وحی نخی مراد ہے جسکو القاسم کہتے ہیں۔ اور خاک بستان شمس سے شاہد و زندانی مقصود ہے۔ یعنی اسے محبوب حقیقی اگر تو اپنے باغ معرفت سے بندہ بعد اسے الہام کو محسوس نہیں پامر شدان کا ملین کو میرے پاس بھیجتے تو کیا عجب ہے کہ میں ہی تیرے باغ معرفت کو کچھ نہ کچھ پامر جاؤں۔ اور اس ذریعہ سے مقصود اصلی تک پہنچ جاؤں۔

دل خرابی می کند دلدار را آگہ کنید زینہارا کو دوستان جان من جان شما
دلدار کو خبر کر دو کہ دل خرابی ڈالتا ہے غم و ضرور ای دوستان ہمیں اپنی اور میری حالت تم
یعنی میرا دل بوجھ بگنی اور از خود فشگی کے حال عشق کو ظاہر کئے دیتا ہو۔ چونکہ عاشقان صادق راز
عشق کو ظاہر نہیں کیا کرتے لہذا اسی افشار راز کو خرابی سے تعبیر کیا گیا ہو۔ دلدار کو آگاہ کرنے
سے یہ مطلب ہے کہ وہ اس کو اخفا کی توفیق دے۔ دوستوں نے مراد صوفیان ہم شہب میں
اور جان من و جان شما سے مقصود ہمیں اپنی اور میری جان کی قسم ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اسے
دوستان حقیقت طلب تم کو تمہاری اور میری جان کی قسم ہے کہ تم خدا سے دعا کرو کہ وہ میرے
دل کو راز عشق کی پوشیدہ رکھنے کی توفیق دے۔ کیونکہ دل کی خود فشگی سے راز محبت کے آشکارا
ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ بڑی خرابی ہوگی۔ لیکن ہو کہ الفقر احرار کفنی احد کو اعتبار
سے جان من جان شما کا یہ مطلب ہو کہ جیسے میری جان ہے ویسی ہی تمہاری اور جب اس
ساتھ ہم تم واحد ہیں تو میری خرابی سے تمہاری خرابی بھی متصور ہوگی تو اس صورت میں
زینہار کے معنی البتہ کے لئے ہمارے بن گئے۔

عمران باد اور از اساقیان بزم جم گرجہ جام ناشد پر مژدہ و ران شما
عمر تمہاری راز ہو جو اسے بزم جم کر ساقیو اگرچہ ہمارا جام تمہاری دوڑ میں شراب سے بھر دیا
توان یعنی شما۔ شاہ شہید کی محفل شہور بھی کہ ہمیں ہزاروں آدمی ہوتے تھے اور تمام سامان ہمیں
و طرب ہمیا ہوتا تھا۔ حافظ علیہ الرحمۃ بطور استعارہ فرماتے ہیں کہ ای بزم جم شہید کے ساقیو اگرچہ
تمہارے زمانہ میں جبکہ کیکے واسطے شراب کی کمی نہیں ہوتی تھی ہمارا جام بھی نہ بھرا گیا تاہم ہم سب
روز البتہ ہمیں دعا ہے ہی ہو کر نیلے کہ خدا تمہاری عمر میں دراز کرے۔ قاعدہ ہو کہ ہمارے
سعد ساقی کو دعائیں ہی دیا کرتے ہیں۔ خواہ وہ اُن کے ساتھ کسی ہی بے رحمی اور کج ادائی

پھاؤڑہ کی مدد کے کسی کا محل بالکل نہیں بن سکتا پس پھاؤڑہ شکر بھی محل کی خاک چو منا کچھ
سے رکھتا ہو۔ لہذا باطنی بہ غرض ہے کہ اسے شہنشاہ بلند اختر برائے خدا میری مدد کر
اور اس بات کی ہمت عطا فرما کہ میں مرتبہ اعلیٰ پر پہنچوں اور تیرے ایوانِ بھلے کا آسمان
کی طرح خاک بوس ہوں۔ گو آسمان اس قدر بلند ہو تو بھی کنگرہ عرشِ اعظم کا خاک بوس ہی سمجھا جاتا
ہے پس اس واسطے خواجہ علیہ الرحمۃ اپنی آپ کو خاک بوس ایوانِ بھلے کا ہو کر کے آسمان
سے تشبیہ و تشبیہ من۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ شاہ بلند اختر سر رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ادا ہوں
آپ کا رعبہ اتنا بلند ہو کہ آسمان ہی قبہ دار صورت میں حضور کی جائے قیام اور جائے مزار مبارک
ہونے کے سبب زمین کی طرف جھکا ہوا ہے۔ یعنی آسمان اس وجہ سے زمین کا قد بوس ہے
کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار ہے اب حافظ صاحب حضور اقدس سے لہجہ میں کہ اسے
شاہنشاہ بلند اختر یا خود میری مدد کر اور ہمت دے کہ میں آسمان کی طرح تیری ایوان پاک
یعنی مزار مقدس کا خاک بوس ہوں اور مدینہ جا کر مزار شریف کی خاک بوسی کروں۔

میکند حافظ دعا کر بشنو آئینہ گو روزی ماہ اول شکر افشان شما
حافظ دعا کرتا ہے سنو اور آئین گو نیر اعل شکر افشان ہماری روزی نصیب ہو

چونکہ اعل یا عقیق یعنی سے اور لب سے شعر اکثر تشبیہ دیتے ہیں لہذا یہاں صرف تشبیہ مد تو صیف
شکر افشان کے ہے جس سے لب معشوق مراد ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب فرماتی ہیں کہ اسے
سننے والو حافظ دعا مانگتا ہے اور تم سب بلکہ آئین کو وہ دعا یہ ہو کہ محبوب حقیقی کو لب شکر افشان
جنسے کو وصال مقصود ہے مجھ اور تمہیں اور سب عاشقان صادق کو نصیب ہوں یعنی ہم سب یہاں
حقیقت کو خدا کا سیاب کری اور اپنے وصال سے سیراب فرماوے۔

دل میر و زو نہ تم صاحب دلان خدا را دروا کہ باز نہمان خواہد شد اشکارا

اگر دل خلیع نہ کیسے دلان نہ ہو کلاما تا ہو۔ افسوس کہ پوشیدہ راز ظاہر ہو جائے گا

صاحب دلون سے عارفان وقت اور باز نہمان سے عشق حقیقی مراد ہے۔ چونکہ عارفان کامل کے
تزوید راز عشق کا پوشیدہ رکنا جین سعادت ہو لہذا مطلب یہ ہے کہ اسے صوفیان ہم شریک
خدا کے واسطے کہ نہ میر بتاؤ کہ میرا دل حالت بے صبری میں میری اختیار سے باہر ہوا جاتا ہے

جب پہلے سے تمہاری شاہ وقت کے غلام اور تمہارے تعریف کنندہ ہیں اور ہیشہ ملتے خیر
سے یاد کیا کرتے ہیں۔ معنوی مطلب یہ ہے کہ شہر فیر سے مدد آباد و با تمام طلبین مراد ہو اور
ساکنان شہر تیر دوہ اولیاء سلطنت میں جو اس سے پہلے قابل تکی ہو چکے ہیں اور باقی فسادوں نے
غیر مروط اور ظاہر پرست لوگ مقصود ہیں۔ صبا سے وہ پیغام پہنچانے کی طرف اشارہ ہو کہ جو
مشاقان حق کے دلون میں نہان ہوتا ہے اور جب وقت آتا ہے تو سالک اپنی دل کا لکڑا کر طرقت
روانہ کرتا ہے اور اس کو روز الست کا عہد بھی کہتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو ظاہر میں تیر اور دل میں عشق
حقیقی کا جذبہ نہ رکھتے تھے تمہاری پاس پہنچ گئے۔ گو ہم ظاہر میں دور ہیں۔ لیکن بارادہ یہی ہے
کہ ہلداوس جناب میں پہنچیں۔ اور وصال محبوب حقیقی حاصل کریں۔ شما کا لفظ شاہ حقیقی کے واسطے
سمنا پاس ہے۔ اس سے جمع مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ادب مقصود ہے صبا کہ اول عرض کر دیا گیا ہے۔
دور و از خاک خون من چو بیا بگذری کاندین رہ گشتہ بسیار اند قربان شما
خاک خون کو دامن بچا اگر تو ہمارے پاس ہو کر گذری کہ اس راستہ میں تیری بہت سے قربان ہو گئے ہیں

اس شعر کا مجازی مطلب صاف ہے۔ اور تشریح طلب نہیں حقیقی یہ ہے کہ خاک اور خون سے
ظاہر پرست لوگ ان سے اصل طالب حقیقت مراد ہیں۔ شما کی ضمیر مرشد کامل کی طرف اجمع ہے۔
خلاصہ یہ کہ اسے مرشد کامل اگر تو ہمارے پاس ہو کر گذرے یعنی لوگوں کو اپنا مزید بنائے تو
خاک و خون سے دامن بچائے رہنا یعنی دنیا داروں اور ظاہر پرستوں سے پرہیز کرنا کیونکہ اس لوگ
جب کسی کو اپنا پیر نہائے اور بغیت کرتے ہیں تو او انکی کوئی نہ کوئی دنیاوی غرض یا سمن پوشیدہ ہوتی ہے
دوسری مصرع کا ربط پہلے سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ یعنی گو ہم بھی تیرے طالب ہیں اور
غیر بھی تابع فرمان بلکہ بہت سے بدل و جان قربان ہیں اور بعض انہیں سوا سے بھی کہہ سکتے ہیں
اور خدا ہونا اور سکون ذاتی قائم رہنا ہو گا پس ایسے ظاہر داروں کی باتوں میں اگر اپنے
فیضان کو ضایع نہ کرا اور اپنے بکار نہ

اگر شہنشاہ بلند اختر خدا را ہمیشی تا بنوسم همچون گردون خاک ایوان شما
اگر شہنشاہ بلند اختر برائے خداست تاکہ چہ مون تیرے ایوان کے خاک شل گردونے
اس موقع پر گردون کے معنی پہاڑ کی کڑی لے جاسکتے ہیں اور صاف ظاہر ہے کہ جلا

بڑی خوش الحانی ہو کہہ ہاتھاکہ اس ساقی معرفت شراب صبحی لا اور ایستان طریقت جلد ہی اوٹھو اور مست ہوئی
 فکر کو معنی صبحی پوچھو صبحی اس شراب کو کتنی میں جو صبح کی وقت نیند کا شمار دور کر نیو پی جایا کرتی ہے علاوہ
 اس کو فارس کا بلبل بہشت ہی خوش الحان پرندہ ہو وہ اکثر صبح کو بولتا ہو گویا دوسرا مصرع ہمارے اقصیٰ صبح
 حیوایا ایہا اسکارا۔ بلبل کی بولی ہو اور صبحی کا لفظ صبح کو اعتبار سے لاؤ میں۔

اگر صاحب کرامت شکرانہ سلامت روزی تقدیری کن درویش بنیوا

اگر صاحب کرامت سلامتی کا شکر کر کسی روز مہربانی لازم ہو پس سامان فقر پر

صاحب کرامت سے مرشد کامل مراد ہو اور مطلب یہ کہ اگر مرشد کامل اپنی سلامتی سلوک کے
 شکر میں جو تجو اب ہے نیاز کی جناب میں اپنی مرتبہ کر بابتہ ادا کرنا چاہو کسی روز بے سامان
 فقیر یعنی طالب معرفت پر نظر عنایت فرما اور اور کمانی بہار آردی اس کا حاصل بھلائے طلب ہو۔

آسائش و گیتی تفسیر این دو حرفست بادوستان ملطف بادو شمنان مدارا

دونوں جہان کا آسائش ان دو حرفوں کی تفسیر کہ دو شمن کی بات مہربانی اور دو شمنوں کیساتھ توفیق

یہ سلاکت گزیدہ لوگوں کا ہو کہ وہ کسی کو برا نہیں جانتے اس لئے کہ دنیا کی بہلانی بڑائی ظاہری ہو اور دنیا

کو بب ایک دوسرے کو ہذا یا برا سمجھتا ہے پس جو لوگ تبارک الدنیا میں آگے کسی کی اچھوڑ کر سے

بست ہی نہیں خدا کے نزدیک بند ہو کر ہو ہی برا نہیں کہ تو مولانا روم فرماتا ہیں مگر خدا خواہد کہ پرکھ دے

میلش اندو لعلہ نیکان بردہ و خدا خواہد کہ پوٹ عیب کس کہ کم زند و عیب معیوبان نس۔

درو کوئی نیکنامی مارا گند زنداوند اگر تو بھی پسندی تعمیر کن قصصا را

کوچہ نیکنامی میں بے نہ گئے دیا اگر تو بھی پسند نہیں کرتا تو حکم کو بدل

یعنی دنیا میں کوئی نیکنامی نہیں ہوتی پس اگر خواہد اگر تو بھی پسند نہیں کرتا تو حکم کو بدل دے کہ آیتہ نقل کی بن

عزت اللہ اللہ ہر جگہ سلطنت ہے کہ سب کو ہی بند ہیں جو اس کی اطاعت کر گا اور اس کو پچھچکا رہے ہی اور کونیا بزرگ ہے

خدا کے بیان مذہب پوچھی جاتی ہے نہ دوست نہ صورت بلکہ اعمال پوچھی جاتی ہیں پس خلاصہ یہ کہ اگر اللہ دنیا کو لوگ تو مجھ کو

نیک نام نہیں جانتا تو مجھ کو ایسا نہیں سمجھتا تو میرا ہی ہوں اگر تو مجھ کو اپنا نہیں جانتا تو حکم کو بدل دے

اس سے عالم ظاہری کی صورت شکایت مقصود ہو ورنہ خدا کے نزدیک جو رتبہ عاشقان حقیقی کا ہوتا ہے

وہ اور سب کا نہیں ہوتا چاہو دنیا کو لوگ کہو برا سمجھیں مگر خدا اچھا سمجھتا ہے۔

اگر نہ رک سکا تو افسوس صد افسوس عشق کار از فاش ہو جایرگا۔ اور جو سعادت اس کو پوشیدہ

رکنے میں ہے وہ ہاتھ سے ہانی رہیگی

دور وزہ مہر گردون افسانہ سیت افسون نیکی بجائی باران فرصت شمار یارا

دور وزہ مہر گردون ایک افسانہ افسون ہر بار کو ساندہ نیکی کرنا امی بار غنیمت جان

دور وزہ مہر گردون فارسی کا ماورہ ہے جس سے دور وزہ زندگی اور باران نمی نہ شربا ہم صحبت

لوگ یعنی طالب اور باران سحر شد کامل مراد ہیں۔ غلامیہ مطلب یہ کہ زندگی چند روزہ ہے اس میں بارون

اور طالبوں کو واسطے جو کچھ بھلائی یعنی سلوک ہو اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے اس سے صرف

تقاضائے طلب معرفت مقصود ہے۔ واضح ہو کہ ہم اون اشعار کا مجازی مطلب کہ جو صاف اور

آسان ہیں بخوبی بطول پڑتے جاتے ہیں اور صرف معنوی برکتا کرتے ہیں۔

کشتی شکستہ گایم امی باد شہر طبر خیز باشد کباز بنیم آن یار آشنارا

ہم ٹوٹی ہوئی کشتی میں امی باد مرا حویل کہیں ایسا ہو کہ ہم پھر اون پیار دوست کو دیکھ لیں

یاد شہر طبر باد موافق باہر ایک کہتے ہیں۔ اور بیان اس سے مرشد کامل مقصود ہے۔ اور یار و آشنا

ذات واجب الوجود مراد ہے جو کہ انسان کامل کی اصل ہے۔ لہذا بحالت پریشانی مرشد کامل سے

عرض کیے ہیں کہ ہمارا جو ایک شکستہ کشتی کی طرح ہوا اور ہم اوپر سیر کرنے والے آرزوؤں کے ساتھ سوار ہیں

پس امی مرشد ہماری مدد کر کہ تیرے طفیل سے ہم پار ہو جاویں۔ اور در طہ فنا میں غرق نہوں۔ خدا نے

بہمن عدم سے اس ٹوٹے ہوئے غنیمت پر سوار کیا ہے۔ اور کشتی دریا سے وحدت میں ڈال کر عدم میں وجود

کی طرف کورانہ کی تاکہ ہم (روحیں) دریا میں نہ کورے گوہر مقصود پاکر صبح و سلامت وہی کی جناب میں

لوٹ جاویں۔ پس اگر تونہ اوسے ملے گا اور ہماری مدد نہ کرے گا تو ہمیں اس ٹوٹی ہوئی کشتی کو کسی طرح

امید نہیں ہے کہ یہ کنارہ پر پہونچاویں گی۔

در حلقہ گل و گل خوش خواند ووش بلبل ہات الصبح حیوایا ہوا السکارا

گل و گل حلقہ میں گل بلبل خوب بڑھتا تھا کہ امی ساتی شراب مہوئی لائے ستو جلد آؤ

گل سے نور سیدگان حدیقہ وحدت اور گل سے واصلان عشق و محبت مراد ہیں۔ بلبل سے مرشد

ہوانا مقصود ہے مطلب یہ کہ سالکان طریقت کے حلقہ میں گل صبح کے وقت بلبل باغ وحدت

کہ گو شراب کو سردار صوفیان نے نام الخمارت کہا ہو مگر ہمیں تو یہ زسار کہ بوسہ سحر ہی زیادہ شیریں معلوم ہوتی ہے تلخوش کی دوسری رعایت شیریں ہوا اور قابوہ ہو کہ عاشق کو دین محبوب کا بوسہ بہت ہی شیریں معلوم ہوا کرتا ہو۔

ہنگام تنگدستی در عیش کوش مستی کین کیمیا ی مستی قارون کند گدارا
تنگدستی کی وقت عیش وستی بن کوش کر کہ یہ زندگی کی کیمیا فقیر و نکو قارون بنائی ہو
فقیر سو غمخیز ہوا ہے جو عشق انہی سے تنگدست ہوا اور قارون سے وہ جس کا پاس دولت معرفت و طلب
یہ کہ اگر تنگدست ہو تو اسکی پردا کر تنگدستی تنگدستی نہیں ہے بلکہ اصل تنگدست وہ ہوتا ہو جس کا پاس
سرمایہ عشق میں ہو کچھ نہیں ہوتا تنگدستی میں یاد الہی کو جلاور زندگی میں کچھ جمع کرے یہ زندگی
وہ کیمیا جس جو فقیر قارون کی برابر مالدار بنجاتا ہو یعنی عشق و محبت میں طالب ہو پورا مرشد ہو سکتا ہے۔
خوبان پارسی کو بخشندگان عمر ند ساقی بدہ بشارت پیران پارسا را
فارسی بولند و الم محبوب عمر کو بخشند و اسے میں ساقی بوڑھو پارسا وں کو خوشخبری سنا

روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میکائیل سے دریافت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
فارسی زبان میں ہی کچھ کتابیں یا نہیں میکائیل نے جواب دیا کہ مان کتاب ہوا اور فارسی زبان میں یہ
کتابیں چون کہ ہم با این مشت ستمکار جز آنکہ بیامرزیم پس بخشش عفو گناہ
اور بخش عمر جاوید کہ معنوں میں ہے۔ اس شعر میں ساقی مراد مرشد اور پیران پارسا سے ہمارا
طاہقت مقصود میں خوبان پارسی کو کا اشارہ خدا کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ گناہوں کا بخشنے والا
اور عمر جاوید عطا فرمائے والا پارسی خولن ہے ہاں طلب میں دو اعتراض پیدا ہوئے ہیں۔ اول
یہ کہ خوبان پارسی جو جب خدا کی طرف اشارہ ہو تو لفظ جمع کیوں لائے۔ دوم خدا کو یہ طاہقت
بیشک ہو کہ وہ بوڑھوں کو ہزار سال تک زندہ رکھ کر عروہ شراں میں خود سرما چکا ہے
اِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَکُمُ التَّخْرُؤُنَ سَاعَةً وَلَا یَسْتَفْتِدُ مَوْنٌ ط یعنی جب موت آتی ہے
تو فرما دیر کو ہی نہیں لی سکتی اس اعتبار سے بوڑھوں کو عمر بخشنے کا کیا فریضہ ہے پہلا اعتراض کا
یہ جواب ہو کہ شعر اہ فارسی اکثر محبوب کو ہمہ فی جمع سے مخاطب کیا کرتے ہیں جس سے تعظیم مقصود ہوتی ہے
نہ تعذ و علاوہ اسکے خدا کی واسطے جمع کا صیغہ استعمال کرنا مشاہدات کو اعتبار سے بھی صحیح ہے

آئینہ سکندر جام جم است بنگر مبارز تو عرضہ دار و احوال ملک ارا
آئینہ سکندر یا جام جسم ہے دیکھ تاکہ تجھ پر ظاہر ہو جاوے حال دارا کو ملک کا
جام جم سید دل بخار و دلکش و اہل سے حالات عشق حقیقی مراد میں بشور جو کہ سکندر نے آئینہ میں
دیکھ کر دارا کو ملک کا سب مال معلوم کر لیا تھا اور ساتھ جیشید میں بھی وہی وصف تھا کہ دوسرے دیکھ کر دنگا
حال معلوم ہو جاتا تھا لہذا مطلب شعر کا یہ ہے کہ عارف کا دل آئینہ سکندر یا جام جم ہے جس سے تمام

حالات معرفت اور نکات حقیقت ظاہر ہو جاتا ہو سکتی ہیں
کس کس مشوکہ چون شمع از غیرت بسوزد دلبر کہ در حق او موم است سنگ خارا
منور است ہو کہ شمع کو بجو غیرت سے گملا دیگا محبوب کہ او کو آئینہ میں سنگ خارا ہی موم ہوتا ہے
دلبر سے مراد خدا تعالیٰ ہے اور مطلب یہ کہ اگر نفس کس کو منور است ہو کیونکہ یہ صفت کبریا کی ہے اور
اگر تکبر کرے گا تو وہ خدا جیسے ہاتھ میں تخت چھہ بھی مثل موم کے ہے جب کو غیرت سے گملا دیگا اور شرم سے
پانی پانی کر دیگا بعض محققین نے اس شعر کو اسی صاحب کرامت شکرانہ سلامت کر نیچے لکھا ہے اور دونوں کو
قطع بند خیال کیا ہے۔

گر مطلب حریفان این پاری بخواند در قص حالت آرد پیران پارسارا
گر مطلب حریفان اس غنزل کو پڑھیں تو پڑھیں پارسارا حالت رقص میں آجاوین
پہلے مصرع میں پاری اور دوسری میں پارسا کا لفظ پر مبنی ہے اور مطلب صرف یہ ہے کہ اگر صوفی دوست
اس غزل کو پڑھیں تو اچھے اچھے پڑھیں پارسا حالت وجد میں آکر ناپے لگیں کیونکہ اس میں سراسر معرفت
بہری ہوئی ہے۔

آن تلخوش کہ صوفی اہل الخبائش خواند اشہد لنا و اعطنا من قبلة العبد اسرا
وہ تلخوش کہ صوفی کو برا بھلا کہتے ہیں بہت ہی مرغوب اور پسندیدہ شیرین ہے
تلخوش سے شراب مجازی اور صوفی سے واپس آکر اہل ایمان الاصفیاء محمد بن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں
یعنی آپ نے شراب کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے اور اسوجہ سے شرع میں حرام کر دیا گیا ہے حافظ صاحب کی
غرض اس موقع پر اس مجازی شراب کو نہیں چھینی ہے بلکہ شراب کی مناسبت سے لفظ تلخوش لایا ہے
کیونکہ شراب عشق حقیقی ہی ایک قسم کا نشہ رکھتی ہے جو اس سے کہیں زیادہ خوشگوار ہوتا ہے پس مطلب یہ ہے

پیالہ سر محبوب مجازی یا مرشد کامل اور عکس رخ باز سے انوار الہی مراد ہیں مطلب یہ کہ ایسا مخاطب ہم کو
مشتوق مجازی یا مرشد کامل میں تجلیات جمالی باری تعالیٰ کو شاہدہ کیا ہو اور تو اس ہماری ہمیشہ کے
فی محبت پیٹنے سے بچ رہے اور نہیں جانتا کہ ہم کیوں ہمیشہ عرفان سے سرشار رہتے ہیں۔

چندان بود کرشمہ ناز سہی قدان کا یہ جلوہ سر و صورت خرام ما
ادس وقت تک سی قید و نگاہ کرشمہ ناز ہے جب تک کہ ہمارا سر و صورت خرام ظاہر نہیں ہوتا

شمارہ فانی مشتوقین کے نام ہمیشہ حکم باعتبار سے رکھ لیتے ہیں مثلاً سہی قید مشتوق کے تحت کی
تشریف لیکن سہی قید کا لفظ اور سنگا نام ہو گیا ہے اس طرح سر و قد اور صورت خرام بھی مشتوق ہی کے نام
ہیں یہاں پہلا مصرعہ ہم صفت مجازی محبوب کی واسطے ہے اور دوسری دونوں نام شاہد حقیقی کیلئے آ کر
ہیں مطلب صرف یہ ہے کہ مجازی مشتوق کا کرشمہ و ناز ادس وقت تک ہے جب تک ہمارا سر و صورت خرام
یعنی محبوب حقیقی نہیں ملتا اور جب وہ مل جائے گا تو پھر ان کی کچھ ضرورت نہ رہے گی گویا عشق مجازی عشق
حقیقی کی سیڑھی ہے جب ہمارا پہونچے تو سیڑھی بیکار ہو گئی۔

ہرگز نمیرد آئکہ دلش زندہ شد عشق ثبت است بر جریدہ عالم و وام ما
وہ ہرگز نہیں مرنے کا جبکہ دل عشق سے زندہ ہو ہماری ہمیشگی دفتر عالم پر ثبت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو عاشقان کامل ہیں مرتے نہیں ہیں بلکہ اس
جہان سے دوسری جہان کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں پس خواجہ علیہ الرحمۃ کا یہ مطلب ہے کہ جبکہ
دل عشق الہی سے زندہ ہو وہ ہرگز نہیں مرنے کا ہماری یعنی عاشقان خدا کی ہمیشگی دفتر عالم پر ثبت
ہو چکی ہے اس کو حضور سرور کائنات کی اسی قول کی طرف کو اشارہ ہے۔

مستی چشم شاہد لبند ما خوش است زانو سپردہ اند پستی زمام ما
ہماری شاہد لبند کی انگلیہ میں سستی اچھی ہے اسلئے ہماری سستی کی نگاہ اور سر پر کی انہی

شاہد لبند سے محبوب حقیقی مقصود ہے مطلب یہ کہ ہماری محبوب کی چشم کو مستی اچھی معلوم ہوتی ہے
ایسا اسطر قضا و قدرت نے ہماری سستی یعنی حالت جذبہ کو اس محبوب کی سپرد کر دیا ہے گویا ہماری سستی
کی نگاہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ گویا ہماری سستی اس کی شان قدرت کی شعلہ ہے جسکو دیکھ دیکھ کر یعنی
مشاہد حقیقی کر کے ہم مست ہوا وہ معرفت ہو کر ہیں۔

کیونکہ سب چیزوں میں اور کا منظر ہے اور قاعدہ ہر کہ صنعت کی تعریف سے صانع کی اور ملوک
کی تعریف سے مالک کی تعریف مقصود ہو جاتی ہے لہذا خدا کی واحد کیواسے ہمیں غش جمع کا استحال کرنا
باطل صیح ہے۔ اب دوسری اعتراض کا جواب لیجئے کہ خدا کا بے بخشنا صرف عمر و زائد کر دینی پر منحصر
نہیں ہے فرض کرو کہ کوئی شخص سو برس زندہ ہو اور دوسرا دس برس اگر خدا کو نظر ہو تو دس برس
دارائی زندگی میں اوس سے اتنی نیکیاں کروادتا ہو جو سو برس واسے سے نہیں ہو سکتیں۔ نیک عمل
کی توفیق تو خدا ہی دیتا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ بڑے پارساؤں سے تھوڑے دونوں میں یا چند گشتوں میں
ادنیٰ ہی نیک کام کرالے کہ جتنی سو برس میں ہو سکتی ہو ان کے عم کے بچنے سے ہی مقصود ہے کہ وہ
بڑے پارساؤں سے بہت مدت کا کام تو ایسی دیر میں کر سکتا ہو اس اعتبار سے کہ بچتا ہو سکتا ہے
حافظ عیون و نہ پوشید این خرقہ می آلود
ای شیخ پاکداسن مسندہ روار مارا
و تیار بہ می آلود چہ از خود نہیں پہنا ہے
ای پاکداسن شیخ عین مسندہ رور کہہ
خرقہ می آلود سے حالت ذوق شوق اور شیخ سے ظاہر پرست مراد ہے لفظ پاکداسن بھڑکن یعنی
ای ظاہر میں توجہ ہمارا ایسا حال دیکھتا ہے ہم خود بخود ایسے نہیں ہو کر ہیں بلکہ کوئی اور ہی ہو جس کو
عشق نے ہمارا یہ حال کیا ہو تو پاکداسن ہے تو بھلا ان رنگوں کو کیا جان لہذا عین اپنے طعن و قبیح
مسندہ رور کہہ۔

ساقی بنور بادہ ہر افروز جام ما
مطرب بگو کہ کار جهان شد بکام ما
ساقی ہمارا پیالہ شراب کرشنی ہو نور کر
ای مطرب کہہ کہ ہمارے کام سے جہان کا کام ہو گیا
پہلی مصرعہ کا صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ساقی پیالہ شراب سے بہرہ ور ساقی و مطرب خود ہی مشد کامل
مراد ہو تو شراب سے شراب معرفت یعنی از مشد کامل ہمارا قلب معرفت کر نور سے نور کر دے دوسری
مصرعہ میں نفس الامر کی غور و طلبی ہو کہ جب ہمارا کام ٹھیک ہو گیا تو ہمارے نزدیک دنیا جہان کا کام ٹھیک
ہو گیا زمین اپنی کام سے کام پر اسی فکر کی کیا ضرورت۔ یہ خیال سست ہو گیا تو ہمارے بانی الفاظ اکید و ستر

لازم و ملزم ہیں
یاور پیالہ عکس رخ یار دین ایم
ای بخیر ز لذت شرب ددام ما
ای مخاطب تو ہمارے شربت امک لذت بخیر ہو
ہم تو پیالہ میں رخ یار کا عکس دیکھا ہے

یعنی معشوق تصنیفی کا وصال کب ہوا گا۔
 دریا کی اختصار فلک و کشتی ہلال
 ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما
 دریا کی فلک نیلگون اور کشتی ہلال
 ہمارے حاجی قوام کی نعمت میں غرق ہیں

حاجی قوام ایک وزیر کا نام ہے عموماً اسکو بزرگ لوگوں سے دلچسپی رہتی تھی اور انکو بلا کر اپنے بہان
 دعوتیں کیا کرتا۔ خصوصاً خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ کا بہت ہی معتقد تھا اور انکو بھی سجدہ و استغاثہ
 ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اسکو ساغرین آسمان اور ماہ ناتمام کا عکس پڑا تو خواجہ صاحب دحب
 موقع پر شعر تصنیف کیا کہ فلک نیلگون گاڈ با اور ہلال کی کشتی ہمارے حاجی قوام صاحب کی کشتی
 غرق رہتی ہیں یہ گویا اسکی خوان نعمت کی تعریف ہے جو وہ درویش صفت لوگوں کو واسطے طیار کرتا تھا
 اور اوستی خالصاً مخلصاً لوجہ اللہ دوستی رکھتا تھا۔

حافظ زویدہ دانہ اشک ہے فشان
 باشد کہ مرغ وصل کن قصد دام ما۔

ای حافظ انکھ سے دانہ اشک ہی گرا
 شاید کہ مرغ وصل جالین آئینکا ارادہ کرے
 شاعرانہ رعایت انکھ اور آنسو ڈھیر دانہ و مرغ اور جال کی ہے مطلب یہ کہ ای حافظ آنکھوں سے اشک
 جاری کر شاید کہ اسی ذریعہ سے وصال محبوب میر ہو جائے۔

صداں کار کجا و من خراب کجا
 بین تفاوت رواں کجاست تا کجا

کمان پہنیز گاری اور کمان پن رند خراب
 دیکھ کہ اس راہ میں کمانوں کا شک فرق ہے
 یعنی پہنیز گاری تو اسکو واسطے لازم ہے جو رند نہ ہو چونکہ من رند ہوں مجھ پر پہنیز گاری کمان ہو سکتی ہے
 ای مخاطب اس فرق پر غور کر کہ کتنا فرق ہے کمان مست بادۂ معرفت اور کمان راہِ طاعت کہ عاشق کو
 پہنیز گاری اور نقوی سے کہا غرض واضح ہو کہ طاعت اور میر ہے اور معرفت اور ان دونوں میں
 بڑا فرق ہے چنانچہ اوسے فرق کو حافظ صاحب بیان فرماتے ہیں۔

چہ نسبت ست برندی صلاح و نقوی را
 سماع و غلط کجا نعمت باب کجا

رندی سے پہنیز گاری اور نقوی کو کیا نسبت ہے
 کمان سماع و غلط اور کمان زبان کاغیر
 یہ شعر اول شعر کی توضیح ہے۔ اور وہ ہی مطلب ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی زاہد اور متقی لوگ و غلط
 مجلسوں سے موثر ہوتے ہیں اور رند خدا کو مستون کو کسی و غلط نصیحت سے کیا غرض نہ وہ اپنی جگہ باب

اور کمان راہِ طاعت کہ عاشق کو

ترسم کہ صبر و روز باز خواست نان حلال شیخ ز آب حرام ما
 مجھ ڈر کہ قیامت کے دن غالب ہو جائے شیخ کی خسلال روئی ہمارے حرام پانی پر
 صرف کہ معنی پڑھتی کرنا یا غالب آنا۔ اور باز خواست سرور و مشر اور نان حلال شیخ سو تقویٰ ربائی
 اور آب حرام سے شراب مراد ہے اور یہ شراب شراب عشق حقیقی کے لئے ہے نان حلال کو مقابلہ
 میں آب حرام لائی ہیں۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہم سر عشق محبوب میں
 قصور ہو جائیں گی وجہ سے زاہد کا اتفاقا قیامت کو روز غالب ہو جائے اس صورت میں حلال کا حرام پر
 غالب ہونا بمعنی نہیں ہوتا لیکن صبر کی ضمیر اس جگہ استفہام کا کام ہی دیتی ہے اور اصل مطلب
 یہ ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کو دن شیخ کو ربائی تقویٰ سے ہمارا عشق حقیقی سبقت
 کر جائے گا یا یہ استفہام ہے اور ایسا ہی ہو گا اور لفظ ترجمہ حقیقت میں اپنی واسطی نہیں ہے بلکہ شیخ کی واسطی
 ہے یعنی میں ڈرتا ہوں کہ کہیں شیخ کو نفوس پر ہمارا عرفان حق غالب نہ آ جاوے۔

اگر باد اگر بگلشن احباب گزری ز نثار عرضہ وہ بر جانان پیام ما
 اے صبا اگر تو گلشن احباب میں گزرے تو جانان سے ضرور ہمارا پیام کہہ دے
 گو نام مازیاد بھدا چہ میرنی خود آید آنکہ یاد نیاری ز نام ما
 اور کیونکہ ہمارا نام جان بوجہ یاد ہو کہ کون نکلتا ہے خود وقت آتا ہے کہ ہمارے نام کی بھی نہ ہو سکی
 یعنی اے صبا اگر تو دار بقایہ میں رہنے والے احباب کو پاس ہو کر گزری تو اون سے ضرور ہمارا پیام کہہ دو
 گو کہ ہمارے نام کی یاد یعنی ہماری یاد جان بوجہ کہی نہیں آتی لیکن وہ وقت ہی دور نہیں ہے کہ سچ مجھ
 ہمارا نام ہی باقی نہ رہے گا اور ہم نام سے بعد فنا کے بالکل محروم رہ جائیں گے۔ نام تو اوستی وقت تک ہے
 جب تک زندہ ہیں مرنے کے بعد کمان۔

بگرفت پچو لالہ دلہ و ہوا کی سرور اے مرغ نخت کی شومی آخر نور احمہا
 لالہ کی طرح میرا دل ہوا کی عشق میں سر ہوا۔ اے مرغ نصیب تو کب تک ہنسے گا
 لالہ مشہور ہوں ہے اور کچھ میں سیاہ داغ ہوتا ہے شاعر و نثر نویس لالہ کہ جگر میں یہ داغ عشق کی وجہ سے
 ہے مطلب شعر کا یہ ہے کہ از روی وصال عشق میں میرا دل ہی لالہ کی طرح عشق کا داغ رکھتا ہے اور شندی
 سانسین بہر تائب ہے اسے مرغ نصیب تو کب تک جال میں پھنسے گا اور کب یاوری کرے گا

اس شعر میں خدا تعالیٰ اور حضور سرور کائنات اور رشید کامل ان نبیوں میں سے جسکو چاہیں خطاب کتنی ہیں
باقی مطلب صاف محتاج تشریح نہیں۔

قرار و خوابے حافظ طمع مدارا دوست
قرآنیت صبور کی کلام خواب کجا
ایک دوست قرار اور نیند کی حافظ سے امید نہ رکھ
قرار کیا صبر کون چیز نہیں کہ مان
قاعدہ کلیہ یہ کہ عاشق کو نیند جو راحت کی علامت ہے نہیں آتی اور نہ کہی میں پڑتا ہے اسبواسطہ حافظ صاحب
فرمان میں کہ یہ دوست حافظ سے راحت و اہام کی طمع نہ رکھے اسکو چین نہیں ہے۔ اگر چین پڑے گا تو وصال ہے
پڑے گا اور صوفیہ کرام وصال موت کو کہتے ہیں۔

اگر آن ترک شیرازی بدست لاری را
بخال ہندوش خشم عمر قند و بخار را
وہ ترک شیرازی اگر ہمارا دل رکھے لے
تو او کو خال ہندو کو عیوض سمرقند بخار اور ڈالو
ترک شیرازی جو معشوق مجازی مراد ہے ترک بہت خوبصورت قوم ہوتی ہے جیسا کہ سعدی صاحب
فرماتے ہیں یہ سہد یار روز ازل حسن بترکان دادند یعنی خدا نے روز ازل میں خوبصورتی ترک کو

دی ہے۔ خال ہندو صفت بیان ہے شعرا کی فارس تل کو سیاہ ہونے کی سبب ہندو سے تشبیہ و تیری میں
اس لفظ سے کہہ سہا ہی کی ہی تعریف نہیں ہوتی بلکہ نافرمانی کیسی خوبی پائی جاتی ہے۔ سمرقند و بخارا
دو بڑے مشہور شہروں کے نام ہیں۔ مجازی مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ترک حسین میرا دل رکھے لے میرا
کنا مان لے تو میں اسکی صرف خال رخ کو اوپر سے دو شہر قربان کر دوں یا بدل میں دے ڈالوں محل
یہ کہ یہ دونوں شہر او کو خال کے معاوضہ کے لائق ہیں لگاؤ ذکر ہی کیا ہے یہ گویا شاعروں کی نامنما ہی
بخش ہے جو عالی از لطیف نہیں حقیقی اعتبار سے ترک شیرازی معنی محبوب حقیقی آیا ہے اور سمرقند بخار اس
دو دونوں مراد میں مطلب یہ ہے کہ اگر شاہ جہنمی سے اپنے محبت کیلئے قبول فرما کر تو اسکی ذرا سی تو ہبہ
یا مال برابر لطافت ہو ورنہ جہان کو چور بھون اور اسکا ہور ہوں۔

بدہ ساقی می باقی کہ در حینت نخواہی یافت
کنا آن کنا باد و گلگشت مصلی را
اس ساقی شراب باقی ماندہ لاکہ و صیبت میں
رکنا آباد کنا رہ گئی کی سیر اور عید گاہ کنا پسر کا
حافظ صاحب کو وطن شہر شیراز میں رکنا آباد نام ایک نثری اور ابسا معلوم ہوتا ہے کہ وہیں کوئی سیر
تفریح کی جگہ جسکو گلگشت کہ لفظ سے تعبیر کیا ہے عید گاہ تھی۔ یہ عید گاہ سیر کا مقام رکنا آباد کہ کنا رہ

اور با نسل کی آواز سے سرور اور محفوظ ہوا کرتے ہیں بیاں ایک باجہ کا نام ہے جو ساز کی کی قسم ہے ہوتا ہے۔
 ولم یصومہ بکف خرقہ سالوس کجاست دیرمغان و شراب ناب کجا
 میری دل از عبادتخانہ سے خرقہ کرو فریب کالیا کمان دیرمغان اور کمان شراب ناب
 دیرمغان کو مقام زندان اور شراب ناب کو اسرار عشق و محبت مراد ہے یعنی میں نے عبادتخانہ سے کرو فریب کا
 بہ لیلیا ہے۔

بشد زیاد خوش یاد روزگار وصال خود آن کرشمہ کجا رفت آن عتاب کجا
 اسکی خوش طبعی سے زمانہ وصال کا یاد آگیا خود وہ کرشمہ کیا ہو اور وہ عتاب کمان ہے
 یعنی محبوب کی خوش طبعی سے زمانہ وصال کا یاد آگیا اب وہ کرشمہ اور وہ عتاب کمان گئی جو خوش طبعی کے
 سنانی ہوا کرتے ہیں۔

ز روی دوست دل دشمنان چہ ریابد چرخ غمرہ کجا شمع آفتاب کجا
 چہرہ دوست سے دشمنوں کو دل کو کیا تائد کمان گل شدہ چراغ اور کمان شمع آفتاب
 دشمنوں کو ناخدا شناس اور دوست سے محبوب حقیقی مقصود ہے مطلب یہ کہ جو لوگ تیرہ دل ہیں
 اور اسرار معرفت سے غفلت نہیں رکھتا وہ کی مثال گل شدہ چراغ کیسی ہو ایسی آدمی چہرہ دوست کے
 اس طرح فائدہ نہیں اٹھا سکتا کہ بستر شمع آفتاب سے خفاش فائدہ نہیں اٹھاتا مردہ چراغ سے
 وہ تاریک دل مراد ہے جس میں انوار الہی نہ پہنچتے ہوں۔

ببین پدید نمدان کہ چاہ در رہاست کجا ہی روی می دل بدین شباب کجا
 سب نمدان کو دیکھ کہ کنواں راستہ میں ہے کمان جاتا ہے ایدل ایسی جلدی کمان کی ہے
 نمدان کو سب نمدان نمدان کو چاہ سے تشبیہ کی ہے یعنی اگر وہ تو طلب عشق میں ایسی جلدی نہ کر
 اور دیکھ کہ راستہ میں کنواں ہے اگر جلدی سے آگے کو بڑھنا چاہے گا تو مبادا کنوین میں گر جائے۔
 معرفت میں دشواریاں ہیں جلدی چلتی ہے قدم پہلچا کر گا اور شاید جلدی میں کنوین میں گر پڑے
 اور منزل مقصود تک نہ پہنچے اس واسطے جلدی کرنا اچھا نہیں ہے۔

چو کل بنیش ما خاک آستان شہاست کجا رویم بفرما ازین جناب کجا
 ہماری بیانی کیلئے تمہاری دہیز کی شکل مکر کا تہہ کجا بجا رو کہ اس جناب سے کمان کو جائیں

میرزا حسن عشق کو جمال یاد پر دیا ہے
 آب و رنگ اور خال خط حاجت و نیر بار
 جس طرح کہ پہرہ کرنا اور سنگھار کیا اس طرح آب اور خال خط ضروری ہیں اس طرح حسن کا عشق بھی ایک
 قسم کا بناؤ سنگھار ہے یعنی عشق کا حسن عاشق کو سر و بالا ہو جاتا ہے مگر جب پہرہ خود خوب صورت
 ہو تو اس کو سنگھار کی حاجت نہیں ہوتی۔ لہذا عاقل صاحب بطور کسر نفسی فرما تو ہیں کہ شاہد حق کا
 جمال ہمیشہ تمام عشق کو نیا لون کرنا ہے سر مستغنی پر یعنی بطرح کہ عام جنون کو حسن کو عاشق کا عشق
 بنا دیتا ہے اس طرح ہمارا عشق جو ناقص ہے وہ محبوب حقیقی کو جمال کیا بڑھایا گیا کیونکہ وہ بڑیا ہے اور اس کو

جمال لانوال کو کسی عشق کی ضرورت نہیں
 من از آن حسن روز افزون کہ یوسف و زلیخا
 میں اس حسن روز افزون کو جو یوسف بختا تھا
 کہ عشق از پرده عصمت یوسفی روزیخارا
 کہ عشق پرده عصمت یوسفی زلیخا کو باسر لاسکا

رعایت الفاظ میں عشق اور یوسف زلیخا کی ظاہری مجازی معنی صاف حقیقی بہرہ میں یوسف کو مراد
 و جو یوسف اور زلیخا ممکنات مقصود ہیں یعنی عالم عدم میں جب میں نے جلوہ جمال حقیقی کو مختلف
 اوصاف میں مہیا کر دیا تو میں سمجھ گیا تھا کہ یہ حسن روز افزون ہم عاشقوں کو عدم سے وجود میں لایا گیا
 اور قیضانہ دنیا میں اپنی محنت کا پابند کر کر کو کا چنانچہ وہی ہوا اور ہم عدم سے وجود میں شاہد جمال

بارتغالی کی طرح جو بصورت ممکنات ظہور پذیر ہے پرده عصمت یوسفی میں
 حدیث از مطرب می گوید روز دہرست جو
 ہات مطرباوری کی کر اور روز دنیا کا ست ہونڈ
 کہ کسی نے نہ کولانہ کول سکنا ہو عقل یوسفی سے

مطرب یوسف سبحانہ تعالیٰ اور یوسف کو روح مراد ہے حدیث سے وہ عدم مقصود ہے جو روز ازل میں روح یوسف
 کو آئی تھی۔ یعنی جب خدا تعالیٰ نے روح کو خطاب کیا کہ الہیت ہو پھر تو روح کو جواب میں قائل ہوئی
 کہ انا انا انا خواجہ صاحب اس روز ازل کو عہد کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جو تعلقات خالق اور مخلوق کے ہیں جو
 ہیں بت دہرند و کیونکہ اس عہد کو آج تک کسی عقل سہل کیا ہے اور نہ آئندہ کوئی کر سکتا ہے۔

قصیدت کو سن کر جان کا زبان دست داند
 جو ان سعادتمند سپرد انار
 اور زیر نصیب کس کہ جان کو زلزلہ دست بگم
 سعادتمند جو ان سپرد انار کی نصیحت کو

یہ شعر مراد ہے کہ جو شخص کو عشق کا نور ملے گا وہ اس کو تمام کمالات عطا کرے گا اور اس کو ہر چیز سے نصیب کرے گا۔

پر تھا کہ جان زندہ مول احباب برائے سیر و تفریح نہ رہے تماشہ کیواسطے جمع ہوا کرتے تھے۔ لہذا حافظ صاحب
 مجازین اور سرفروں کو اشارہ کرتے ہیں کہ اس ساقی جو کچھ باقی شراب ہو وہ ہیں دیدار اس واسطے کہ
 جنت میں کنا آباد کا کنارہ اور مصلیٰ کی سیر و تفریح نہ ٹھیک اور معنوی اعتبار پر ساقی مرشد کامل
 اور می باقی سے وہ شراب محبت مقصود ہے جس پہلے صوفیان ہم مشرب کی بجائی ہو۔ کنار آب
 رکن آباد اور گلشن مصلیٰ سے چشم گریان اور دل بریان مقصود ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس سیر کامل جو کچھ
 می محبت تیری پاس بھی رہی ہو وہ سب دیدار اس واسطے کہ جنت میں چشم گریان اور سوختہ دل تھک کوئی
 نہ ملے گا۔ ہرگز بہشت میں سب بہشتی ایک حالت ہو گا اس واسطے کہ ان دونوں مفتوگی نفی کی گئی ہے۔
 فغان کین لیلیان شمع شیرین کا شہر آشوب چنان برف و بیلہ دل کتہ کان خان بخارا
 زیاد کہ یہ معشوق شمع شیرین شہر و کتہ کتہ دل بیون مہر تو مازہاں کہ جیسو ترک خان بیکار
 ترکستان کو رہو والون میں یہ ایک رسم تھی کہ سال میں ایک دن مقرر کر کے طرح طرح کے کہانے
 طیار کو پہلے تھو اور بعد طیاری کے او کو کسی بڑی میدان میں لپھا کر کہد تھو بعد ازاں ایک شخص کے
 اشارہ دینے پر جسکو وہ اپنا سر دار بناتے وہ ان کہا نو پیریشمار یکایک ٹوہ پڑتے تھو اور لوٹ لپھانے
 پیریشمار لفظ خوان بیکار تھی جو عرض کر دی گئی۔ اس شعر میں اوس حسینہ جمیلہ عورت کے قصہ
 کی طرف اشارہ ہو چکا نام شایخ بنات تھا اوس کا قصہ یوں ہے کہ جوانی کو عالم میں خواجہ صاحب
 او سپر عاشق ہو گیا تھو اور بہت دنوں تک فراق کی مصائب جھیلنے پڑے آخر کار بڑی کوششوں اور پیہر و
 بعد اوس عورت کا دل نرم ہوا اور وہ انکی طرف متوجہ ہو کر وصل پر آمادہ ہو گئی مگر اوس وقت خواجہ
 صاحب فرما کر دیا کیونکہ اس مجازی عشق نے اون پر حقیقی عشق کا دروازہ کھول دیا تھا اور
 وہ اب صاحب عرفان ہو گئے تھے۔ لہذا یہ شعر شایخ بنات کو عشق میں تصنیف فرمایا ہے
 کہ وہ شیرین کا آؤ شہر آشوب میرے دل سے اس طرح صبر و قرار لے لے کہ جس طرح ترک خوان بیکار
 کو لوٹ لپھاتے ہیں۔ علاوہ اسکو اس شعر کا مطلب اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں زیاد کہ شیخان
 مجازی اون مشاہدات اور تجلیات سے کہ جو تجلیات اسو اللہ ہیں میرے دل کو چھین لیکر ہیں
 اور مجھ کو ایسا سمجھین کر دیا ہے کہ سلوک عشق مشکل معلوم ہو گا اور صبر دل بیون جانا رہا کہ جس طرح
 ترک خوان بیکار کو لوٹ لپھاتے ہیں۔

تکابری مطلب صاف باطنی یہ ہے کہ جان غریب سے ہم نصیحت کو مراد کی پیشی اور غریب یا مہربان ہماری
آہ کا تیر آسان ہے بار ہو جانا ہو تو بکوراہ عشق و سلوک سے منع نہ کر اور نہ ہمارا اس معاملہ میں نامح بن
کیونکہ اگر انہم آہ کریں گے تو تو ہی ہماری طرح زخمی اور اید ایا ب عشق ہو جائیگا پس ہم کو اپنی جان پر

رحم کر کے ہمدردی نہ آہ سے بچنا چاہیے۔
برور میخانہ خواہم گشت چون حافظیم

چون خرابانی شد ای بار طریقت پیر

ایک کیفیت اس لئے کہ خرابانی ہمارا پیر ہوا کہ
میخانہ کو دروازہ پرین حافظہ کی طرح مقیم ہو گا
مہاروی کمنی غلامی نہیں شریح طلب نہیں تحقیقی کے اعتبار سے اس منزل کا مطلع و مطلع ہم معنی ہیں کیونکہ خرابانی
اشادہ عشق حقیقت کی طرف کو ہوا اور لفظ خرابانی سے خرابی اوصاف بشریہ مراد ہے قائل اس کا سب سے
جس سے عبارت غالب ہو گا اور حافظہ شبہ جس سے مقصود طلب شیر گاہ یعنی غالب کہتا ہے کہ بن دلی طرح
عشق حقیقت کو مقام کو جانوں کیونکہ بن نے خرابی صفات بشریہ کو اپنا پیر بنایا ہے اور معلوم کر لیا ہے
کہ صفات بشری کوئی چیز نہیں عارفان کامل اور اصلمان حق صفات بشری سے علیحدہ ہو کر بن
کیونکہ اہل معرفت و مقامات کو اون معنوں سے جو انسان بن کہ تعلق نہیں رہتا وہ انہی آپ کو کافی اللہ
کو لیتے ہیں اور حق سے مل جاتے ہیں۔

شب لہو طرب کے دل خوش یادوی را

شفیہم تالہ جان سوزنے را

رات طرب ہو گا دل کو خدا خوش رکھے

چنان در جان من سوزش اثر کرو

اوسکو سوزنے میرے دل میں ایسا اثر کیا

ہاں سلی کی آواز سوز و گداز سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور صوفیوں کو کرام اور سکس نغمہ کو پسند کرتے ہیں

صوفیوں کا ہاں سلی کے نغمہ کو پسند کرنا اہل علم و ادب پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ وہ اوسکی آواز دل گداز سے

اور ہی نتیجہ نکالتے ہیں۔ چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے اپنی شاعری کو ان کی ہی بیان سے شروع کیا ہے

پہلو شعر میں مطرب سے مرشد کامل مراد ہے اور تالہ یا سوز یا سلی سے وہ حالات معرفت مقصود ہوتے گئے

ہیں جو مرشد نے ارشاد فرمایا کہ مطلب صرف یہ ہے کہ رات جب مرشد کامل نے اسرار عشق و حقیقت

سوز و گداز سے بیان کو تو میری اوپر اور انکا ایسا اثر ہوا کہ تمام اعضا جسم آبدیدہ ہو گئے اور کوئی چیز میری

یعنی تیری شلین دل بین کالونی دروازہ کھل سکنا کی کہ جس میں ہو کر ہمارے آہ آتش ہارا اور نالہ شبگیر
داخل ہوں غلامیہ کہ آہ اور سوز نالہ شبگیر تیری دل کر پاس پہنچیں معنوی مطلب یہ ہے کہ شلین
دل صفات مشوقان میں سے ایک صفت ہے مگر بیان صفات خدا تعالیٰ میں ہے صفت تیسویہ
مراد ہے شب تیری عبارت کی بوقت تیری۔ آہ نالہ سے مقصود حق حال اشتیاق یعنی اوشا بدھیتنی
وقتوں کے کوئی وقت ایسا ہوتا ہے (ضرور ہوتا ہوگا) کہ جب ہمارا حال اشتیاق تیری کالون کے
پاس تک پہنچ جاتا ہو۔ اس کی صرف عرض حال و شوق لماقات مقصود ہے۔

مخ غول راضیہ محبت بدم افتادہ بود زلف بکشادی و باز از دست شد مخیر ما
مخ غول کی محبت کا شکار دام میں پھنسا ہوا تھا تو زلف کو لی اور پھر ہماری ہاتھوں کا شکار ہو گیا
مطلب یہ کہ ہمارا مخ غول جو فضا کی عالم قدس کا شہباز تھا صحرائی عدم میں دلچسپی کا شکار کھیلنا کرتا تھا مگر
جب وہاں سے عالم کثرت میں پہنچے دنیا میں آیا تو اس عالم کے حوادث اور پریشانیوں کو سبب
دلچسپی رفوچر ہو گئی پہنچے دنیا وہ چہ ہے کہ جس میں حوادث اور آلام کہ باعث عدم کی سوا طبعان خاطر
نہی اور ہم تعینات ہو طبعان کا شکار کیا کرتے تھے خود آلام اور اوہام کا شکار ہو گئے اسکا حل
مقصود دنیا کی برائی سے تہ یا دوسری صرح کا مطلب یوں بیان کر سکتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ توجیب ہو
عالم اطلاق سے عالم شہود میں لایا اور صورت اتحاد کو کثرت و تعدد میں بدلا تو ہماری حالت طبعان کا
تنگنی اور طبعان خاطر کی جو ہکا بچی طرح نصیب تھی وہ ہماری ہاتھ سے ہاتی رہی۔

بادبزلف تو آمد شد جهان برین سیاہ نیست سودا از رفت سیش ازین توقیر ما
جب تیری زلف کو ہوا لگی تھا تو دنیا پر سیاہ ہو گیا تیری سودا زلف کو زیادہ ہماری توقیر نہیں ہو
زلف پر ہوا لگنا جتنی پریشان ہوتا اس سے دنیا مراد ہے یعنی جب تیری زلف کو ہوا لگی پریشان کیا تو حکم
نقلہ رحالت اطلاق پر غالب آیا تو پھر جہان خوب مشاہدہ اطلاق سے سیاہ ہو گیا دوسری صرح کا
یہ مطلب ہے کہ تیری زلف کو سودی میں (جس کی دنیا عبارت ہے) اس سے زیادہ کیا میری واسطہ توقیر
واقرونی ہوگی کہ کشاکش دنیا و پریشانی بافیہا میں مبتلا ہو گیا۔

تیر آہ مار گردون بگذر جان عزیز رجم کن بر جان خود پرہیز کن از تیر ما
اے جان عزیز ہمارا آہ کا تیر آسمان کو گذرنا ہو رجم کن بر جان خود پرہیز کن از تیر ما
انہی جان پر رجم کر کر کہ ہمارے تیری بچارہ

کیکائوس اور کینوس دونوں بادشاہوں کی سلطنتوں کو جو بہت ہی وسیع تھیں۔ ایک جو کی برابر ہی نہیں ہوتا
یہ پہلی معرفت کی پیچیدگی کی تعریف ہو کہ وہ شمار میں ایک اور کروڑ کو برابر اور مقدار میں سلطنتوں
کو اور جو کہ دیکھ کو مساوی سمجھتے ہیں۔ یعنی اونکر نزدیک نہ سمجھتا تھا ہوتا ہے اور نہ بہت بہت ہی ہوتا
صوفی ہر ایک آئینہ صاف است جام را تا بگری صفائی سے لعل قلم را
اس صوفی آگ آئینہ جام صاف ہے تاکہ تو می خوش رنگ کی صفائی دیکھ لے
صوفی بحر صوفی پوش یعنی وہ ظاہری صوفی مراد ہو جس کا لباس تو صوفیوں کا سا ہو مگر دل صاف ہو
آئینہ صاف است جام میں اضافت کا بدل واقع ہوا ہے یعنی جام کا صاف آئینہ پس مطلب ہے
کہ اس صوفی پوش صوفی آ اور تو جام کو آئینہ کو دیکھتا کہ تجھ کو شراب محبت الہی کی صفائی معلوم ہوا ہے۔
یعنی دیکھ کہ ہماری مرشد کا قلب صاف اور صفائی بخش ہو اور سب کو ساتھ معرفت الہی کی رنگت کا
بھی دیکھ لے کہ وہ کیسے سرخ اور سرخ روی دہندہ ہو پس تو بھی ہمارا طریق اختیار کر تا کہ عشق محبت کا
مژدہ معلوم ہو جائے۔

راز درون پر وہ زردان مست پس کین حال نیست صوفی عالی مقام را
پردہ کے اندر کارزار مست زرد و نسو پونچہ کہ یہ حال صوفی عالی مقام کا نہیں ہے
اس شعر کے معنی میں دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ پردہ کو اندر کارزار یعنی راز عشق و محبت نہ ان
اور پیچہ و لوگوں سے پونچہ شاید از خود رنگی میں ظاہر کر دین ورنہ صوفی عالی مقام نہیں بتلا گیا اسو اسطی
کہ راز عشق کا عہد افشا عاشقان صادق کے نزدیک جہاز نہیں ہے۔ مگر بصورت حال دوم اسکا
مطلب یہ بھی سکتا ہے کہ پردہ کو اندر کا بہید یعنی وہ ہی اسرار معرفت شراب معرفت کے مخمور زرد و نسو
پونچہ کیونکہ اس عالی کو ظاہری عالی مقام صوفی یعنی وہ صوفی جو ظاہر اڑا رہا رکھتا ہو اور صوفی
کیا جائے شہر راز افشت کو نہ سیرایت جھشیں کی پونچہ۔ یہ ہیں کہہ جانتے زمین یہ ہیں ہی پونچہ۔ خلاصہ یہ کہ
اگر نندا و زنجو اہل معرفت معرفت کے راز کو نہا سکتے ہیں صوفی صاف پوشش اور دنیا کو مرتبہ والی نہیں
جانتے وہ پردہ کو اندر دینی راز کے بتلے۔

عشق کار کس نشود دام باز چین کا نجا ہمیشہ باد بہت است دام را
عشق کسی کو شکار نہیں ہوتا جاں سمیٹ لے کہ بیان ہمیشہ جاں کو اتھ میں ہوا ہی ہوتی ہے

قالب کی ایسی نہ تھی کہ روی نہو یقطع کا مصرع اولیٰ زمانہ سمجھنا چاہیو۔
 حریر پر اسانی کہ مہر دم زلف درخ نمودی شمس و در را
 ساقی میری کو حسرت تھا کہ ہر وقت زلف اور رخ سر سوج اور اندھیرا دکھایا
 ساقی کو کتا یا دسی بیان کنندہ اسرار معرفت کی طرف ہر حرف لفظ مشہور۔ دہر۔ لفظ و بھور کا
 مخفف ہر اور دیو رشب تار کو کتری میں مطلب یہ ہے کہ بیان کنندہ اسرار زکبسی سوج کا جلوہ دکھایا
 اور کبھی اندھیری رات کی سی تاریکی ان کی حالات مقام کی تشبیہ و فراغ تصور ہو سکتی ہیں۔
 چو شوئم دید در سائے افروہ بجگم ساقی نہ خندہ ہے را
 جب میراثوق دکھاتا سائے میں شرب زیادہ کی من نے ساقی نہ خندہ ہے سو کہا
 رہا نید نے مرا از شیر ہستے چو پیو دی پیانی جام سے را
 تو نے مجھے شیر ہستی سے چھڑا دیا جب پئے دے پئے جام شراب پلا کر

یعنی جب پیر مرشد نے مجھ میں ذوق استعداد وصول الی اللہ و شوق حصول فنا فی اللہ کا پایا تو میں تعلیم و
 سلوک اور معرفت الہی کے متواتر جام بہر بہر کر بھکودئی۔ چونکہ میں اپنی زعم میں بہہ سمجھنا تھا کہ مجھ معرفت
 آگئی اور میں خدا رسیدہ گوون میں سے ہو گیا یہ بات غرور اور خود پرستی اور علامت شربستی کی تھی
 پس یہ تمام خیالات میری صفہ دل سے جام شراب معرفت کو متواتر بہر بہر کر دئی سو محو کر دیئے میں
 سمجھ گیا کہ یہ زعم غلط تھا اور ہستی کو شری چھوٹ گیا۔ یہ یہی ممکن ہے کہ ساقی سے مراد ذات باری تعالیٰ
 ہو اور مطلب یہ ہو کہ کہ ہر شخص کو بعد شوق و استعداد کے جام معرفت سے سیراب کیا اور صیبا حبس کا
 طوف تھا اور سکی و مہجیت میں او کو سیر کر کے دیا۔

حَمَلَكَ اللَّهُ عَنْ شَرِّ النَّوَائِبِ جَزَاكَ اللَّهُ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ خَيْرًا
 حوادث کی شرین اللہ تعالیٰ تیرا حامی ہو دونوں جہان میں خدا تجھ کو نیک عوض دے
 بیشعرومانیہ پر مطلب صاف توضیح کی ضرورت نہیں۔ مخاطب کا مرشد کامل یا ساقی غم معرفت کو سمجھنا چاہے
 چو بخود گشت حافظ کے شمارو ایک جو ملک کاوس و کر را
 جب حافظ بخود ہوا تو کب سمجھتا ہے برابر ایک جو ملک کاوس کی خبر کو
 یعنی جب حافظ ساقی (مرشد کامل) سے اسرار معرفت الہی سکر خودی سے بخود ہو گیا تو وہ

حضرت ادم بہشت سے نکال جانے پر وہاں کی عیش کے لئے پھٹاڑ کر تہ بہشتِ عذبتین گامنی ہو چکر منور
چوڑا کی لئے گئے ہیں۔

درہم و دریک و قیج و ریش برو یعنی طمع مدار وصال و نام را

بزم دو رہین ایک دو باغی اور چلہ کی یعنی وصال دوام کی طمع نکر
ایک دو قیج سحر اولیہ و ثلثہ اور طلب یہ کہ وصال محبوب حقیقی کو محدود و غنیمت جان اور ہم فکر کر
کہ محبوب حقیقی کا وصال تھوڑی ہی دیر رہا کیونکہ وصال کا لطف تھوڑی دیر کے لئے اچھا ہوتا ہے
اور اگر ہمیشہ وصال ہی رہے تو وہ وصال نہیں اور نہ اس میں کچھ لطف آتا ہے۔ گویا اس شعر سے
وصال کی لذت کو تھوڑی تھوڑی حاصل کرنے سے ہوس دلائی جاتی ہے۔

ایر دل شباب رفت و خریدی کلی ز عمر پیرانہ سر بکین ہشت رنگ نام را

ایر دل جوانی گئی اور تو نابالغ عمر کی کوئی بھول چلا۔ بوڑھا ہے میں ہشت رنگ نام کا کر
مطلب یہ کہ ایر دل تمام جوانی برباد ہو گئی اور تو نے عمر سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا یعنی محبوب حقیقی
کے وصال کی کچھ فکر نہ کی اب بوڑھا ہے میں بقلے رنگ نام کی ہوس کر کے خدا کی جناب میں
آہ و زاری کرتا کہ غرت و آبرور بچاؤ اور وہ خطاؤں کو معاف کر دے۔

حافظ مرید جام بست امی صبار و وز بندہ بندگی برسان شیخ جام را

ای صبا جام حافظ جام جم کا مرید ہے اور بندہ کی طرف سے بندگی شیخ جام کو پہنچا
جام جم کا نسخہ جام سے بھی ہے جس سے جام شراب معرفت مراد ہے اور شیخ جام سے مرشد کامل مقصود
حافظ صاحب فرماتے ہیں یہ کہ ای صبا تو شیخ جام سے (مرشد کامل سے) بندہ کا سلام کہنا اور کہنا
کہ حافظ اب جام جم ہے یعنی سماع معرفت کا مرید ہو گیا ہے تاکہ میں اون کی یاد سے گزروں اور یاد دہی
گزرنے کی صورت میں فیضانِ حقیقت سے جو اس کا دل میں ہے بہرہ مند ہو جاؤں۔

رونی عید شباب است و گریستا نزا میزند مشردہ گل بلبل خوش الحان را

رونی شباب کی عید کی ہے باغ کو خوشخبری بھول کی پہونچی بلبل خوش الحان کی
مجازی مطلب یہ ہے کہ باغ میں جوانی کے زمانہ کی رونق ہے یہ خوشخبری بھول کی طرف سے
بلبل خوش آواز کو پہونچے لطف شاعری اور مراعات گل و بیل و باغ و بہار کی ظاہر ہیں۔

محققانِ شریعہ و مفسرینِ کلامِ پاک حق سبحانہ تعالیٰ ہر اور بابت و بدن محاورہ فارسی ہر تصور نہ برآیت کا۔
 مطلب یہ ہے کہ ذاتِ پاک خداوند کو کسی نے مشاہدہ نہیں کیا پس تو اس فکر میں نہ پڑ کہ کسی عاقل و شفیق
 ذاتِ پاک کو کسنی خاص صورت میں نہیں دیکھا ہے اور اگر دیکھا ہے تو غیر ذات کو دیکھا ہے اور وہ اپنی جگہ
 موافق سمجھ گئی ہیں کہ یہی عین ذات ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر طالبِ توحید کو اسکی اصلی صورت سے
 دنیا میں نہیں دیکھ سکتا وہ عیناً صفت ہے جس نے اسکو واسطے جال پہلایا اور ہمیں سوا ہی ہوا اگر کوچہ
 پہنچا اور کما مشاہدہ اسکی منظرات میں موجود ہے اور عاشقانِ کامل اور نہیں منظرات کو خدا کا جلوہ
 سمجھتے ہیں۔ سلطانِ العارفین شیخ بائیزید بسطامی فرماتے ہیں کہ میں تیس برس وحدانیت میں اور
 تیس ہی برس رانیت میں عقل کو رو رہا اور کوشش کی کہ کہیں خدا کو دیکھ لوں لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا آخر کار
 جب نگاہ نیک کی اور صبر کیا تو معلوم ہوا کہ جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ میں ہی تھا یعنی جو کچھ میں
 دیکھتا ہوں یہ سب ہی ہے اور اسکی شکل یہ ہے۔ عین ذات نہیں ہے اسواسطے کہ اسکی ذات پاک
 سب سے مراد منزہ ہے۔

من انظران حسیع سیرید من رافیت کاہن دل نہا و درکت عشقت زمام را
 میں اوسوق آرام کی طمع سے جھوٹا جیکہ اس دل کی لگام کو تیر عشق کو ہاتھ میں دیا
 یعنی جسوق میں نے تجھے لو لگائی اور تیر عشق کیا اوسوق میں راحت و آرام کو چھوڑ بیٹھا
 ہوں لہذا مجھ آرام کی ضرورت نہیں۔

مارا براستان تو بس حق خدمت است ای خواجہ باز میں بترحم عن سلام را
 مجھ کو تیری دیوڑھی پر حق خدمت کا حق ہے ای مالکِ رحم کی نگاہ سے غلام کو پھر دیکھ سے
 مطلب یہ کہ ای مالکِ محبت سوا ہی ڈاڑھی پر پڑے رہی کے اور کوئی خدمت نہوی پاور نہ میں اور کسی خدمت
 لاؤں نہ پاس تو اس حق سیر کمال پر دم فرما۔ یہ شعر خدا کی جناب میں بطور سنا جات و زاری کے ہے
 در عیش نقد کوش کہ چون آنچور زمانہ آدم بہشت روضہ دار السلام را
 نقد عیش میں کوشش کہ جو دانہ پانی زہے جیسے کہ آدم نے بہشت کو چھوڑ دیا
 عیش نقد سے زندگی مراد ہے۔ اور آنچور سے موت دانہ پانی پڑھا یعنی وقت موت کا آگیا مطلب یہی
 کہ زندگی میں ذکر و فکر کی کوشش کرنے چاہئے اور جب موت آجائے تو ایسے ہی بچتا ہوگا جیسے

کمال کو نہیں پہنچیں گے یعنی اگر انکو عشق ہی ہوگا تو مجازی تک محدود رہیگا حقیقی تک پہنچ

سینکے جو عشق کی ابتلا ہو کر کشتے نوح
یار مردان خدا کا یار ہو کہ نوح کی کشتی میں

ہست خاکی کہ بآبی نوح و طوفانرا
خاک ہو کہ پانی سے طوفان کو نہیں خریدتی

طوفان آنے سے پہلے حضرت جبریل کے کہنے کے موافق نوح علیہ السلام نے کشتی میں کچھ خاک ہی رکھ لی تھی۔ چنانچہ جب طوفان آیا اور سب میں پانی ہی پانی ہو گیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے نماز کی وقت چاہا کہ طوفان کے پانی سے وضو کریں پس اویس وقت حکم جناب باری آیا کہ اسے نوح اس پانی سے وضو نہ کرے کیونکہ طوفان کا پانی قہرائی کا پانی ہے تم وضو کی بجائے کشتی سے

تیم کرو لہذا جب ہی تیم کا طریق جاری ہوا ہے۔ یہ شریح تو الفاظ کشتی و نوح خاک اور طوفان کی تھی کہ تمام لفظ جو طوفان نوح سے متعلق ہیں اس شعر میں جمع کر دئے گئے ہیں اب معنی لیجئے کہ مردان خدا سے کالمین لوگ اور نوح کی کشتی سے اہل اللہ کا وجود مراد ہے۔ طوفان سے مقصود حوادث دنیا ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تو مردانِ کمال کا دوست بن یعنی اونکی صحبت میں رہ اونکی خاک

(وجود) وہ خاک ہو کہ جو نوح کی کشتی میں تھی اور جو اپنی اعلیٰ رتبہ کو سب سے اونچے واسطے تھوڑے پانی کے عبوس میں تمام نوح کے طوفان کو نہیں خریدتی اسید طرح عارفان کمال کا وجود تھوڑا ہی عالم و عانی مقابلہ میں تھوڑی خاک سے ہی تمام سامان (طوفان) دنیا کو نہیں بول لیں گے۔

برواز خانہ گردون بدر و نان مطلب
خانہ گرد و نسو باہر جا اور رونی مست مانگ

کین سہ کاسہ ورا خرابش مہارزا
کہ نہ نخیل آخر کار مہمان کو مار ڈالتا ہو

خانہ گرد و نسو دنیا کی طرف اور مہمان سے اہل دنیا کی طرف اشارہ ہو سہا کاسہ یعنی نخیل ہے جیسا کہ سب نے ترجمہ کیا ہے یہ لفظ دنیا کی صفت میں لائے ہیں مطلب یہ ہے کہ دنیا کا طالب دنیا کو باوجود دنیا میں بطور مہمان کے آتا ہے۔ مگر یہ میزبان بجائے اسکے کہ اپنے مہمان کی خاطر کرے اور سکون کر دیتا ہے لہذا تو اس نخیل سے اپنی خاطر کی اسید کر کہ اور اسکا طالب نہ بن کیونکہ نتیجہ میں نخیل کو مار ڈالے گا خلاصہ یہ ہے کہ اہل دنیا تو دنیا کو ترک کر دیں اور تارک دنیا ہو جاوے اس سے سوائے فنا کو اور کچھ حاصل نہ کر سکیگا اور اگر عشق و محبت میں عرفان کا درجہ حاصل کر لگا تو فانی دنیا سے کل کرے ابالہ کہ نہ تک پہنچ سکتا ہے۔

مگر حقیقی اعتبار سے رونق عہد شباب کٹا یہ سے وجود سالک کی طرف کو اور بہتان کی سر پر مرشد کی مجلس مراد ہے۔ گل سے تجلیات اور لیلیٰ سے طبع عاشق مقصود ہے مطلب یہ کہ وجود سالک کا دم مرشد کامل کی بزم میں غنیمت ہے یہ بشارت عاشقوں کو گل نے یعنی تجلیات انوار مرشد کامل سے دی ہے پس اسی خوشخبری سے بہت سے طالب فیض کی واسطے جمع ہو گئے ہیں۔

ایک صبا اگر جو انسان چمن بازاری
خدمت ما برسان سرو گل وریخا
ایک صبا اگر جو انسان چمن کے پاس پہنچے
گل وریخان سے ہماری دعا کہدینا
جو انسان چمن سے مرشد کامل کے دربار اور خدمت ماسی ہماری دعا یا سلام عبارت ہے گل وریخان سے
پھر وہ ہی مرشد کامل کے مرید یا شاگرد مقصود ہیں اور مطلب صاف ہے کہ ایک صبا جب لو جو انسان
چمن یعنی مرشد کے دربار کے پاس جاوے تو ہماری دعا اور سلام و نیاز کہدینا ممکن ہے
کہ جو انسان چمن سے گذشتگان سلف مقصود ہوں تو یہ قرینہ بھی صحیح ہوگا۔

ایک کہ بر مہکشی از عنبر سار اچوگان
مضطرب حال گردان بن سرگردا
ایک کہ موندہ پر تو زلف سیاہ ڈالتا ہے
بہر سرگردان کو مضطرب و پریشان مت کر
ظاہری مطلب صاف ہے باطنی یہ کہ ایک شاہد حقیقی تو اپنی خیال پر زلف سیاہ ہیں سرگردانی
دنیا میں مڑال یعنی اپنی معرفت حاصل کر کے بھکسو سوائے کسی اور شے کا خیال مت نہ کر
مخاصہ یہ کہ جب عاشق کسی اور کا خیال کرے گا تو گویا محبوب حقیقی نے اپنی جلوہ پر اس کے واسطے
زلف ڈال لی یعنی اس کو جلوہ رخ دیکھنے سے باز رکھا۔

ترسم آن قوم کہ بر وہ دشان میخندند
در سر کار خراباات کنند ایمان را
میں وہ لوگوں کو دڑتا ہوں کہ جو در دشمن ہنسن
خراب کام میں ایمان کو برباد کرتے ہیں
دشمن دشمن سے عاشقان الہی مراد ہیں یعنی میں دڑتا ہوں کہ یہ ہنسے و اسے انکار کرے کیسی عیب یا شے
باترہ نہ دہو مہین۔ یہ شعر اس حدیث کے تلخیص ہے جو پیغمبر خلیل و مسنون پر ہنسے والوں کی واسطے
بیان فرمائی ہے۔ وہ من غب لہ خبیہ لہ عیت سختی و قہ فیہ۔ یعنی جو شخص کا اپنی بھلی پر
عیب لگا کر وہ اس وقت تک نہیں مریگا سب تک کہ اس عیب میں خود ہی گرفتار نہ ہو جائے گا
لہذا جو لوگ کہ ہمیشہ ہنسے ہیں وہ گویا عشق الہی کو عیب سمجھتے ہیں وہ خود اگر اس میں گرفتار نہ ہو جائیں تو

در شرف ندانم کہ چه سود اداری کہ ہم بزودہ گیسو مشک افشان را
خیال ندین نہیں جانتا ہوں کہ تو کیا سودا کرتا کہ با ہم کہو لد یا گیسو مشک افشان کو

سزیدت احکام کثرت نصیحت بہ ہم زد معنی پشیمان کردن کمال مشک افشان کو اشارہ دلت بہ طرف جس سے مقصود ہی نصیحت
یعنی جو محبوب میں نہیں جانتا کہ تو اس کثرت نصیحت میں کیا خیال کرتا ہے کہ اس احکام کثرت کو ہم غلبہ دیا اور ہمیں منلوں گا اس کو شکایت کرے گا

ملک زادگی و کینج قناعت گنجیست کہ بشیر مدیر نشود سلطان را

آزادگی ملک اور گوشہ قناعت خزانہ ہے کہ بادشاہ کو تلوار سے نصیب نہیں ہو سکتا

یہ دو بیانی کا افتخار ہے کہ آزادی ہمارا ملک ہے اور گوشہ قناعت خزانہ یہ وہ دولت ہے کہ بادشاہ کو

تلوار کو زور سے ہی میسر نہیں آسکتی خلاصہ یہ کہ ہم حالت فقیری میں ہی بادشاہی سے بڑھ کر

ہو می ہیں اور جو دولت فقیری میں حاصل ہو وہ بادشاہ کو نہیں۔

حافظ امی خور و زیدی کن خوش باش و دام زور یکن چون در گران قرآن را

ای حافظ شرب پیستی کو خوش رہ۔ لیکن قرآن کو دور و بختی طرح مکر کا جال نہ بنا

می سے می محبت الہی اور زندی سے کمال اسرار کا پوشیدہ رکھنا مراد ہے خوش باش یعنی مرغان مرغ

دگران جو ظاہر پرشتون کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ کہ ای حافظ عشق الہی کو اسرار حقیقی کو چھپا

اور شہر چو خواہی کہ آسودہ گردی ز رنج کسی را مرغان و از کس مرغ پر عمل کر اور اون لوگوں کی

طرح جو ظاہر میں قرآن پر تہو۔ اور اس کو معنی بیان کرنے پھر تے ہیں گز باطن میں اونہوں کو قرآن کو

اپنی مکر و فریب کا جال بنا رکھا ہے۔ لوگوں کی غیبتیں کر کے قرآن کو ہی حکم کے مطابق اپنی ہرادران

اسلام کا گوشت کھاتے ہیں تو قرآن کو مکر کا جال بہت بنا اور کسی کی ایذا دہی اور عیب فاشی میں کوشش

نکر بزرگان سلفت میں جو ایک صاحب فرستے ہیں کہ و گران ایک ہمار کا نام ہے اور اس کو پر ویز

قرآن شریف لکھا ہوتا ہے باوجود اس تقدس اور شہرک کو گران کی خوراک آدمی کا گوشت ہے پس

یہاں دوسری مصحف میں مرغان سے وہی مردم خوار پر مقصود ہے جو قرآن کا جامہ ہیں کر آدمی کا

گوشت کھایا کرتا ہے۔ ہمارے خیال میں اگر کوئی ایسا پرند ہے تو اس سے بہتر اس موقع پر اور کوئی

فریہ نہیں ہو سکتا کیونکہ حسب عادت خواجہ صاحب نے گران کو پرند ماننے کی حالت میں دامن کی دعا بتائی ہے

کیا محب ہے کہ او کو خیال میں ہی کوئی ایسا مردم خوار پرند دینا پر ہو۔

گر زمین جلوہ کند منجھ باده فروش خاکروب در میخانه کخم مرگان را
اگر باده فروش منجھ ایسے ہی جلوہ دکھائے در میخانه کو مرگان سے چھاڑ دوں

منجھ سے مراد وہ شاہدہ جمال ہے جو کہ سالک کا دل لیجاتا ہے اور میخانہ سے کنا پر عشق و محبت کی طرف ہے یعنی اگر شاہدہ تجلیات الہی جلوہ گری کرتا ہے تو میں انہی پلکوں سے صحن عشق و محبت میں جب آڑ دوں۔ یعنی اتنا روؤں کہ میرا عشق تمام کثافتوں اور براہوں پر پاک و صاف ہو جائے اور پوری درجہ تک پہنچے۔

نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود گرتو گشتہ شوی دائرہ امکان را

اسرار وجود کو ایک نکتہ سے واقف ہو اگر تو تمام دائرہ امکان میں سرگردان ہو کر

یعنی اگر تو تمام دائرہ امکان میں ہی سرگردان و پریشان ہو کر تو بھی اسرار وجود ممکنات سے کہ جو حق تعالیٰ نے او میں رکھا ہے نہیں معلوم کر سکتا۔ خلاصہ یہ کہ انسان کو اسرار وجود ممکنات معلوم ہو جانا قطعی غیر ممکن ہے چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرے۔

ہر کر خواہی آخسر بد و شتی خاکست گویا حاجت کہ برفلاک کشتی ایوان را

جس کی سبکی خواب گاہ آفرکار ایک شست خاک ہے کہو کیا حاجت ہے کہ تو اپنا ایوان کو آسمان پر بلند کرنا

ایک شست خاک ہے قیور ایوان کو آسمان تک بلند کرنے سے مرتبہ عالی پر پہنچنا مراد ہے۔ یعنی جس انسان کو آرام کی جگہ صرف دوشست خاک ہو اس سے کہو کہ تو اپنی مرتبہ کی بلندی آسمان تک کیون پہنچانا چاہتا ہے۔ کیونکہ دنیا نا پائدار چیز ہے اور میں تھوڑی سی زندگی کی واسطے بہت سا سامان مت کرنا حاصل اسکا تحریک ترک دنیا ہے۔

ماہ کنعانی من مسند مصر آن تو شد وقت آنست کہ پدر و کنی زندان را

میرزا ماہ کنعان مسند مصر کی تیری سلطنت ہوئی وقت اسکا ہے کہ تو زندان کو رخصت کر دے

ماہ کنعان یوسف علیہ السلام کو کہتے ہیں اور اسی رعایت سے مصر زندان کے الفاظ ملائے ہیں مگر بیان یوسف کی روح اور مصر سے عالم ارواح مراد ہے مطلب یہ کہ امیر روح تو درجہ کمال پر پہنچے یعنی پھر عالم ارواح میں جا لی پس اب وقت اسکا ہے کہ زندان نبی باقید خانہ دنیا سے رخصت ہو کر دنیا کی لذتوں کو فراموش کر دے۔

عذار بر فروزی کے معنی جلال کی تجلی ظاہر ہو کر ہیں یعنی انسان کو عدم سے ملو جو زمین لا کر بشمار
مشاہدات سے اپنی جمال کو مشہود فرمایا پس مجھ کو اس سے کیا فائدہ ہے کہ کسی کے پرواہ نہیں کرتا صورت
و کما کرے اعتنائی کرنا عاشقوں کو شکایت کا موقع دینا ہوتا ہے لہذا وہ ہی شکایت بیان ہی ہے
اور محبوب کی بڑبڑائی کو ظاہر کیا گیا ہے۔

مشرقیہ سیاحت ارگردن خون ما اشارت ز فریب و بندیش غلط کن نگارا
تیری مژگان سیاہی جو ہمارے قتل کا اشارہ کیا ہے اور کی فریب سے ڈرا رہی محبوب غلطی نہ کرے
مجازی مطلب یہ ہے کہ اگر محبوب تیری مژگان سے ہمارے قتل کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس کو
فریب میں نہ آئیو کہ ہم بے قصور ہیں اور بے قصور و نہ قتل کرنا سر اس غلطی اور گناہ سے معافی
اعتبار سے مژگان سیاہی سے مراد دنیا ہے اور دنیا کو دونوں باعتبار ظلمت کر سیاہ ہے یعنی جو کوئی اس
دنیا میں آیا ہے وہ فنا ہو نیکو آیا ہے بموجب حکم قرآن کریم کل من علیہا فان یعنی جگہ بدست زوال
والا کس ام۔ اور مطلب یہ ہے کہ گو دنیا نے بوجہ ظلمت و غفلت اور کثرت آلام کے ہمارے
قتل کی طرف جس سے قتل مراد ہے اشارہ کیا ہے لیکن اگر ہم تیری عشق و محبت میں فنا ہو جائیں تو بعت
باللہ حاصل ہو گا چونکہ ہم تیری عاشق ہیں اس لئے دنیا کو فریب سے اندیشہ کر شاید کہ وہ ہمیں ہی عام آدمیوں
کی طرح مار ڈالے اور طبعی معرفت کا ذائقہ چکھا دیں پس اس میں غلطی نہ کر اور ہمیں اپنی عشق میں فنا کر کے
بقا کو ابدی عنایت فرما۔ فائدہ اندیشہ یا غلطی کرنا یہ دونوں صفتیں آدمی کی میں خدا کی نہیں
کیونکہ خدا ہر اندیشہ اور غلطی سے پاک ہے مگر چونکہ ایسے اشعار کو مجازی اور حقیقی دونوں معنی لہو بہا ہیں
اور عارف لوگ اپنی ظاہری اصطلاح میں باطنی نکات رکھتے ہیں پس اس لحاظ سے یہ دونوں صفتیں
جو خدا کو واسطے آئین قابل اعتراض نہ ہوں گی۔

ہم شب و رین امید کہ نسیم خیم گاہی پیغام آشنائی نواز د آشنارا
میں تمام رات میں بعد میں رہا کہ صبح کی نسیم آشنایم سے آشنایم کو سرفراز کرے
تمام شب سے تمام ایام عمر جو کتنا محتاج ہوتے ہیں اپنی خیم خیم گاہی سے حیات دنیا مقصود ہے پیغام سے
وہ پیغام مراد ہے جو فرشتہ موت طالب کی طرف سے طلب کرے پس پہونچا ہے۔ دوسری مصرع میں
اول آشنایم سے رب العزت اور دوسری آشنایم کا مل عبارت ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ

بلا زمان سلطان کہ رساند این وعارا کہ بشکر بادشاهی ز نظر مران گذارا
 سلطان کو نوکروں میں جو اس عالم کو کون پہنچائی کہ بادشاهی کو شکر یہ میں فقیر سے آنکہ یہ چورا
 ملا زمان سلطان سے بازاران ہم شرب اور سلطان سے مرشد کامل مراد ہی بانی مطلب صلی اللہ علیہ
 کہ مرشد کامل کو مریدوں میں سے کون ایسا ہو کہ یہ ہمارے لکھداو کی کاٹوں تک پہنچا دے تو انہی میں سے
 شکر یہ میں جن سے مقامات مقصود ہیں مجھ فقیر سے آنکہ نہ پیر اور سیر اور پر نظر عنایت فرما جی می محبت
 سیراب کر۔

مجھ قیامتست جانان کہ بعاشقان بخدی رخ ہموماہ تابان دل ہمو سنگھارا
 اے محبوب کیا قیامت ہے کہ تو فاعاشقوں کو رخ چاند روشن کی طرح اور دھارہ کی مانند دکھلا دیا
 جانان سے جو مطلق مراد ہوا تابان باعتبار برتوسن و ذات کو لائی میں دل سخت پھر کی طرح عام
 طور پر معشوقوں کے دل کو سختی میں تیر سے تشبیہ یا کرتے ہیں یعنی محبوب کا دل ہماری طرف سے
 سخت ہے گویا دل کا سخت ہونا معشوق کی صفت ہوتی ہے اور نہ جان جب جانان کو جو مطلق
 مراد ہیں تو سخت دل سے اس کی بے نیازی مقصود ہوگی بمطلب یہ کہ اے محبوب حقیقی تو نے
 کیا قیامت کی کہ رخ روشن دکھلا کر اور جمال کے شیدا ہوں کو اپنا شیدا بنا کر بے اعتنائی
 اختیار کی یعنی میں عالم وصل میں اپنی بے نیازی سے بلائی ہجر میں گرفتار کر لیا۔

زرقب دیوسیرت بخدا ہی پناہم گر آن شہاب ثاقب دی کند شہارا
 بخدا میں دشمن دیوسیرت سے پناہ دہونڈتا ہوں القبا اگر وہ روشن ستارہ شہابی مدد کرے
 رقیب سے نفس امارہ مقصود ہے دیو یعنی شیطان دیوسیرت یا شیطان صفت نفس امارہ کے واسطے
 پناہ ہے کیونکہ جس طرح شیطان کا کام و غلامی کا ہے نفس امارہ ہی انسان کو ہمیشہ بکا تا رہتا ہے
 ہی پناہ ہم معنی پناہ دہونڈتا ہوں شہاب ثاقب بڑا اور روشن تارا شہا ایک بہت ہی چوڑا
 ستارہ کا نام ہے مطلب یہ کہ میں شیطان سیرت نفس امارہ سے پناہ دہونڈتا ہوں مجھ کو اس سے
 پناہ مل سکتی ہے اگر یہ طریقت جو مرتبہ معرفت میں شہاب ثاقب کی طرح روشن ہے مجھ پر پناہ کی مدد کرے۔
 دل عالمی بسوزی جو غدار بر فروز تو ازین چہ سوداری کہ میکنی مدارا
 ایک عالم کا دل جلا یا جبکہ تو زخسار کو چمکا یا تو ازین چہ سوداری کہ میکنی مدارا
 مجھ اس سے کیا فائدہ کہ تو اضع نہیں کرتا

مراد حسن گل کی صفت ہے کہ اسے مرشد گویا تو گل کی مانند صاحب حسن ہے اور جمال بالکمال رکھتا ہے بلبل شیدا
سما اشارہ ہے طالب ذریعہ کی طرف یعنی انہیں مرشد کامل تیسری ذریعہ پر وائی نے جو جمال بالکمال کا خاصہ ہے
شاید اس بات کی اجازت بخیرند ہے کہ طالب ذریعہ کی ہی حال پر مدال کو پونچتا یہ شعر پہلے شعر کا
مراد ہے اور غرور کا نسخہ عروس ہے۔ اگر عروس حسن کو اعتبار سے مطلب بیان کر دینے
تو یہ ہو گا کہ شاید ہمارے عروس یعنی تیسری ذریعہ پر وائی نے جمال پونچنے کی اجازت نہ دی۔

بہن خلق توان کرد صیداہل نظر
چالاک پرند کو پسند کرد اور جال ہو نہیں پکڑے

چو با صید بختی و بان پیمائی
بیاد آر خسرو یان با و پیما را

جیب سے مراد جیب خدا ہے مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نشانی سے مرشد کی طرف خطاب ہے یا وہ
پیامی شہاب نوشی جس سے حصول فیض مقصود ہے مطلب یہ کہ مرشد کامل جیب نوعیت حق کی
صحبت میں پہونچ کر حصول فیض کریں تو ہم سرگردان و حیران نہ رہیں اور طالبان حقیقت کو مستعمل
جائیں بلکہ ضرور یاد کیجئے۔

نہ انہم از حد سبب بے انگ آشنائی نیست
سہی قدان سیمہ چشم ماہ سمارا

دوسری مصرعہ کہ یوں صفتیں معشوقوں کی ہیں۔ اور ظاہر میں معنی کے اعتبار سے اس شعر میں معشوقانِ محارِبے محبت کرشمی مبالغت کی گئی ہے یعنی یہ بات نہیں معلوم ہوئی کہ سہی قد و ن اور شیپوں اور مہجینوں کو وفا کی عادت کیوں نہیں ہے۔ باطنی معنی کے حوالہ سے ایک شاعر کا قول ہے کہ سہی قدان ہی بغیر ان صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین مراد ہیں۔ جو باغِ شریع کی سر و سہی قد ہو تو نہیں ہیں۔ حافظ صاحبِ حال بقراری ہیں فرما تو ہیں نہیں معلوم کہ ان سہی قد و ن کو عاشقانِ بہن کیوں فائز نہیں ہوتے مگر حکم کیوں

مین تمام عمر اس بات کا منتظر رہا کہ ملک الموت محبوب کا پیغام مہربانہ کو کب پہونچا کر اور ازراہ نوازش
و کرم کب مجھ کو اس کشاکش دنیا سے ہیرا می گا۔

بخدا کہ جرعت وہ تو یہ حافظ مسخیز کہ دعا کی صیغہ گاہی اثر می کند شمارا
خدا کیلئے تو بھی کراؤ تو خود حافظ کو ایک گنوٹ دی کہ صبح کی وقت کی دعا تمہاری واسطی اثر کرے
جو کہ معنی می محبت کے لئے جانیں گے۔ اس شعر میں مرشد کامل سے خطاب ہے کہ تو صبح کراؤ شے واسے
یعنی زیادہ شافی حافظ کو می محبت کا کوئی گنوٹ پلا کیونکہ جب تشنہ کو سیرابی ہوگی تو وہ تیری
حق میں دعا کرے گا اور چونکہ صبح کی دعا از بس قبول ہوتی ہے اس اعتبار سے حافظ سحر خیز کی دعا جو وہ
تو دل سے تیری اعلیٰ مراتب کو واسطی کرے گا ضرور موثر ہوگی اور بیکار نہ جائیگی۔

صبا بلطف گویا آن غزال رعنا را کہ سر کوہ دیبا بان تو داد مارا
صبا اوس غزال رعنا سے بہ نرمی کہو کہ تو نے ہمارے کوہ دیبا بان میں سرا ڈا دیا
صبا مشہور غزال رعنا سے مرشد کامل یا سردار انبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں مراد ہو سکتی ہیں
کوہ دیبا بان میں سر دنیا بمعنی مہنت اور استقلال کے موقعوں پر ثابت قدم رہنا۔ یعنی اسے
عائشان خدا سے تنہا پیروان کو یہودی عقیدے کے واسطے بڑی بڑی غنیمت مین اور مشکل مشکل
موقعوں پر اپنی استقلال سے ثابت قدمان دکھلا دین۔

شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا تفقد نکست طوطی شکر خارا
ای شکر فروش تیری عمر دراز ہو کہ واسطی ہر بانی نہیں کرتا کہ طوطی شکر خور ہے
شکر سے شہر نی معرفت اور شکر فروش ہی مرشد کامل مراد ہے۔ طوطی شکر خا بمعنی طالب معرفت مطلب
ہے کہ ای مرشد کامل تیری عمر دراز ہو تو کہ واسطی طالب معرفت کی طرف جلد توجہ نہیں ہوتا اور
اوسکو مراد نکست نہیں پہونچا دینا کہ یا تشنہ اپنی مرشد سے استفسار کرنا ہے کہ اسپین کہا بہید ہے
جو تو جلد تر ہے دولت عرفان ہو مالا مال نہیں کر دیتا۔

غور حسن اجازت مگر نہ ادوی گل کہ شمشیر بکنتی عند لب شہیدارا
اگل شاید تجو غور حسن سے اجازت نہ دی کہ لب شمشیر پیش احوال کرتا
حسن غور اور گل دلیل کہ شاعرانہ رعایتیں ظاہر ہیں۔ گل ہی مرشد کامل اور غور سے مراد پر والی

مانوں سہاں دنیا مقصودہ میں یعنی اگر یہ ہمارا عشق ظاہر نہیں کرتا تو ایک بدنامی کی بات ہے مگر ہم
 کہ عشق کے دیوانے ہیں ہمیں ننگ و نام سے کچھ غرض نہیں۔ اور ہم اسی بدنامی کو یعنی عشق
 اچھا جانتے ہیں۔

پاؤں در وہ چند ازین باد غرور خاک بر سر نفس نافر جام را
 شراب لایہ باد غرور کب تک چلے گی نامبارک نفس کو سر پر خاک ڈال دے
 باد غرور سے زہر ڈھارسائی اور کتنی مستعار مراد ہے۔ اور مطلب یہ کہ اگر مرشد شراب عشق و
 محبت عطا کرے اور سکویٰ کو مطلوب کر پاس پہنچون پہ باد غرور جو تقاضا نفس ہے کبتک و بگا اور کبتک
 اس مستعار زندگی میں جو نگاہ اس نفس نافر جام کو سر پر خاک تو مجھے شراب محبت دے۔

دود آہ سینہ سوزان من سوختن این افسردگان خام را
 میری آہ سینہ سوز کر دہوئیں نے ان افسردگان خام کو جلا دیا
 افسردگان خام سے ریاکار یا خام خیال بوالہوس مراد ہیں مطلب یہ کہ میں جو عشق محبت میں
 محو تھا میری تقریر نے خام خیال لوگوں کو گھٹا دیا اور وہ اس کا کوئی جواب نہ دیکھے۔
 یگو یا بختگی قسمت اور سچی عشق کا اظہار ہے۔

محرم راز دل شیدا کی من کس نمی بینم ز خاص و عام را
 اپنی دل شیدا کا محرم راز میں خاص و عام میں سے کسی کو نہیں دیکھتا

مطلب صاف ہے شرح طلب نہیں۔ یعنی خاص و عام میں سے کوئی شخص ہی ایسا نہیں ہے
 جو میری دل کا بید جانتا ہو اس واسطے کہ عاشق کو دل کا بید وہی خوب سمجھتا ہے کہ جسکو عشق
 کی چوٹ لگی ہو شمع گہن ہو تو سو نفس سرد کو سمجھے جس دلیں نہ ہو زرد وہ کیا درد کو سمجھے
 ہولارامی مرا خاطر خوشست کہ تو علم ایک بار بہرہ آرام را
 اس دل آرام کیسا تیرا دل خوش ہے جو کہ میری دل سے یکبارگی آرام لگیا

ہولارام سے کنایہ محبوب حقیقی کی طرف ہے اور مطلب یہ کہ تیرا دل اس کی دہیان میں خوش ہے
 کہ جسو اپنی انوار تجلی کی ایک جھلک دکھا کر بے قرار کر دیا۔ اور میری دل سے آرام و چین لیلیا ہی یعنی
 میں اسی خوش ہوں اور یہی ضرورت نہیں۔

خزائن قدر تو انکست و جمال تو عیب کہ خال مہر و وفا نیست رویا بار
 سوا استدعای عیب کہ تیر حسن میں عیب نہیں تلبا یا شکستا کہ مہر و وفا کا خال رویا پر نہیں ہے
 یعنی اگر محبوب تیرا حسن سب طرح کو عیب سے پاک صاف ہو یا ان اوس میں اگر کوئی عیب ہو تو صرف یہ ہے کہ
 مہر و وفا کا تل رویا پر نہیں۔ وفا اوسکو کہتے ہیں کہ کار و بار معشوق کا عاشق کے موافق ہو
 پس یہاں وفا سے یہی مطلب ہوگا۔ اور عاشق اسی کا شاکہ ہی ہے۔

در آسمان چہ عجب گرز گفست حافظ سماغ زہرہ برقص آن و در سجلا
 کیا عجب ہو کہ حافظ کا کلام سے آسمان پر زہرہ کا راگ سبھا کو رقص میں لاوے
 خواجہ صاحب فرمائی ہیں کہ حافظ کا کلام ایسا موثر ہے کہ اگر آسمان پر زہرہ غزلون کو کاوی تو سبھا
 چوترا آسمان پر زمین خوش و خرم ہو جاوین۔ یہاں رقص کی معنی خوشی و انبساط کو ہیں نہ تہج کے
 ساقیا بخیر زور و درہبام را خاک بر سر کن غم ایلام را
 اوسانی اونٹنہ جام شراب دے غم دنیا کے سر پر خاک ڈال
 ساتی سے مراد اور جام سودہ ہی جام شراب معرفت مراد ہے۔ غم ایلام سرکشش دنیا و فکر یا فیہا
 مقصود ہوائی مطلب صاف ہے۔

ساغری در کف نہ تاز سر بر شمش این دل از رق فام را
 شراب کا پیالہ ہاتھ میں دے تاکہ سہ سے اوتار ڈالوں اس جہہ خاکی رنگ کو
 ساغری سے پیغام وصال یا موت مراد ہے۔ اور دل از رق فام سے کنایہ غالب غصہ کی طرف ہے
 جو کہ روح کا لباس ہے اور یہی لباس گویا دولت و حشمت ہے یعنی محبوب حقیقی سے عرض کرتی ہیں کہ تو
 پیغام وصال معشوقان جمال کی پنس جلد پہنچانا کہ یہ لباس جو میری لہجہ کی بلاغات کے واسطے
 مسرہ زدہ کرے اوتار ڈالوں اور تیری پاس پہنچ جاؤں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسے
 مرشد کامل مجھو شراب محبت کا جام دی یعنی میری دل کو شراب محبت صفا ہلانا کہ لباس وجود ہستی
 مستعار کو اوتار ڈالوں اور فنا فی اللہ ہو جاؤں۔

گر صیدنا نیست نزد عافت لمان مانیخواہیم ننگ و نام را
 اگر صید نالوں کی نزدیک بدنامی ہو مگر ہم ننگ و نام کو نہیں چاہتے ہیں

نہیں رہیں گے پس یہ شعر گویا ہجر محبوب کی دہار ہا ہو اور حقیقی مطلب یہ ہے کہ اب ہم جہان سے
جانی میں چونکہ ہم کو کوئی کام نہ ہے نہیں کیا ہے نہیں معلوم کہ ہماری بد بختی کہاں ہو بخیر کی اور نصیب
کیا رنگ لائیگی لہذا بمقتضای افوض اہری الی اللہ اپنا کام تیری حوالے کرتے ہیں
تو جانی ہا ہمارا غمخوار دل نہانے جو چاہی سو کرے سپردم ہو مایہ خوشی را + تو دانی حساب کم نہیں را۔
از نثار شرہ خون زلف تو در گیرم قاصد کی کز تو سلامی برساند بر ما
درا شک سے تیری زلف کی طرح موتی پر دہن اگر کوئی قاصد تیری طرف سے مجھ سلام پہنچا کر

اس شعر کا ربط اول سے ملتا ہوا ہو اور مطلب یہ ہے کہ اگر تیری طرف سے کسی قاصد کی میر سے پاس
سلام پہنچا دیا یعنی تو نے مجھے یاد کیا اور سلام کہلا بھیجا تو میں گریہ شادی سبب اتنا شک
آنکھوں سے گرا کر جمع کرونگا کہ جتنے تیری زلف نے جمع کئے ہیں۔ اس اشتیاق کی غایت ظاہر کرنا
مقصود ہے حقیقی اعتبار سے عاشق کو پاس مشوق حقیقی کی طرف سے سلام پہنچتا ہے یعنی پیغام وصال
یعنی جب تیری پاس سے طلبی کا پیغام تیری پاس ملک الموت کی معرفت پہنچے گا تو میں شادی سے
روئے لگوں گا۔

ہر عالمہ ام ہم بدعا دست برار کہ وفا با تو شہرین باد و خلیا اور ما
مین دعا کر لیا ہوں تو ہی دعا کو ہاتھ اوٹھا کہ وفا تیری نزدیک آ جاؤ اور ہمارا خدا مددگار ہو
مطلب یہ ہے کہ اگر محبوب میں دعا مانگتا ہوں اور تو ہی دعا کو واسطے ہاتھ پیدل یعنی ہم تو دونوں ملکر
دعا مانگیں۔ میں تو یہ دعا مانگوں کہ تجھ میں وفا کرنا آ جاؤ اور تو یہ دعا مانگ کہ میرا خدا مددگار ہو
یعنی میری دعا تیری ہی ہوگی اور تیری میری واسطے ہوئی چاہیے حقیقی لحاظ سے مرشد کامل کو
مخاطب کر سکتے ہیں لیکن اس صورت میں وفا کی معنی مرید و نوکر دہوئی لینگے۔

گر تمہی خلق جہان میں تو حیف خورند بکش از ہمہ انصاف ستم و اور ما
اگرچہ جہان کی تمام مخلوق مجھ پر تجھ پر ہنس کر رہے لیکن ہمارا خدا انصاف کو اٹل کر دیتا ہے۔
حیث کا دوسرا نسخہ رشک ہی نہیں خلیق جو میری عشق اور تیری طاعت پر افسوس کہانی یا رشک کی ہے
تو ہم دونوں کا خدا اوس رشک کو انصاف سے بیٹ دیتا ہے یعنی میرا عشق اور تیری عنایت
حق بجانب ہے اور مخلوق کا رشک کرنا انصاف سے دور حقیقی طور پر اس شعر میں شاہد حقیقی اور

نگار و گیسرو اندر چین ہر کہ دیدان سر و سیم اندام را
اور کسی سر و گو چین میں نہ دیکھے گا جسے گداوس سر و سیم اندام کو دیکھا
ہمیں یہ مقصود تعنیات ہیں اور سر و سیم مراد ذات باری یعنی جس کی نے اس کو (اوس کو پتہ)

کو دیکھا ہو وہ اور کیس کو دیکھا کہی نہ پسند کرے گا
از سر دنیا گذشتے عیش و مخور خوش بخور ہم خوش بدار ایام را
تخیال دنیا سے چھوٹ گیا عیش و کما خوش کر اور اپنی زمانہ کو خوش رکھے
اپنی نفس سے خطاب ہے کہ اس نفس مطمنہ توجب عاشق الہی ہوا تو دنیا کے جھگڑے بگڑے و بھڑکے
پس اب کچھ غم نہ کر اور خوش و خرم رہ اور اپنا زمانہ عمر خوشی ہی میں گزار دے۔ غم تو دنیا کی
بدولت ہی اور جب تارک الدنیا ہو گیا تو غم کس بات کا۔

صبر کن حافظ سختی روز و شب عاقبت روز سے بیابی کام را
اسی حافظ روز و شب کی سختی میں صبر کر آخر کار ایک روز مقصد کو پہنچے گا
سختی سے اشارہ حادثات دنیا اور نفس امارہ یا شیطان کی طرف ہے مطلب یہ کہ اسی حافظ
سختی میں دن رات صبر کرے جو ایک دن ضرور ایسا ہو گا کہ تیری مراد بر آویگی۔ اس مراد آئینہ
یا تو موت مقصود ہے یا ترک دنیا۔ مثل ہے یہ مشہور ہے کہ ہر بیج کی بعد راحت ضرور
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان مع العسر یسر ان مع العسر یسر۔

ما برقتیم و تو دانی و دل غمخور ما بخت بدنا بکجا سیر و آشخور ما
ہم تو جانی و تو دانی و دل غمخور ما بخت بدنا بکجا سیر و آشخور ما
خواجہ صاحب الزہد غزل اور وقت نصیحت کی تھی جیلہ او کی محبوبہ شایخ نیات جس کا ذکر اس ہی
پہلی ہی آچکا ہے شیراز سے عازم بغداد تھی اور آپ اس کو رخصت کرے لیکو اسطے کہ تھی لفظ ما برقتیم
جس سے اپنا جانا پایا جانا ہے اپنی واسطے نہیں ہے بلکہ از راہ ادب اور تفاؤل کو یہ ایک دستور ہے
کہ اہل فارس دوست کی رخصت کیوقت اسطے کہ تھی نہیں یعنی بہہ کہ تھی نہیں ہم جانی میں جس کا شاید
ہی مطلب ہے کہ تو ہم سے جدا نہیں ہوتا بلکہ ہم تجھ سے جدا ہوتے ہیں اور بخت بدی ہی اپنی ہی طرف
اٹھتا ہے یعنی کچھ معلوم نہیں کہ ہماری بد نصیبی ہو کہ ان کی اسلئے کہ بلا تیری اس شہر میں

زود باشد که بیاید سلامت یارم ای خوش آن روز که آید سلامت بر ما
جلد و وقت نماند که یار میر سلامت می آید ای دل و دهون کیا ایها هوکا کس سلامت هم نکند
ما شوق این دل مشتاق کو سمجھتا ہو کہ ای دل جبار و وقت آ رہا ہو کہ مجوس صبح و سلامت ہم تک آجایگا
صفتی اختیار نہ یار مراد کی گئی ہو موت سے کہ نہ کہ عارف لوگ موت ہی کو وصال یا پیغام وصال بخیر میز
اس واسطی او سکوار سے تشبیہ دگئی۔

ہر کہ گوید کہ کجارت خدا را حافظ
گو زاری سفری کرد و رفت از بر ما
جو کوئی گو کہ خدا را حافظ کہسان گیا
کو کہ رو تو جو سفر کیا اور ہمارے پاس پہنچا گیا
مطلب یہ کہ اگر محبوب اگر کوئی اس کے بعد میری دوستوں میں سے تیری پاس آوے اور پوچھے کہ براؤ خدا بتلاؤ کہ حافظ کہان گیا
تو اس سے کہد پوچھ کر او کو رو تو میری ہمارے پہلو میں جان دے یعنی سفر آخرت اختیار کیا۔

لطف باشد کہ نویسی از کد اماروت را
تا بجام دل منخند دیدہ ماروت را
مہربانی ہو اگر تو فقیروں سے اپنے منہ نہ چھپاؤ
تاکہ دلی مقصد سے ہماری آنکھیں تیری رخ کو نہ کھینچیں

اس دیوان کو عام نسخوں میں یہ غزل نہیں ہے۔ صرف ایک ہی دو دیوان میں پائی گئی ظاہر ایسا معلوم
ہوتا ہو کہ یہ حافظ صاحب کی تصنیف سے نہ ہوگی کیونکہ اس میں کمر سے کر ایک ہی خافہ کو باندھا گیا ہو
البتہ ایک خوبی اس میں یہ ہے کہ ہر شعر کی پہلی مصرعہ میں ماروت اور دوسری میں ماروت آیا ہو یہ وہ ہی
ماروت و ماروت ہیں جو زہرا کو عشق میں مبتلا ہو کر چاہ بابل میں اسیر ہوئی تھی۔ پہلی مصرعہ میں گدا
روت را۔ بمعنی گدا یاں روی ترا ہے۔ یہ فقرہ کو بالفاظ ماروت کا ایہام ہے اس لئے کہ بعض لوگوں نے
گدا کو جمع بجائے گدا یاں کے گدا یاں ہی بنائی ہے۔ دوسری مصرعہ میں ہی ہی صنعت ہے کہ دیدہ ماروت
بجائے دیدہ ماروت ترا ہے اس کو بھی ماروت کا ایہام سمجھنا چاہیے۔ مطلب صرف یہ ہے اگر تو اپنا
مونہ مہربانی کر کہ ہم فقیروں سے نہ چھپاؤ تو ہماری آنکھیں دل سے نچوڑ دیکھیں۔ کیونکہ انسانی سرشت کا
مقتضی ہے کہ جو چیز سامنے ہو تو اس کو آدمی شوق سے دیکھتا جیسا کہ ہر دھکی چیز کو دیکھنے کا خواہشمند ہوتا ہے اس لئے
گویا عشق کو صورت نہ چھپاؤ کی تحریک کی گئی ہو تاکہ دیکھنے میں سہولیت ہو جائے۔

ما چو ہار و نیم و نیم در بلا کی عشق زار
ہر آنوقت کہ طرح بیٹہ بلا کی عشق میں زار ہیں
کا شکر ہرگز ندیدی دیدہ ماروت را
کیا ہوا تاکہ ہماری آنکھیں تیرے چہرہ کو ہی دیکھیں

رشتہ کا بل دو لون مراد ہو سکتی ہیں۔ باقی خلق کا رشک محبوب کی غنایت معلوم ہی ہو چکی۔
بہت گزیمہ عالم بسر منہ بخت و خند نتوان بردہوای تو برون از سرما
نیز در بیان میں اگر تمام عالم میری سر پر شور مچاویں ہاؤی سر سر شیر اسوداد و زمین کیا جاسکتا
ہر دو عشقون میں یہ شعر گویا عاشق کی بختہ کاری ظاہر کرتا ہے کیونکہ سچا عاشق وہی ہے کہ جسکو خلق کی ملامت
اور شور کا خیال نہو عشق صادق ایسا نہیں جو تاکہ وہ ملامت۔ یا طعن شیعہ سے کم ہو جائے یا دیکھی ہو جائے
بلکہ ایسی حالت میں ہمند شوق کو اور نازبانہ لگتا چلا جاتا ہے۔

فلک وارہ بہر سوکت دم میدانی رشک می آیدش از صحبت جان پرورما
تو جانتا ہے کہ مجھکو آسمان ہر طرف گردان کر رہتا ہے اسکو ہماری صحبت جان پرور رشک ہوتا ہے
اس سوزانہ ناہنجارا اور فلک برفشار کی شکایت متصور ہے کہ یا اللہ تو خوب جانتا ہے کہ یہ آسمان کون پرور
ہمکو حوادث عالم کی سبب ایک جگہ میں سے دینا اس واسطے کہ اسکو دو شخصوں کا ہم صحبت ہونا
پسند نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ رشک کرتا ہے چنانچہ میر حسن کا قول ہے شعر یہ دل کو کجا بیٹا ناہن
کسی کا اس سے وصل بہا ناہن۔

دردمندیم و خبر سید ہزار سوز درون دہن خشک و لب تشنہ و چشم ترما
سوز درون خبر دیتا ہے کہ درد مند دہن ہمارا خشک دہن پیاسی ہونٹہ اور چشم تر
ہونٹہ کا خشک ہونا اور پیرائی ہوئی ہونٹہ تو سوز درونی کی ظاہری علامت ہی ہیں لیکن چشم نری
ایک علامت سبب سوزی ہی کی ہے اسلئے کہ گرمی سے بخارات پانی ہو کر آنکھوں کے راستہ سے نکلتی
ہیں۔ درد مند سوزہ ہی درد عشق مقصود ہے چاہے مجازی ہو یا حقیقی ہو حاصل یہ کہ جو عاشق ہے
وہ درد مند ضرور ہے اور درد مند کی یہ تینوں علامتیں بیان کر دی گئیں۔

ماز و صفی زربای تو تا دم زدہ ایم ورق گل تجلست از ورق دفترما
جب تک کہ ہم نری زرخ زربا کے صفت کو لکھا ہے پتی پھول کی شرمندہ ہے ہمارا دفتر کو ورق کی
معتوق کے رخ زربا کے توصیف میں ہے کہ جب ہم نے تیرے رخ رنگین کی
تعریف لکھی تو اوسکی اثر سے ہماری نوشتہ کے ورق گلاب کے پھول کے
پتی کی طرح رنگین ہو گئی۔

چونکہ ہاروت عشق کی ہی وجہ سے زندہ ان مابلیٰ میں گرفتار ہو کر اسی غرض سے زندہ مثال دی کہ ہم بھی تیرے
عشق میں ہمیشہ کیواسطے گرفتار ہو گئے کیا اچھا ہوتا کہ ہم تیری صورت ہی کو نہ دیکھتے۔ مجازی اور مجنی
دونوں طرف کو اس کا مطلب ہو سکتا ہے۔

کی شادی ہاروت و چارہ زخانش اسیر
گر نگفتے شمعہ از حسن او ماروت را

ہاروت کہلا و سر چارہ زندان میں اسیر ہوتا
گر نہ کشتا تھوڑا سا او کو حسن سے ماروت کو
پہلو مصرع کے لفظ ہاروت سے ہاروت و ماروت دونوں مراد ہیں۔ زخانش کی ضمیر زہرہ کی طرف کو
پہنچی ہو چہرہ ہر دونوں فرشتوں ماثق ہو کر تیسری صفت ثانی میں او کی ضمیر ہر زہرہ کی طرف ہوا و ماروت
میں مالک اور روت مالک ہوا اور یہ دونوں لفظ ہاروت کو نام کا ایہام رکھتی ہیں۔ مطلب یہ کہ
ہاروت و ماروت زہرہ پر ماثق نہ ہوتے۔ اگر تیرا چہرہ کچھ تھوڑا سا حال ہی زہرہ کو حسن کا حسن ظاہر کرتا
زہرہ ایسی خوبصورت عورت تھی جسے فرشتوں تک کو اپنا گردیدہ کر لیتا تھا چونکہ او کو خوبصورتی تیری ہی
حسن سے ملی تھی اور مجھے خیرانی جس سے مشاہدہ قدرت مقصود ہو دیکھا ہے تو یہ کوصاف معلوم ہو گیا کہ
ہاروت و ماروت زہرہ پر ماثق ہو کر تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے یعنی تیرا رخ انور ہم اگر نہ دیکھتے تو شمعہ پر
ہی زہرہ کی خوبصورتی حال نہیں جان سکتے تھے پس اوسوقت یہی یقین ہوتا کہ ہاروت و ماروت
اوسپر کیسے ماثق ہوئے ہونگے۔

بوی گل برخواست گوی چہ ہاروت بود
بلبلان مستند گوی دیدہ چہ ماروت را

بوی گل کی نشتر ہو کر گویا باغون میں خیرا چہرہ تھا
بلبلین مست میں گویا دیکھ کر شل ہاروت تیرا رخ کو
چونکہ باغون میں تیرے حسن کا جلوہ تھا اسلئے ازراہ ادب بوی گل نشتر ہو کر یا طبلہ ہو گئی۔ دوسری مصرعہ کے
ایک معنی تو یہ ہے کہ بوی گل میں جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے اور اگر ماروت کو اصل لفظ تصور کریں تو یہ معنی
ہوئی ہیں کہ بلبلین اس پر مست ہیں کہ جیسے ہاروت کی آنکھیں مست تھیں۔ ماروت کی آنکھیں زہرہ کی
عشق میں مست تھیں اور بلبلین عشق گل میں مست ہوئی ہیں یہاں بلبلون سے طالبان معرفت مراد
ہیں بوی گل پر شلہ و شدا و تیر بوی گل کو کھانسی گل کی جو مقصود یہ ممکن ہے کہ اس سے عشق مجازی مراد ہو۔

میکشہ جور و دنیا ہایت ز حیران امی صنم
رو ز نما تا بینید حافظ ماروت را

امی صنم میں تیرے فراق میں ظلم و ستم و فشار ہا ہوں
صورت دکھانا کہ ہمارا حافظ تیرا موہنے دیکھے

جان میں سے ہر شے دانا باریگا۔ اورستی و زندگی کو اصلی معنی رہن سگے
 بزم عیش و شادی و ہنگام طرب پنچ روز ایام عشرت را غنیمت دان و لا
 بیش کی ہم شادی کا زمانہ خوشی کا وقت پانچ روز عشرت کرنا نہ کو غنیمت جان
 بزم عیش سے قطع نہ شاد اور شاد ہو حصول فیض ہنگام طرب ہو ایام جوانی مراد ہیں۔ چونکہ دن سات
 ناموں سے موسوم ہیں۔ اسلئے قداؤن نے ایک دن پیدا عیش کا اور ایک دن موت کا
 ان سات دنوں میں سے ہمارے زندگی کو صرف پانچ روز کہو ہیں اور پنچ روزہ زندگی اسی اعتبار
 مانی جاتی ہے پس مطلب یہ ہے کہ ان پانچ روزہ زندگی میں جسکو عشرت کر روز کو چاہیں یا نہ
 کو قطع میں شامل ہو کر حصول فیض کر لے یا جوانی میں دیوانہ ہو کر دنیا گریزی اور ٹھانی یعنی زندگی
 توڑی ہو۔ اگر اسکو غنیمت سمجھتا ہو تو کچھ نیک کام کر اور نیک کام ہی ہے کہ طالب محبت ہو جا
 حافظا گریا ہو شاہ دست مہر یافتی در ہر دو عالم زینت عز و علما
 حافظا گریزی نعمت ہیں شاہ کو میں کی قدوسی ہے تو دو دنوں جہا میں گرتے کی زینت پائیگا
 شاہ سے حضور سرور کائنات مقصود ہیں۔ باقی مطلب صاف ہے کہ ایسا حافظا گریہ حضور کی قدوسی
 ہو گیا تو دونوں جہان میں عالی مراتب پائیگا۔

مید صبح و کلبہ سحاب الصبح یا اصحاب
 صبح بلون کی نقاب الی ہوئی ہوئی آتی ہے ای دوستو صبحی ہو صبحی
 صبح مراد وہ حالت ہے کہ جو طلوع حقیقت پہلے سالک پر ظاہر ہو اگر تہی ہو اور اسکو آفتاب حقیقت کی
 علی اقتساب کرنے کو لائق بناتی ہے کلبہ کجکاف و تشذیلام یعنی تنگ پردہ جو کمیون اور پھر و ک
 وہاں نے کیوں اسلئے اسکو کلبہ پڑ جائی آرام میں لگا تو زمین گر بیان دل سالک مراد ہے صبح کو اشارہ
 میں بخار کی طرف ہو جو جس نفس کی گرمی ہو سالک کو دل و دماغ میں ظاہر ہو کر اسکو پریشان کرتا ہے
 ریل کی طرح دل پر برسا کرتا ہے واضح ہو کہ یہ سب حالتیں ایسی ہیں کہ جنکو عارفان کامل ہی
 تو میں عوام الناس محسوس نہیں کر سکتے اور ہم شعر کا مطلب صاف کر نیکو اسلئے انکو لکھتی ہو جو یہ ہیں
 صبح مراد وہ ہی شرب صبحی ہو تاکہ کلبہ کجکاف و تشذیلام مراد ہے اور بیان صبحی کو معنی شرب معرفت
 و جانین کو چنانچہ خواجہ صاحب فرماتی ہیں کہ طالب پر آفتاب حقیقت کی تجلی پردہ ہو نمودار ہو نیکو ہے۔

ایسا کہتے ہیں کہ تیری ہمتی میں جو کہ صدک عاشقوں کی جانیں اونٹانی میں اوکھٹھان کر چلا کر ساری
اور کوئی نہیں سمجھتا کہی مطلب میں اول تو یہ کہ وہاں جیت کی بہت تھی جو حق بات نہ تھی اور حضرت امام
حسین علیہ السلام حق پر تھے چنانچہ جب ان کو کہا گیا کہ تم بیعت نہ قبول کرو ورنہ قتل کے ہاؤ گے
تو انہوں نے بیعت سے اسلئے انکار کیا کہ ان کو اپنے محبوب کو پاس ہلکے ہو پھر کی خوشی تھی جبکہ
وہ دنیا میں فراق کے درد کو اٹھاتے تھے تو پھر کیون خوشی خوشی جانیں نہ دیدیتے۔ دوم یہ کہ جب
کشتگان کو بلاصر تھامہ دیکھ کر جانتے تھے کہ ہمارے بھائی بند بیٹھے بیٹھے سب کی بعد دیگر قتل ہو چکے
تو ایسے وقت میں وہ ضرور بیعت کر کے جان بچا لیتے اگر انہیں محبوب حقیقی کا فراق نہ ہوتا ایسے
خوف و شوق میں گردنیں کٹوانا اسی ہجر کی بدولت تھا۔ سوم یہ کہ جن لوگوں کو عشق الہی ہوتا ہے
وہ بیدل ہوتے ہیں جسم کی حفاظت اور جان کا خوف انہیں کو ہوتا ہے جو ہوشیار ہوں اور جوں کی
زکمتوں ہوں ان کو دنیا سے اوسال و دولت اور اہل و عیال سے کچھ غرض نہیں ہوتی پس شہدان کو
ایسے عاشقان خدا تھے کہ انہوں نے ششگل نجر محبوب کی خوشی میں سب کو چھوڑ چھوڑ قتل ہونے کو
سر ہکا دئی۔ چہارم ہر شخص کی ہی خواہش تھی کہ میں ہلکے ورن چھوڑ چھوڑ ایک دوسری سوزنگ میں
پیش قدمی کر نیو نہ ہوتی تھی۔ پس خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ تیری پاس ہو چکر ہر جہت ہاتھ کا
لطف عاشقوں کو ملتا ہے وہ دنیا میں اس شہیدان کر بلا کے اور کسی نے نہیں دیکھا۔ اور ان میں
وہ ہی خصوصیت تھی جو اوپر بیان ہوئی۔

ترک کر سکتی زندگی وستی جان من ترک ستوری وزہدت کو پیداؤ لا

(اے ترک اگر میری جان زندگی وستی کرتی ہے تو تم کو پہلی بار سائی و پرہیزگاری ترک کرنی چاہئے)

ترک سے معشوق مراد ہر زندگی کی عبارت رنگ و وحدت میں بک رنگ ہونا اور سستی و غصہ و ہمتی پر ستوری کی
معنی پارہائیکی اور زہد کے پرہیزگاری کے ہیں۔ ترک سے پہلے حرف نہدا مقدر ہے۔ اور اس شعر کا مطلب
ووطوح ہو سکتا ہے اول یہ کہ اگر میری جان سستی و زندگی کرتی ہے یعنی وحدت و بیک رنگی کی طالب ہے
تو اس ترک تم کو لازم ہے کہ تو پہلے زہد اتقا کو ترک کر بعد ازاں رنگ و وحدت میں بے پامانہ درآ۔ دوم
یہ کہ اگر میرے معشوق زندگی وستی کرتا ہے تو اسی جان سنجے ترک پرہیزگاری اور تقویٰ کا ضروری ہے
جو کہ تیری شان میں اولیٰ اور انسب ہے لیکن اس دوسری صورت میں صرف نہدا بجا ہی ترک کے

لب و دندان تو بتوق نمک داشت بر جان سینہا کیاب

تیر و دانت اور لب حق نمک دکنی
سینہ کیاب تو گون کی جان پر
اسکا مخاطب مرشد کامل پیر اور مطلب یہ کہ پیر و مرشد تیر لب و دندان گویا اون علامات اسرار کی
بیان میں پر ملاحظہ فرمیں کہ جو حالات و اسرار مقام معرفت کی تعلق رکھتی ہیں چونکہ ہم نے اون کی استغناء

کیا ہے اس واسطے ہم سینہ کیاب عاشقوں کی جانوں پر اون کا حق نمک ہی بلالفاظ دیگر سینہ کیاب تو گون کی
جانوں کی تیر لب و دندان کا نمک کہا ہے حق نمک بڑا حق سمجھا جاتا ہے سینے ہم طالبوں کو دل دے
بیان اسرار مینوں کو کیاب اور لب و دندان کو نمک کی چٹائی ہوئی ہیں اس شعر میں اول اس کا
اظہار کیا گیا ہے جو طالبان حقیقت کو ادھر مرشد کامل کا ہونا ہے اور جس کا بار سجدہ کسی سجدہ نشین ہو کر

در سینہ بستہ اندر گنج یا مفتوح الالبواب

دروازہ میخانہ کے بستہ ہیں لیکن کھول کر دروازہ زون کے کھولنے والی
میخانہ سے مراد عالم غیب ہے جو کہ شراب انوار و تجلیات سے پر ہے اور بند ہونے سے مقصود شبہ
و ادوات ہیں مطلب شعر کا یہ ہے کہ دروازہ دروات کو مجھ پر بند ہیں اسی بستہ ہیں کہ کھولنے والی اور کھول
سیر کر کے کھول کر مفتوح الالبواب سے شاید حقیقی مراد ہی نہیں ممکن ہے کہ اسکا مخاطب مرشد کامل ہو یعنی
اسی معرفت کی شکلات کر حل کرے اور سر بستہ رازون کو معلوم کرے اور اس نے پیر مرشد اپنے فیض عام
کے دروازہ کھول کر اعد طالبوں کو شراب معرفت کی خوب سیراب فرما۔

در چنین موسے عجب باشد کہ بہ بند سیکدہ بشتاب

عجب ہے کہ اس موسیٰ عجب ہیں بینانہ کو جلدی سے بند کر دیں
یہ شعر بیت ماسبق کی توضیح ہے۔ موسیٰ سے عبارت سالک ہے ہند بہ کا وقت اور سیکدہ
شراب خانہ معرفت مراد ہے اور مطلب یہ کہ اسے وقت جیکہ عجب بہ عشق جوش ہے
تو نے شراب خانہ معرفت کو بند کر دیا۔ ایسی حالت میں فیض و اردات سالک کیلئے
بہت سخت ہوتا ہے جبکہ جذبہ دل نہایت جوش پر ہو اس سے مقصود وہ ہی زیادتی
طلب ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور سیکدہ کو بند کر کے شکایت سے مرشد کو
اپنی طرف مائل کرنا ہے۔

اور وہ اوس بھلا اور غبار کیساتھ آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو سرد دل کو گرم کر دینا اور دل کے سردی کو
لہذا اس وقت جو شراب معرفت لاف تا کی دل کو غبار زدہ کر دے وہاں اور لطف طبعی و عقلی و کتاب
حقیقت حاصل ہو کر

می چکر زالہ بر رخ لالہ المدام المدام احباب
لالہ کے رخ پر اوسے گزرتے ہیں ہمیشہ ہمیش اے ہمدرد

مثلاً یعنی اولہ مگر بیان شجر کا مراد ہے۔ لالہ دل کا مراد ہے جو ہر سے کہ لالہ میں سماہ دل ہوتا ہے
اور دل ہی قطر خون انہما اندر کتنا ہے جسکو سو بیا کتو ہیں۔ یہ شعر اول شعر کی توجی ہے یعنی عاشق
حقیقی کے دل داغدار ہے ہمیشہ ہمیش اور اگر کہتے ہیں اور اس مثال پر یہ کہ وہ ہی تقاطع شہاب مقصود ہے
جو ہر شعر میں بیان ہو چکا۔ گو یاد دل سالک ہمیشہ خراب و خستہ رہتا ہے اگر وہ شراب معرفت نہ پئے تو دل
شودیدہ کو نہیں کہیں ہی نہ ہو۔

می وزد از چمن نسیم بہشت خوش بنوشید و انکائی ز ناب
چمن میں نسیم بہشت چلتی ہے ہمیشہ شراب خوش رنگ خوب ہو

چمن ہر صحت مرشد اور نسیم بہشت کو فیض صحبت مراد ہے مطلب یہ کہ اگر طالب اور یا صحن مرشدین کو با نسیم
بہشت مل رہی ہے یعنی اوسکی صحبت کا فیض جاری ہے پس تم خوب استفادہ حاصل کرو اور خوب
شراب خوش رنگ ہو اس سے کہنا یہ شراب معرفت کی طرف ہے

تخت زرین ز دست گل چمن راح چون بغل آتشین و رباب
گل نے چمن تخت زرین بہا یا ہے شہاب مثل لال آتشین کر دیکھ

ظاہر چمن گل کی رعایت ہے مگر باطن میں گل سے مراد مرشد کامل اور چمن سے مراد سکا کاشانہ عالی
تخت زرین یا شہادت گت کر لائی ہیں جس کو فیض صحبت عبارت ہے۔ راح یعنی شراب بہان کنا
اوسے شراب معرفت یا فیض صحبت کی ہے اور مطلب یہ کہ مرشد کامل نے گلزار خانہ میں اپنی ذات
عام فیض رسائی پہلا رکھی ہے اسے مخاطب فواد سن شراب کو سے جو لعل کی کہ
آتش زنگت رکھتی ہے یعنی اوس کا استفادہ حاصل کرو اور معرفت اکی سیکھ۔ ز دست
اصل میں زردہ است ہے۔

چون سکندریہ جیات اگر طلبی لب لعل نگار را در باب
 اگر سکندر کی طرح زندگی کا طالب ہی اور عشق و لب لعل کو حاصل کر
 مشہور ہے کہ سکندر بادشاہ ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے آب حیات کی تلاش میں تھا لہذا خواجہ صاحب
 فرماتے ہیں کہ اگر تو سکندر کی طرح ہمیشگی زندگی چاہتا ہے تو مرشد کامل کے بطور کلام و عمل کو حاصل
 کرنا ہے کہ یہ مرشد کامل کی طرف سے یعنی مرتبہ معرفت حاصل کر کے بقایا اللہ ہو جا۔
 برنج سانی پری پیکر موسم گل نوش با وہ ناب
 سانی پری پیکر کے بر موسم گل میں شراب ناب پی
 سانی پری پیکر سے وہ ہی سالک بطریق مقصود ہے۔ دوسرے مصرعہ میں موسم گل کے پہلے
 لفظ درمقدار مانا جائے گا۔ مطلب یہ ہوگا کہ محبوب حقیقی کی یاد و تصور میں دھن دھن دھن جہ کہ جذبہ عشق بہار
 پر ہوشیار معرفت کا جام پیا جائے۔

حافظا غم مخور کہ شاہد بخت عاقبت بر کشد ز چہرہ نقاب
 اے حافظا غم نہ کھا کہ شاہد نصیب آخر کار چہرہ سے نقاب اڑھکا دھوگا
 یعنی اے حافظا کچھ فائدہ نہ کر بھی کبھی تیرا نصیب جو معشوق صفت ہے اپنے چہرہ سے پردہ ہٹا دے گا
 یعنی جاگ بلسے گا یا نہیں جائیگا۔ اس سے مقصد شاہ حقیقی کا وصل ہونا یا طالب کا مراد کو پہنچنا ہے۔

گفت درویشان دل ہ گم کند مین عیر سلطان خیاں بن خم کن این عیر
 میں نے کہا کہ اے شاہ خیاں اس عاجز پر رحم کر۔ جواب دیا کہ مسافر غریب نے دیکھے چھو راہ گم کر دہی
 سلطان خیاں سے شاہ حقیقی جو تمام مشیتوں کا بادشاہ ہے مراد ہے۔ جو مین غریب سے راہ فاکار ہے
 یعنی عاشق مقصود ہو۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب میں نے کہا کہ اے خیاں کے شاہ اس عاجز پر بھی
 رحم کر تو اس نے جواب دیا کہ تو نے دل کے ماتحتوں سے اپنے آپ کو گم کر دیا اور پریشان کیا ہے
 یعنی جو کچھ تو نے کیا وہ اپنے دل کے بس کی ہے۔ ہم کی ضرورت تو اس وقت ہوتی ہے کہ جب معشوق اپنی
 طرف سے کج ادائیگری کرے۔ غلامی میں سے نہیں لیکن باطنی کے اعتبار سے اس مصنون کی جانب سے صاف
 نہیں ہوتی لہذا صاف نقیض میں بیان کیا جاتا ہے۔ حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے اس شعر میں

زادہ اسے خوشی رندانہ **فالتوا اللہ بالاولی الالیاب**
 اسے زادہ رندان کی طرح ہے پی پس اسے اہل دانش خدا کو درو
 اسے زادہ می محبت رندان کی طرح ہے پی یعنی اس طرح کہ او سین ریا کی آمیزش نہ ہو کبیر طرح
 سے صفائی ہو۔ زادہ اس کو کہتے ہیں کہ جو اہل دنیا سے تو ہو مگر خدا کی عبادت کرے اور
 رندان سے ہوتے ہیں کہ جو صرف عاشق الہی ہو اور دنیا سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھو ان دونوں
 حالتوں میں بڑا فرق ہے مطلب یہ کہ ایڑا زادہ تو کار دنیا سے فارغ الہاں ہو کر ہے دہرک
 شراب محبت پی اور بو شیاروں کو اس ذات حقیقی سے ڈر کر اس کی طلب کرنے چاہے
 یہاں اولی الالیاب سے ذی قسم لوگ مراد ہیں جو مجتد و بون کے برعکس ہوتے ہیں
 واضح ہو کہ تقویٰ تین قسم کا ہوتا ہے اول مرتبہ اس کا تقویٰ عوام ہے وہ یہ کہ کبیرہ
 گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ دوم تقویٰ خواص کہ منہرہ گناہوں سے بچی بچا ہے
 سوم تقویٰ اخص خواص یعنی سوائے خدا کے غیر چیز کا خطرہ کیس وقت بھی دل میں
 نہ لایا جائے۔

گر نشان زاب زندگی جوئے می نوشین بچو بیا ناک زباب

اگر تو آب حیات کا نشان دہونڈتا ہو شراب سو دہونڈہ زباب کی صلاب
 یعنی اگر زندگی کا نام و نشان دہونڈتا ہے تو شراب معرفت سے ڈہونڈہ
 اور شراب معرفت کا نشہ زباب کی آواز سے حاصل ہوتا ہے چونکہ صوفیاء کی
 کرام زباب اور نے کی آواز سے ہر دور ہو کر نشہ عرفان میں غشہ قلاب
 ہو ا کہتے ہیں اس واسطے یہ تہہ بلایا گیا ہے نہ اور خلاصت یہ ہے کہ اگر ہمیشہ
 زندگی چاہتا ہے تو عشق الہی کی شراب پی۔ کیونکہ عاشقان الہی ہمیشہ
 زندہ رہتے ہیں یہ دوسری بات ہے۔ کہ وہ بزارفتا سے منتقل
 ہو کر دار بخت میں پہنچ جائیں مگر او کی حساب دانی ہو جاتی
 ہے اور وہ کبھی نہیں مرنے۔

محبوبہ پر جناب شاہی زینتی راجہ غم
 سجا چلی بیٹوں نے دلے ناتھن کو کیا غم
 اگر کاشی اور جھٹ سے غم بستر کب تک
 جناب نرم و بگد گدے بستر کو کہتے ہیں شاید یہ بستر سمور با نرم و چمن کا ہوا ہوگا۔ مطلب صاف یہ
 یعنی اسی کی توضیح سے جو پہلے دو شعر دن میں بیان ہوا۔ خلاصہ یہ کہ جو نازنین شاہی بستر کے
 نرم بستر پر سوتا ہو وہ اس کی کیا پروا کر سکتا ہے کہ جسکو کاشٹون کا بستر اور رنگ فار کا تک
 یہ مسکلی ہو اور اوکو تکلیف میں رات بسر کی ہو پر وہ ہی عاشق کی بیکاری اور عشق کی بے اعتنائی

اور بے نیازی کی طرف اشارہ ہے +
 اس کے کہ درخت مختلف جان پرینا
 خوش قنادان خال سکین رخ سکین عجز
 وہ سیاہ خال سکین عجز کے رخ پر اچھا پڑا
 جو محبوب تیری زلف کی بھیر میں کتنی آشوبگی
 مطلب یہ کہ بہت سے لوگوں کے دل تیری زلف کی بھیر میں بندھے ہوئے ہیں یعنی تجھ عاشق ہیں
 سکین غریب یعنی عاشق کے منہ پر خال پڑنا اور اسکا عشق محبت کے دم میں پسکر اس پر زلف ہو جانا سمجھنا
 چاہے یہاں سے خواجہ صاحب اپنا حال عرض کر کے محبوب سے اسکی بے نیازی کا جواب پالینے
 کے بعد صفا کہ مذکور ہوا ہے عا اور تار محبوب کی طرف توجہ ہے میں تاکہ اس ذریعہ سے اپنے دل لان کو
 بھیر میں۔ چونکہ حقیقی صورتیں ان اشاروں و پردہ کلمات شاہد حقیقی کا بیان بھاری ہو چکا گیا ہو مگر
 مقصود اس سے یہی امور ان میں جو ان اصطلاحات ظاہر سے واضح ہوتے ہیں اور اگر مرشد سے
 خطاب ہو تو انکو اس کے کلمات کا بیان سمجھنا پڑا ہے۔ بہر صورت الفاظ الہیہ میں کہ ان سے کسی
 قسم کی مراد بلا مستحق نہیں کہے ہوئے ہیں بلکہ لیکن نگہ بان اصحاب اور صوفیائے کرام اس سے ہی
 نتیجہ نکال لیتے کہ جو حافظ صاحب کا مقصود ہے۔ چنانچہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ اہل معنی کو طائر الفاظ
 سے خوف نہیں ہوتی وہ ہر ایک لفظ اور ہر ایک فقرہ سے اپنے بھائی نتیجہ نکال لیتے ہیں لہذا اسی پر مبنی
 اشعار کو بھی قیاس کر لیا جاتا ہے +

بے نیازی وہ آں نور خط گرد حشر +
 گرچہ بنو دور بخارستان خط مشکین عجز
 بہت ہی دور وہ مورچہ ایسے خط کے گرد
 اگرچہ بخارستان میں خط سیاہ عمدہ نہیں ہوتا
 خط سے عالم کا ہر وصفات اور عالم کثرت میں قات حق کا بخند ہونا مراد ہے۔ مطلب یہ کہ یہ خط کوئی

اپنے قصبات میں بسکے ہیں کہ جب میں سے محبوب کے محتاج یعنی شاہد و صحت و دل کے اور ہم ادھارت کرنے کو کہا تو اس نے یہ جواب دیا کہ تم اپنے دل کے چھک کر وہ خود اور عاشق کو کہتے ہو۔ یہ عذارت کیا کہ ہے کہ تو اہل معرفت ہو گیا جہاں سے زیادہ کسی اور محل اور لطافت کا سنا اور سونا چاہتا ہی آئین گو یا ایک طرف سے طلب اور دوسری جانب سے عاشق کی تشفی دکھائی گئی ہے کیونکہ اپنا عشق بھی تو خدا ہی دیتا ہے کیا یہ اس کی عنایت اور مہربانی کی زیادہ نہیں ہے۔ پس سوچو کہ سے شاہد حقیقی نے یہ جواب کیا کہ اس عاشق تو اپنے دل کے احمقوں کو کہہ رہا ہے کہ وہ ہو کر بہت کچھ ڈھونڈ رہا ہے۔ اب اس کی زیادہ اور کیا چاہئے۔ فاتح گو خدا کا رحم ہر حال میں بندہ پر مہذول ہوتا ہے تاہم اس کا لطف و کرم بھی تو بے پایان ہے تو یہ کیا ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے بندہ کو اس کے کہیں زیادہ مقبول فرمائے جتنا کہ وہ عاشق صادق بننے سے بچ سکتا ہو۔ لیکن صورت ظاہری اور رابطہ ظاہری چاہتا ہے کہ زیادتی طلب کے سوال کا کچھ جواب ہونا چاہئے۔ پس اس کا ہی جواب یہ کہ مجھے شکو ایسا دل دیا ہے جو سب سے گم ہو کر نہج منزل مقصود کو پہنچا رہا ہے۔ شکر کے نفعی سنی سے نونا پر مضمون سمجھ میں نہیں آتا مگر یہ ہوا مقصود ایک ہو چکا کہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان دونوں معرعوں کا یہی نتیجہ نکلتا ہے جو مجھے عرض کیا۔

گفتش گذر زمانے گفت مخدوم بدار خانہ پروردے چہ تابی و غم چندین سیر
میں نے اس کو کہا کہ کتبیری مرقوم گذر جائیگا کہ ناچار ناظر و ردہ ایسے غیب کے غم کی کیا تاب لاسکتا ہے
تجارتی مطلب صاف ہی محتاج تشریح نہیں حقیقی اعتبار سے محبوب کی بے نیازی کا مضمون ادا کیا گیا ہے
یعنی میں نے محبوب حقیقی سے کہا کہ کسی وقت تو میرے پاس بیٹھو یا میری طرف کو گذر جواب دیا کہ مجھ کو ایسی تکلیف سے معذور کہ اور ایسی گستاخی مت کر کہ تو کہ میری ذات بے نیاز ہے۔ اور مجھے کسی کی پروا نہیں ہے
جس طرح کہ ناظر و ردہ لوگ غریبوں کے غم کی تاب نہیں لاسکتے اسی طرح تیرا غم بھی مجھے نہیں دکھا جائے گا۔
اس لئے کہ جو شخص بشر ناظر و ردہ کرے والا ہو اور سکودور فری کیا پروا ہوگی۔ اور ممکن ہے کہ اس شعر میں
۳۰ در نیز ماہن میں تمام خطابات مرشد کی طرف نہیں اولان تمام سے جو بے نیازی اور لاپرواہی ثابت ہے
وہ مرشد کامل غالب کو طلب معرفت کا زیادہ شوق دلانے کے واسطے کہتا ہو کیونکہ ہر مطلب کو پہلے بے اعتنائی
یا بے نیازی کی ضرورت ہوتی ہے اگر یہ غیبی نہیں تو طالب کو اس کے طلب کا اشتیاق نہیں بڑھے گا۔
بلکہ مجاہد بڑھنے کے کم ہو جائیگا۔

گفت حافظ افسان در مقام حیرت اند و در وود کو نشاندہ مستند و سکن حیرت
 کمال سے حافظ افسان کو کمال مقام حیرت میں ہے۔ عجب نہیں ہے اگر وقت و سکن حیرت ہو کر بھی
 آشناؤں سے صدا و دوست لوگ مراد ہیں اور مقام حیرت وہ مقام ہے کہ اوس میں عاشق جمال مجرب
 کے فوسے حیران ہو کر شریعت کو اقامہ و فواہی سے محض بے خبر ہو جاتا ہے۔ یعنی محبوب حقیقی نے
 جواب دیا کہ حافظ جو ہمارے دوست ہیں وہ سب مقام حیرت میں پہنچ گئے۔ اور ہمارے
 جمال سے تغیر ہو کر کچھ بھول گئے ہیں۔ پس کچھ عجب نہیں ہے کہ تو بھی ہماری محبت میں جی نہشت
 و غریب ہو کر بیٹھے۔ اور غلبین خاطر ہی اختیار کر لے۔

آفتاب از روی اوشد در حجاب سایہ را باشہ حجاب از آفتاب
 آفتاب سے نونہ سو حجاب میں ہو گیا سایہ کو آفتاب سے شرعہ کی ہتی

پہلے آفتاب سے معشوق لہری۔ اور دوسرے نے آفتاب وحدت مراد ہے۔ مطلب یہ
 کہ آفتاب وحدت کے ہاں سے آفتاب کثرت چھپ گیا بطرح کہ سایہ آفتاب سے چھپا رہتا
 ہے۔ یعنی سایہ سورج کے مقابل نہیں آتا جب مقابل ہوگا تو سایہ نہ رہے گا۔

دہشت ماہ و مہر بر بند کجمن ماہ بے مہر مہر چو پر بند و نقاب
 ماہ و مہر کے ماتھ حسن سے باندھی اگر میرا ماہ بے مہر نقاب کو اوٹھاؤ۔

ماہ بے مہر سے معشوق یا آشنا مراد ہے۔ یعنی اگر میرا محبوب جو بے مہر ہے
 اگر چہرہ کو کھولے تو اوس کی تجلی کے سامنے چاند و سورج ماتھ جو ٹکر ٹکرے ہو جائیں
 یا وہ حسن کی رس سے اُنکے ماتھ باندھ لے۔

از خیال باز نشاند کسے گرد آغوشش بنیم شب بخواب

بھر کوئی خیال میں بھی مجھے نہ پہچانے اگر اولی آغوش میں بات کو خواب دیکھوں۔

مطلب یہ ہے کہ جب میں مرکز محبوب حقیقی کی جناب میں پہنچ جاؤں تو پھر مجھے کوئی خیال
 میں بھی نہ پہچان سکے۔ کیونکہ جو شخص مرچکا اور خود سے عدم کو چلا گیا تو کوئی اسکی صورت کو خیال
 میں بھی کیسے لاسکے گا۔ پہچان اوس کے آغوش میں خواب دیکھنا گویا وصال کا حال ہو جانا مراد ہے
 اور خیال کے لئے خواب کا لفظ رعایتاً لائے ہیں۔

یہ وہ اسلامیت عبارت ہے۔ ہماری ذات کے بغیر نہ ملے یا اور یہ وہ ہوگا اگر چنانچہ دوست ہو
لیکن بہت ہی ادا و محبوب ہے کہ یہ حق کی غیبت کا سب سے دالہ کی کو خط سیاہ نکلاستان میں
چندان زیبا نہیں معلوم ہوتا ادا و عاشق کو اضطراب اور کشیدگی نہیں ہے۔

مے نہایت پسے در رنگ و مہوش
بہجور گل ارغوان بر صفحہ نسیم غرب
تیرے مہوش چہرے رنگین شراب کا عکس کھلی دینا
مثل ارغوانی رنگ کے پتہ کے نادرختہ چنبیلی پر

روئے مہوش سے مقصود مشاہدہ قدرت محبوب حقیقی ہے اور مے سے صرف مراد یہی تیرے
مشاہدہ قدرت میں صرف کائنات دکھلانی دینا ہے جیسا کہ شیخ سندی صاحب فرماتے ہیں
بلکہ بہ خان بنظر ہمشیار ہر دورے دفتر معرفت کر دگار ہر دوہر اسرار پہلے کی تشبیہ ہے۔

گفتہ امے شام غریبان طرہ شیرنگ
در سحر گاہان خدرین چمن الدین غرب
میں نے کہا کہ امے محبوب تیری طرہ شیرنگ شام گاہان
صبح کی وقت پر ہیز کر جب یہ غرب و دوست

شام غریبان سے ابتداء شب مراد ہے اور طرہ پشانی کے بالوں کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں جذبہ لطف الہی
کی طرف اشارہ سمجھنا چاہیے۔ شیرنگ اسکی مثال ہے۔ سحر گاہان سے آخر شب یا ابتداء صبح تصور کرنا چاہیے۔

لیکن یہاں الطاس مذہب کی طرف کشا ہے۔ کیونکہ سالک سوفت داویلا شروع کرتا ہے اور یہاں تک تا
ہے کہ قریب ہونے کے ہو جاتا ہے۔ معنی میں نے محبوب حقیقی سے کہا کہ امے محبوب تیرا طرہ شیرنگ

غریبوں کے دہلے شام اور تیرے مئے سیاہ سکیونکے لئے آرام دہ ہیں۔ صبح کے وقت جبکہ عشق
حد کو پہنچتا ہے اور عاشق ہول کی حالت میں گریہ و زاری اور ملامت کرنے لگتا ہے تو تو انکی موت سے

پر ہیز کر کہ وہ حالت اکامی میں ملا منزل مقصود تک پہنچے ہوئے ضائع ہو جاتے ہیں یعنی مر جاتے ہیں۔
باز گھنٹہ ماہ میں آن حاضر گلگون شمش
ورنہ خواہی ساخت یار خستہ و مسکین غریب

میں نے کہا کہ اگر سیر چاند میں چنار گلگون کو نہ چھپا
ورنہ تو مجھے منہ جال مسکین غریب بنائے گا
یعنی میں نے محبوب سے کہا کہ اگر تیرے چاند سے چنار کو چھپے ہو شبدہ نکری یعنی مجھے اپنا جلوہ

دکھائے۔ ورنہ میں عاشق پریشان حال ہو جوں جوں کہ تو مجھے اپنی محبت سے باز رکھتا ہوتا ہے۔
اصداق ظہر ہے کہ جب عاشق کو محبوب کی صورت دیکھنے کو نہ ملے گی تو وہ بہت تکلیف اور غریب
ہو جائے گا۔

خواب چھڑنے میں دوسری پیدا ہوتی ہے۔ ایک تو پہلے آتش و اشتیاق کو دیکھا ہو کر
 دوسرے پہ کہ خواب سے منع کرنا تو دہر کرنا بلکہ بھاسے پانی کے بھی اوکی آگ پر شراب پھر کے
 حافظ و عطا و نصیحت گو کہ کن ترک ترکان خاں جو د صواب
 اسے حافظ و عطا و نصیحت کر کر ترک ترکان خاں کا چوڑنا ٹھیک نہیں
 پہلے مصرع کا کن دوسرے مصرع کے ترک سے متعلق ہے یعنی ترک کن۔ مطلب یہ کہ
 اسے حافظ و عطا و نصیحت جتنی بھی چاہے کہے جا کر عشق عاشقی کے سلسلہ کو چوڑ۔ ترک ترکان
 خاں سے مشتق مراد ہیں۔

تعالی اللہ دولت دارم شب کہ آمد ناگہان دلدارم شب
 اللہ اللہ کیا دولت آجی شب بھولی ہے کہ یکایک میرا دلدار ۲ یا
 ظاہری مطلب صاف ہے لیکن حقیقی اعتبار سے شب اصطلاح صوفیہ کرام میں عالم غم کو
 کہتے ہیں کہ یہ حالت فراق سمجھنی چاہیے یعنی مجھ کو عالم غم میں عجب دولت ملی کہ میں نے دفتہ مشاہد
 محبوب حقیقی کا کر لیا۔

چو دیدم روئے خویش سجد کر دم بخدمت نکو کر دارم شب
 جب میں نے اس کا چہرہ تو رانی دیکھا سجد کیا شکر خدا کہ آج کی شب میں نیکو ارہون
 بہال عیشم از وصلش برآورد رنجت خویش بر خور دارم شب
 میرے عیش کا دولت اور وصل سے بڑا اور اپنے نصیب سے آج کی رات میں فیصل کہا یا
 یہ دونوں شعر مطلع کی توضیح ہیں۔ یعنی جب مجھے حالت ذوق میں محبوب حقیقی کا مشاہدہ حاصل
 ہوا تو میں نے شکر کا سہہ کیا۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں نے اس کو سہہ کیا اور خدا کا شکر ہے
 آج کی رات نکو کا ہو گیا۔ یعنی میرا کام ٹھیک ہو گیا اور میرا نصیب ہمارا اور ہوا۔ نصیب سے بھل کہا یا
 یعنی مراد کو ہو چکا۔

گشت نقش انامی بر زمین خون جو منصور ارکشی بردارم شب
 خون میں گئے اور پنا نامی کا نقش بنا کر جو آج کی شب مجھے منصور کی طرح دیکھ چکے
 منصور عارف کامل اور فانی امثالی تھا۔ مشہور ہے کہ جب اس کو انامی کہتے ہو سولی دی گئی۔

شاہان مستورشان بر ملک خالقہ مستور درویشان خراب

مستون گوشه نشین دوست بے صبر خالقہ آباد درویش لوگ خراب

مستون سے مراد مستون معنی سے جو ظاہری نظرون سے پوشیدہ سمجھا جاسکتا ہے
دوست اسکے عاشق سمجھے ہائیں ہمیشہ بے صبر رہتے ہیں۔ خالقہ زاہدین کا
عبادت گاہ۔ اور درویش اہل معرفت۔ خلاصہ یہ کہ خدا کے مست درویش صوفی لوگ خراب عشق
اور بے صبر رہتے ہیں۔ زاہدین کا خالقہ آباد سے اس واسطے کہ وہ اوس میں عبادت کرنے
ہیں۔ اور مستون کی طرح خراب حال نہیں بھرنے

خون دل در جام دیدم از شراب آبرو بہا و دارم از شراب

خون دل شراب کہ جو چو میں پیار میں کیا شراب سے اپنی آبرو بہا و دارم کردی
شراب سے مراد شراب شوق ہے شراب آسٹون کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ میں نے کثرت گریہ
سے دل کا خون شراب کے پیالہ میں دیکھا یعنی اوس میں بھی ایک قطرہ گہڑا اور شراب شوق
اپنی ظاہری ہمیشہ کو بہا و کردیا کیونکہ جو لوگ شراب معرفت میں لیتے ہیں اون کو ظاہری آبرو
کچھ بچ ہی نہیں رہتی *

از برائے بادہ سے بایزدون محتب را حد و بحد و حساب

شراب کے لئے مارنا چاہے محتب کو بے حد و حجاب

بادہ سے شراب طہر مراد ہے اور محتب سے مقصود نفس۔ بحد و حساب کے معنی ازل سے
انجک کے ہیں۔ مطلب یہ کہ سقاہور رحمہم شراباً طہوراً کے اعتبار سے اپنے نفس کو
ابتداء سے انتہا تک مارنا چاہتے۔ یعنی جن سے نفس بارہ زمر گاہ وہ قیامت کے روز شراب
ظہور پئے گا سنی تہوگا۔ شراب ظہور خدا کے خاص بندوں کے واسطے ہے *

غزستان گردانہ محتب در دم از منی شالیخ ندب رشاد

غزستان کے گردانہ محتب ہاں اوس وقت شراب سے اونکی آتش پانی چھڑک
یعنی اگر عیبت کے مستو کا لونا شنیاق محتب کو معلوم ہو جائے تو اونکی سوزش پر سب سے
پانی کے شراب چھڑکے اور اسکا مین ہو چونکہ شراب آگ کو بجھاتی ہے اس سبب سے

زکوٰۃ بھی پنچ سال میں سے زکوٰۃ نکالی۔ یہی بات کہ اس زکوٰۃ کی نوعیت کیا ہوگی یہ اپنی اپنی فکر اور ہمت پر منحصر ہے اور مجازی طور پر بوسہ بھی زکوٰۃ ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ مصلحت بھی لیکن حقیقی اعتبار سے عاشق زکوٰۃ میں نہیں وصال کا خواہاں ہو سکتا ہے اور بتا رہا ہے کہ اس کا بنی حق ہون بہان محبوب سے شاہد حقیقی اور مرشد کامل دونوں مراد ہو سکتے ہیں شاہد حقیقی کے مراد یعنی میں جس اور مرشد کی مراد یعنی میں صفت سلوک زکوٰۃ تصور کرنے چاہئے۔

مے ترسم کہ حافظ محمود گردازین شوری کہ در سر دارم شب
ڈرتا ہونین کہ حافظ محمود جو جائے گا اس شور سے کہین ات میں ہی میں کہتا ہوں
اس مقطع میں لفظ حافظ کو بجائے مستحکم کے صیغہ واحد غائب میں رکھا گیا ہے مگر اسی حالت میں سمجھنا چاہئے کہ حافظ سے خود حافظ صاحب کا دل مراد ہے یعنی حافظ صاحب دہائی میں کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا دل اس شور (جذبہ) سے منحرف نہ جائے کہ میں اپنے سر میں رکھتا ہوں۔ جذبہ سے جذبہ محبت بصر کرنا چاہئے۔

صبح دولت سید کو جام چھوئی آفتاب فرستے ہیں بہ کجا باشد بد جام سر
صبح دولت نکلتی ہے کہ وہ جام مثل آفتاب کے اس سے بہتر فرصت کو نسی ہوگی جام شاد
صبح دولت ہے اشارہ اس وقت اور حالت کی طرف ہے کہ جو ساکان کو پیش آتی ہے اور جب اول یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو گویا صبح کی طرح غفلت کی غفلت دور ہو کر موافق استعداد کے کشف حقائق ہونا شروع ہوتا ہے۔ جام مثل آفتاب ہے دل ساک مضبوط ہونے اور مطلب یہ ہے کہ یہ وقت اور حال جو کہ مشاہدات اور تجلیات الہی کا اقتضائے صبح کی طرح عارف پر نمودار ہوتا ہے وہ دل کہان ہے کہ اس دولت کے قابل ہو۔ یا مرشد کامل کسکھ ہے کہ اس کے فیض میں یہ دولت میر ہو جائے پس گویا وہ دل مرشد کو حاضر وقت پا کر اپنا عرض حال کرتا ہے کہ اے مرشد! اس سے بہتر کوئی وقت شریب سرفت پلانے کا جو گا کہ ہذا تو ان قبولیات کو جو تجھ میں ذہیت رکھنے میں ظاہر کر رہا ہے مہنگو فیض پہنچا تاکہ ہر لوگ سب تیری بدولت نزل مقبول تاکہ ہر لوح جان میں

خانہ فیشتویش و شادی یار و مطرب بندہ گو موسم عیش است دور ساغر عیش شاد
خانہ بقیہ اور ساقی یار و مطرب۔ ترانہ گوشت عیش کا موسم ہی ساغر کا دور شاد کا زمانہ

تو جو قطرے اُس کے غن کے گرواؤں سے ہی انا کی کامیابی میں رہنا بہ اُس کے جذبہ کی صفائی
لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ آجکی رات مجھ پر ساجدہ بیوقوف طاری ہو کر اگر مجھ کو سولی پر چڑھا دیا جائے
تو منہ کوئی سر سے غن سے بھی زمین پر انا کی کے نقش بنے لگیں یعنی میں نے اپنے آپ کو
آجکی رات محبوب حقیقی کے شوق میں اتنا ہی گم کر دیا ہے کہ جتنا منہ نے اپنے آپ کو گم کر دیا تھا +

رات لیلۃ القدر کے بدتم
سیرت طالع بیدار امشب
لیلۃ القدر کی خوشی سیرت اتہائی کر
آجکی شب بیدار سے طالع بیدار سے

لیلۃ القدر سال میں ایک رات ہے کہ زمین جہاں الہی کی تجلی اپنے مشتافی بندوں کو حال کی طرف متوجہ
ہوتی ہے یعنی ان کی سمجھ اور ذہن میں کشادگی کر کے اور ان کو تیز کرتی ہے۔ غرض کہ یہ رات سال کی
تمام راتوں سے بڑی بابرکت ہے اور اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت کی برابر ہے + لیکن تحقیق
یہ نہیں ہے کہ وہ رات کوئی ہے جس کا خیال ہے کہ شبان کی پندرہ دن شب و صبح کہتے ہیں کہ رمضان
کے آخر عشرہ میں یا عیدار طاق کے وہ رات آتی ہے۔ زیادہ خیال سنا ہے صوبہ کی طرف ہی مگر شک
یہاں بھی باقی رہتا ہے۔ بعض استفق ہیں کہ آخری عشرہ رمضان میں طاق تا سون بی ۲۱ و ۲۲
یا ۲۵ و ۲۶ و ۲۹ وغیرہ میں سے کوئی رات ہوگی۔ بہر حال حافظ صاحب کا یہ مطلب ہے کہ آجکی رات
سیرت طالع بیدار امشب مجھے جمال محبوب دکھائی دیا تو یہ رات مجھے لیلۃ القدر کی برابری کیونکہ اسی رات
کا سا فوٹ اور رابطہ حاصل ہو گیا +

بران غرم کہ گرجو میر و دوسر
اس ارادہ میں ہوں کہ اگر میرا سر جاوے
کہ سر پوش از طبق بردارم شب
لیکن طاق پر آجکی شب سر پوش و تارون

طاق پر سے سر پوش اوتا رہتا ہے یعنی حال کہو لہذا :- یعنی مجھے آٹا جوش خوشی اور رابطہ طاق کا
کہ چاہے جات جاتی رہے مگر اسرار کو اظہار کر ڈالوں۔ اسرار سے مراد اسرار عشق حقیقی ہیں کہ جس کو ملک
کبھی ظاہر نہیں کرنا مگر حافظ صاحب حالت خوشی میں اُس کے ظاہر کرے یہ بھی ارادہ ہیں +

نوصاحب نعمتی من مستحق
زکوۃ حسن وہ حق وارم امشب

نوصاحب نعمت ہے میں مستحق ہوں
آجکی رات حسن کی زکوۃ دو کہ میں حق کتاب
صاحب نعمت پر زکوۃ فرض ہوتی ہے۔ چونکہ میں بھی خدا کی نعمتوں سے ایک بڑی نعمت ہے لہذا میں کو چاہیے

از خیال لطف می مشاطہ چالاک طبع
و ضمیر بر گل خوش میکند بنیان گلاب
لطف می خیال کے مشاطہ چالاک طبیعت
پہول کی پنکھڑی بن گلاب کو خوب چھپاتی ہے
یا تو مشاطہ چالاک طبع سے صبا مراد ہے کہ جو عروسان چین کی مشاطگی کرتی ہو یا مشاطہ چالاک طبیعت
کی صفت ہے جو اجسام کو درجہ کمال پر پہنچاتی ہے۔ یعنی گلاب کی لطافت شراب میں سمجھ دینا
پوسا طبیعت کی چالاک کی کا ہے اور ممکن ہے کہ صبا کو اس چالاک کا قائل قرار دیا جائے یعنی صبا
یا طبیعت گلاب کو گل بن پو شہہ کر دیتی ہے۔ مگر یہ اعتبار حقیقی اس شعر کا اور مطلب ہے۔ اس
صورت میں خیال کی رخ کو زہر سے بڑھیں گے جسکے معنی فصر کے ہیں۔ سے سے کنا یہ
ذات باری کی طرف ہوگا۔ اور مشاطہ چالاک طبع استعداد سالک مراد ہوگی۔ اور گل سے اوس کا
دل۔ ہر گل سے اُسکے مقامات میں کوئی مقام نہ ہوگا۔ جو سالک کی استعداد اور ارادہ
لطیف کا محو ہوتا ہے۔ اور از رو سے عشق درویش کامل کے اندر پوشیدہ کرنا ہے۔ پس سطر و
شعر کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ استعداد سالک مشاہدہ ذات باری میں محو کرتی ہے مگر
ارادہ لطف لطیف جو ہر وقت اوس کا محرک کستہ ہے اوس کو او بجا رہے رہتا ہے اور تمنا سے
عشق سالک کے امین اچھی طرح پوشیدہ کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اوس کا دل کسی فن محبت الہی
سیر نہیں ہونے پاتا۔

از پئے تفریح طبع و زویر حسن طرب
خوش بود کہ زین جہاں بملذات
طبیعت کی تفریح کبوا طرا و حسن طبع کے زویر حسن طرب
زین جہاں ہر شرب کا اچھی ترکیب ہے
تفریح طبع معنی خوش طبعی یعنی دل سے غم و فکر کا دور ہو جانا۔ زین جہاں سے دل سالک کی طرف
اشارہ ہے۔ یعنی تفریح شراب سرخ یا انگوری شراب کو کہتے ہیں جس سے یہاں بنیان اسرار عشق
و حقیقت مقصود ہے۔ بونفر شد اسے مرید دن سے بیان کرتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ تفریح
طبع یا آرایش حسن طرب کے واسطے دل سالک کا اسرار حقایق سے ملنا اور ادنیٰ کو سننا سمجھنا اچھا
اس سے بہتر اور سیکھنے کوئی اور تفریح نہیں ہو سکتی۔
تا شد آن زہر مشتری زہا و حافظ را گوش
میرد ہر دم گوش زہر گلابانک ہا
جبکہ وہ ماہ کو را قضا کا دن خریدار مہا ہے
ہر دم زہر کے کان میں باکی نازک و زہر خوشی ہے

جو بہارا اور باغ وغیرہ کی رعایتیں ظاہر ہیں۔

بہشت طوبی و طوبے لہم حسن باب

بخس عارضی قد تو بردہ اندیشہ

تیری حسن بار اور قد کو حسن سے جو پناہ مانگو ہیں

بہشت اور طوبے اور کسے اچھا لکھنا نہ ہی

یعنی جو عارفان کامل کہ تیرے عارض اور قد کی پناہ میں اپنے لئے بہشت اور طوبی کا لکھنا اچھا

عارض کی علت کے لئے بہشت اور طوبے کے واسطے قدا یا ہے مقصود اسکا عشق الہی کر کے

بہشت میں داخل ہونا ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جن عارفان صادق نے تیرے عارض اور قد کے

حسن سے پناہ مانگی یعنی مر گئے وہ داخل بہشت ہوئے۔ اور طوبے کے نیچے سیرکنان ہیں۔

بہا شرح جمال قی دادہ در سر فصل

بہشت ذکر جمیل تو بردہ در ہر باب

بہا نے ہر فصل میں تیرے جمال کی شرح کی

بہشت نے ہر باب میں تیری خوبصورتی کا ذکر کیا

یعنی یہ محض بہا تیرے ہی جمال کی شرح ہے۔ اور باغ بہشت تیرے اوصاف و اخلاق کے

چمن کا نہ ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں دنیا میں بھی تو ہی ہے اور دامن عقیقی میں بھی تیرا ہی جلوہ

ہوگا۔ ۴

لب لباب میں ترا ہے اسما حقوق نمک

کہ بہت ہر جگر ریش سینہ ہا سو کیا باب

ای (مرشد) تیرے لب لباب میں ہے بہت حقوق نمک

دل ریش اور سینہ کیا باب لوگوں پر

پرستہ و اکثر اسخون میں اسجگہ بہت سے ہیں لیکن مجتہد اسی قسم کا صنفون اس سے پہلے ۴ لب لباب

تو حقوق نمک ۴ داشت برجا ہا ہے سینہ کیا باب ۴ میں آچکا ہے اور ہم لوگ کی شرح بھی اس

پر لکھ آئے ہیں۔ چونکہ مطلب یہ تو تھا ایک سے اسنے دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ناظرین

اس سے قبل کی جہی غزل میں علامہ فرمایا ۴

بسوخت این لب لباب و بکاہم دل ترسید

ہوا مگر ترسیدی ز بختی خوشناب

یہ ہمارا دل جل گیا اور دل مقصد پر نہ پہنچا

اگر ہمیشہ پہنچتا تو خوشناب نہ ہوتا

یعنی یہ ہمارے اس قدر ادا دل آتش مجرمین جل گیا اور ابی مقصد پر کہ جس سے شہادت مقصود ہے

نہ پہنچا یہ ترقی پر ضرور پہنچ جاتا اگر انگہوں سے اشک گرا کر عشق کا حال اظہار نہ کرتا۔ جب

شہادت کا وہ بل اٹھ پڑے ہیں جو راز عشق کی سیرج اظہار نہیں کرسکتے۔ مطلب یہ کہ دل کو

ظاہر و باطن ہر شری اور ہر ہرین درماتے حافظہ و قصود و اشتیاق و فراہ اور کو گوش کے لفظ کی
ناسبت ہی۔ ماہ و مراد و مشوق مجازی یا مرشد کامل یعنی جب سے کہ مرشد کامل یا محبوب مجازی
حافظ کے اشتیاق کو کان و دیکر سنتا ہے تب سے نہرہ کے کان میں ہر وقت رہا ہے کی نازک اور
پہنچتی رہتی ہے۔ ماہ و مجازی صورتیں مشوق مجازی اور حقیقی میں مرشد کامل مراد میں گئے۔
لیکن اس مقلد میں نہادہ تر شاہری کی خوبی ہے اور کوئی ایسا پیدا مطلب نہیں کہ جس کے واسطے
صاف الفاظ کو استعارات کی کہنچ مان لینا چاہئے

زباغ وصل تو یا بدیا ضریح عنوان آب زباغ ہر تو دار و شرار و فرخ تاب
تیرے وصل کے باغ و بہار بہشت کو پانی ہے تیرے ہر کی حرارت سی و فرخ کی کچھ کو گرمی پہنچ
اس شعر میں صرف مشوق کے وصل و ہجر کا تعریف ہے اسلئے اگر مشوق سے ہر دو قسم کی کوئی
مشوق مراد لے لیں تو مشق کے مطلب میں کوئی فرق نہیں آتا یعنی تیرے باغ وصل سے ملنے
رہنوائ کو پانی ملتا ہے ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ اور ہجر کی حرارت سی و فرخ کی گرمی بھی نہادہ مانگنے
لگے گی۔ وصل ایسا اچھا ہے اور ہجر اتنا برا۔

چو چشم بزم ہمیشہ جو یا برباع بہشت خیال ز گرس مست تو بیدار و خواب
بیری آئکہ تمام زمانہ جو یا بہشت کے ہے خیال تیری گرس مست کا خواب میں دکھائی ہے
یعنی بطرح کہ بیری آئکہ بیری گرس مست کا خیال خواب میں دکھائی ہے اسی طرح جو یا بہشت بھی
اس کے خیال میں رہتی ہے۔ مگر چونکہ جو یا کو نیند میں آتی ہے وہ گرس کے خیال کو کبھی خواب میں
دیکھ سکے گی۔ اس کا ایک نسخہ چشم بھی ہے لیکن صورت میں جو یا برباع بہشت خیر اول
اور مصرع ثانی اس کی خبر دو مقصود ہوگی اور لفظ جو یا کو بذریعہ حذف کے راقیہ صفت دیا جائیگا
اور مطلب یہ ہوگا کہ بیری دو کون آنکھیں کشت گریہ سے جو یا برباع بہشت ہی رہتی ہیں جبکہ
بیری مشتاق گرس کا خیال خواب میں لاتی ہیں۔ مخفی تیرے کہ جو یا را و ز گرس کو یہ مناسبت
بھی ہے کہ باہمین گرس کی کبار و بوسے چاروں طرف پانی کی نالی دوڑاتے ہیں تاکہ اس کے
ہول آنکھیں پانی میں پڑ کر لطیف دوا لاکرے۔ اس اعتبار سے خیال کا لفظ بفتح فار جبرئیل صحیح ہوگا
اور خیال کے معنی نقشہ یا عکس کے ہیں۔ دوسری صورت خواب و خیال چشم اور ز گرس کی

نورہ کی من بھی نہیں یعنی سب کچھ فانی ہے۔ ان اعتبار سے اگر وہ اون چیزوں میں ہوتا تو فانی ہوتا لیکن چونکہ وہ ہانی ہے اس لیے صاف ظاہر ہے کہ سب میں وہ ہی ہے اور پھر کسی میں بھی نہیں ہے۔

نفسیہ گفت یاد گیر و عمل کر کہ این حدیث زیر طریقت مراد است
 میں تجھے نصیحت کرتا ہوں یاد کر لا اور عمل کر کہ یہ بات تجھے یہ طریقت سے پہنچنے سے

مذکورہ بالا شعر کے تحت میں یہ بھی ایسی مخاطب میں تجھے جو کچھ بتا رہا ہوں یہ نصیحت تجھ کو مرشد کمال کی ہے کہ خدا کا جگہ ہے اور پھر لطف یہ کہ کہیں بھی نہیں یہ وحدانیت کا اشارت میں جو مجھے پیر نے تعین کئے ہیں۔

محو درستی عہد از جهان مست نہا کہ این مجوزہ عروس ہزار داماد است
 دنیا سے مست نہا دوسری درستی مست ڈھونڈ کہ یہ بڑا ہزار حضونگی جو دوسرے

یعنی دنیا کی عہد کا اعتبار نہ کرنے اور اس کی درستی وجود ڈھونڈھ کیونکہ کسی کے ساتھ عہد پورا نہیں کیا کبھی کسی کے موافق ہوتی ہے اور کبھی کسی کے۔ اگر وفادار رہتی تو صرف ایک ہی شوہر بر قناعت کرتی ہے۔

چہ کو نیت کہ بختیازہ دول مست خراب سر دوش عالم غیم صبر و ادا است
 تجھے کیا کہوں کہ کل مست خراب بختیازہ سر دوش عالم غیب نے تجھے کیا خوشخبری سنائی

سمجھانہ سے مراد منزل حقیقت اور مست خراب کو مستحکم معقول یعنی حافظہ کیا کہیں کلائی مجاہدین جہاد است
 و خراب حال تھا تو تجھ سے کیا کہوں کہ جو ذرہ بال فقر ایسے اس عالم غیب سے پہنچا ہے اور وہ فردہ یہ ہے

کہ اسے بلند نظر شاہ بازید نشین نشین تو نہ این کج محنت آباد است

کلائی بلند نظر شاہ بازید سے کہ رہنے والے تیرا شہین اس کج محنت آباد میں نہیں ہے
 ندامت کہ درین دام کہ حیا قدا است میں نہیں جانتا کہ اس حال میں پیشو کا کیا اتفاق ہوا

یعنی محکمہ عالم حبیب قریب سے نکلے کلائی شاہ بازید نظر اور سدا کو رہنے والی تو ان دنیا کی فانی کو اپنا شہین
 مست سمجھ سیتے رہو کی جگہ نہیں کے بلکہ تجھے گروہ ملا کہ تیرے غرض کے کنگو و کبوتر بلائے کیلئے آواز دی ہیں۔ یہاں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے واللہ یدعو الیہ الذی لا یستلزم اولاد اللہ فی اولاد اللہ و السلام
 کی طرف بلایا۔ اور اسلام سے مراد ہشت ہے۔ اللہ شجکو بہشت میں بلایا ہے اور جبر کو ملک سامان
 طیارے میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں تجھے یہ چیز پسندانی ہے کہ جو تو اس کا فریقہ ہو رہا ہے۔

مجرم رونا نہیں جاسے تھا +

گمان مہر کہ بدور تو عاشقان مستند

گمان نہ کر کہ تیرے دور میں عاشق مست ہیں

یعنی تو گمان نہ کر کہ تیری عہد میں عاشقان ہی مست ہیں بلکہ زاہد بھی خواب حال ہو رہے ہیں غلطی یہ کہ پھر عاشقوں
ہی سستی موقوف نہیں جو کوئی تیرا عشق کر لگا وہ خواب ہو جائیگا۔ خواب یعنی مست آیا ہے۔

مراد ولایت شیعین کہ جو ہر عمل

تیرے لیے عہد میں بھی یقین ہوا کہ گوہر سرخ

تمام مدنی اشیاء اور جاہلات کی پیدائش کا سبب ہے اور شاعر و شاعرانہ فکر کہ مشق کرے تو آفتاب و آفتاب
عمل کشیدہ کرتے ہیں لہذا حافظ صاحب اور تجال عارفانہ فرماتے ہیں کہ بھی اس کے پہلے تین تھا یا نہ تھا کہ سورج کی سب سے
عمل جو ہر پیدائش میں مگر تیرے لب سرخ اور رخ روشن کو دیکھ کر یقین کئی ہو گیا کہ ضرور آفتاب ہی پیدائش
عمل کا سبب ہے کیونکہ تیرے روئے روشن کے نیچے لب نمایان ہیں +

مہل کہ عمر بہودہ گذر و حافظ

جو حاصل عمر عزیز را دریا +

اور حافظ سستی تکر کہ عمر فضول گذر جائے

گویا حاصل عمر عزیز مرتبہ عرفان ہے لہذا مطلب یہی کہ اسے حافظ سستی نہ کر اور عمر عزیز کی دست و دست حاصل کر لینی

جو بخش کر کہ زندگی ہی میں انسان کہہ کر سکتا ہے مرکز ال حاصل کر لیا تو فوہ نہیں رہتا +

بیا کہ قصر اہل سخت مست بنیاد است

بیا را بادہ کہ بنیاد عمر بر باد است

آ کہ قصر زندگی بہت سست بنیاد است

یعنی انسان کے جسم کی بنائیاں فعال سرزد ہونی یا عبادت یا ہری پھر یہی لہذا مطلب یہی کہ اگرچہ عبادت تو بے فائدہ ہونا
چاہیے بلکہ سستی ہی اپنی لازم ہے لہذا انسان کی عمر مثل عبادت ہے اور جو کچھ فرائض اور کوئی شے جس کی طرف
نہ لگائے +

غلام ہمت آخر کہ زیر چرخ کہود

زیر چرخ رنگ تعلق پذیر آزاد است

مرد کسی بہت کاہل ہوں کہ نیلا آسمان کے نیچے

یہ غزل کی جیت کے بارہ میں جو کہ صحنہ خیرین سے آسمان نیلوں کے نیچے پیدا کیں ہیں سب میں سب کا رنگ ہی بگڑ چکا ہو

دیگر (در حلیف)

بکام تاثر مایہ ناز عشقِ ناز سے ہے نصیحتِ عمید عالم کو پیش من باد است
 جب تک راج کا بھی بستی نگیرح مقصد نہ ہو بجاو تا جہان کی نصیحت میرے کان میں ہو کج طرح
 یعنی جہوت تک کرو سکا لب مجھے کا یا ہاں کراسے مٹی پوسہ نہ دست اودقت تک اگر تمام جہان
 بھی مجھے نصیحت کرنے تو وہ نصیحت کان میں ہو کج طرح ہوگی تا عدم ہو کہ جب پہلی جانا چاہیں تو پہلے
 اوسے موند جو ہوائے میں تب پھر طرح طرح کے نعمات اول سے صادر ہوتے ہیں بلا ہونٹھ لگائے پہلی
 نہیں بچ سکتی ۔

میان لو کہ خدا آفریدہ است از هیچ دقیقہ البت کہ صبح آفریدہ کجاشاد است
 در میان اوسکے خدا نے ریت نہ پیدا کیلے یہ باریکی ہے کہ کوئی مخلوق نہیں جان سکتا
 سیارہ سے کنا پہ اول رہنمائی لکھ لکھتے ہیں کہ جو طالب اور طالب کے درمیان ہوتا ہے دقیقہ کے
 معنی باریکی کے ہیں کہ جبکہ بچہ کج شکل ہو پس مطلب یہ ہے کہ جو کچھ رابطہ ہے اور محبوب سے ہے اوس کو
 کوئی نہیں سمجھ سکتا کیونکہ وہ ایک باریکی ہے جبکہ کائنات زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم عالم اطلاق سے
 عالم میں ہیں کیون آسے میں اور ہم سے اور ہماری اصل سے کیا رابطہ ہے ۔

گداسے کوئی تو از شہتِ خلد مستی است ایسے بد تو از ہر دو عالم آزاد است
 تیرے کوچہ کا فقیر آٹھون بشتون سے بے پروا تیری قید کا اسپر دونوں عالم سے آزاد ہے
 یعنی تیرے دے کے فقیر کو کسی نعمت ظاہری کی پروا نہیں اور جو تیرے عشق میں گرفتار ہے وہ دونوں جہان
 کے غم سے فارغ البال ۔

اگرچہ مستی عشق خراب کر دوسلے اس اسستی من زین خرابی باد است
 اگرچہ مجھ عشق کی مستی نے خراب کر دیا لیکن میری زندگی کی بنیاد اس خرابی سے ہے
 مطلب صاف یہ کہ گونجے عشق حقیقی نے ظاہرین خراب کر دیا ہے مگر میری دہری زندگی کی بنیاد اسی
 عشق سے ہے ۔ اگلے کہہ کا ٹھکان خدامتے نہیں ہیں بلکہ اس جہان و دوس جہان کو نقل ہونے میں
 دلا مثال زبیدا و حور یار کہ یار ترا نصیب ہمین کردہ است و این واد
 اکر دل یار کے بیدا اور جو سونہ رو کہ یار تیرے نصیب میں ہی لکھا ہے اور بھی وہی دیا ہے
 بیدا و حور سے یا تو پھر مراد ہے یا عتاب یار سے کنا یہ خدا تعالیٰ کی طرف ہے اور مطلب یہ کہ اسی دال نو

غم جهان مخور من بہر از یاد و کہ این لطیفہ بفرم رہی یاد است
 غم دنیا نہ کہا اور یہ میری نصیحت مت بھول کہ یہ لطیفہ عجیب ہے ایک مسافر نے بتلایا تھا
 مسافر سے مراد مرشد کمال ہے اور جتنے لوگ نیامین آتے ہیں وہ مسافر ہی ہو تب میں ہی اعتبار دے پریں
 مسافر ہو اپنی پچھلے محو میرے استاد نے بتلایا تھا اس نصیحت کو کبھی بھولنا جو یہ ہے کہ تجھے دنیا کا غم
 ہرگز نہ کہنا چاہیے +

رضا بدادہ بدہ در چمن گرہ بکشا کر کہ بہن تو در اختیار نکشا دست
 دے ہوئے پر ریتی و پیشانی کی گرہ بھول کہ میرا ہر سہ اور پر در اختیار نکشا دست ہے
 یعنی جو کچھ حق نے تجھے دیا ہے اس پر اپنی رضا مندی ظاہر کر اور شاگرد اگر زیادہ کی فکر کر رکھا تو سوا
 اندوہ و ملال کے کچھ ہاتھ نہیں آئے اور خدا کی عطا شدہ زیادہ ہاتھ آنا ناممکن ہے میں یا تو
 کچھ اختیار نہیں کرتی۔ یہاں اس لفظ اختیار سے اختیار کلی مراد ہے و معرزی +

نشان مہر وفا نیست در بیم گل بنان بلبل سکین کہ جائی فرما دے
 خند گل میں مہر وفا کا نشان نہیں ہے اسے غریب بلبل رو کہ فرما دے کی جگہ ہے

بسم گل سے دنیا کے چھلے مراد ہیں او گل کے اعتبار سے بلبل لائے ہیں جس کو کناپہ انسان کی طرف سے
 مطلب یہ کہ ای غریب مسافر دنیا کی لذتوں پر اعتبار کر کے خوش مت ہو بلکہ رو۔ اس طرح کہ آئی نشی میں وفا نہیں
 اس شعر کی دنیا کی ناپائنداری اظہار کی گئی ہے اور بلبل سکین کا نسخہ عاشق بیدل بھی لکھا ہے +

حسدہ میری اسی ست نظم پر حافظ بقول خاطر لطف سخن خدا داد است
 اسے ست نظم حافظ پر کسے حسد لکھا ہے دلی مقبولیت اور لطف سخن خدا داد پر میرے
 ست نظم سے گندم سخن مراد ہے اور مطلب صاف ہے کہ اگر گندم نہ ہو تو حافظ کی کہہ سوا کس حد
 کرتا ہی مقبولیت عام اور لطف سخن خدا داد ہے۔ یہی کہیں کی بات نہیں +

برو بکار خود ای واعظ اچھ فرما دے مرافقہ دل از لقا ترا چہ افاد است
 اسے واعظ جاننا کام کریم فرما دیتی ہے میرے ہاتھ سے دل گیا تجھ پر کیا نصیحت ہوئی
 یعنی اسے واعظ تو نصیحت کر کے کیوں خود غل کرتا ہے۔ میرے پاس نہ ہی نہیں ہے تجھے اپنی
 بڑی ہے مطلب یہ کہ جبے ل ہی نہیں رکھتا تو تیری کیا سنوں +

کج

گناہ نہیں نہ کوئی عیب ہے +

بادہ نوشی کہ درونج ریائے نبود بہتر از زہد و فحشی کہ در و ر و ریاست

وہ بادہ نوشی کہ جسمیں کوئی مکر نہو زہد و فحشی سے کا کوہن فریب ہو بہتر ہے

یعنی وہ شراب نوشی خوشی و بخور کہ ہمارے مرشد کامل کے ساتھ ہوا اس نقوی ریائی سے بہتر ہے

کہ جسمیں فریب ملا ہوا ہوتا ہے +

بانہ مردان ریائیم و حرفیان نفاق آنکہ او عالم سرت بدن جال گواہ

جسم نہ بھاکا میرین اور نہ نفاق حقیقت وہ جو کہ ہمیشہ کے واقف ہوں اس حال کا گواہ ہے

یعنی ہم رہا کامین نہ نفاق ڈالنے والے حرف ہیں اللہ تعالیٰ جو کہ ہمارے ہمیشہ کے واقف و مددگار ہیں

حال کا شاہد سمجھا جاتا ہے +

فرض نیر و بکذا یم و بحس بکن نسیم وانجہ گویندرو انیت جو نیم روست

ہم خدا کا فرض اور اگر کسی گناہ بڑی نہیں کرتے جس چیز کو وہ نہیں بتلاتے ہم سے جائز نہیں

آدمی کے لئے خدا کی معرفت ضروری بلکہ فرض ہے چنانچہ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم ہی کے ساتھ

برائی نہیں کرتے اور اللہ کا فرض اور اگر نہیں کرتے۔ فرق یہ ہے کہ شراب کو سب نا جائز کہتے ہیں۔ مگر ہم

شراب محبت کو جائز کہتے ہیں +

چہ بود گرن تو چند قدر بادہ خوریم بادہ از خون رنانت نہ از خون شکست

کیا حاجت ہو گی اگر میں اور تو چند پیالہ شراب پیئیں شراب انگوڑے کے خون کی بنی ہو تھا خون کی گہر

خواجہ صاحب مصنف دیوان عیب جو لوگوں سے لیتے ہیں کہ اگر ہم چند پیالہ شراب کے پین تو اس میں

کیا حاجت ہے۔ کیونکہ غلاب انگوڑے کے خون کی ہے آدمیوں کے خون کی نہیں ہے اور ہم لوگ

جب ادویوں کی غیبت کرتے ہو تو گویا ایک باحد کم از یک باحد کم لفظ خیر کے اعتبار سے

اپنے بہائی کا گوشت کھاتے ہو۔ بہر حال غیبت اور عیب جوئی کرنے سے شراب پینا اچھا ہے

اس واسطے کہ یہ آدمیوں کا خون تو نہیں ہے۔ اور جو لوگ چھپ چھپ کر کہتے ہیں وہ اپنی بہائیوں کا

خون پیتے ہیں جیسا کہ کہہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی ہڈی چھپ چھپ کر

کرسے تو گویا اس نے آدمی کا گوشت کھایا +

ہر بارین یا اول کے عتاب سے مجید متاثر ہو کہ خدا نے تیری نسبت میں ایسی کھلی ہے۔
یعنی یہ سارا مصلحت ہے۔ وفاق و موافقت چاہئے کہ جب بے انصافی ہوتی ہو۔ اگر عتاب ہے
تو یہی تنبیہ کے واسطے ہے اور عمل کی سزا ہے نا انصافی چھٹی تین کہلاتی چھ کھول روٹا ہے
برو فسانہ مخوان و فتون مردم حافظہ کریں فسانہ و منون فریاد است
حافظہ فسانہ قصہ شہرہ فسانہ بھونک کر ایسے قصے اور منون مجھے بہت معلوم ہیں
افسانہ اور منون سے عشق محبت کی طرف اشارہ ہے۔ حافظ صاحب نے دل سے کہیں کلمے دل جا
اپنا کام کر اور مجھے عشق و محبت کے قصے نہ سنا کر کہ میں حقیقی عاشق ہوں اور مجھے ایسے بہت سے قصہ
و افسانہ معلوم ہیں +

روز کا کیوسو شد و عید آمد و دلہا برفا سے متجانہ بوش آمد و بایں خواست
روزہ بر طرف ہوا عید آئی دل آمد سے شراب شراب متجانہ میں خوش کرتی کہ لگتی چاہے
غامہ ہی مطلب صاف ہو کہ رمضان گزر گیا عید آئی دل سینوں میں آمد سے۔ شراب شراب متجانہ میں خوش
کرنے لگی پھر کیا دیر ہے وہ چلنا چاہے کوئی مانع پیش نہیں۔ لیکن باطنی مطلب یہ کہ نہ وہ مجاہدہ
کمانا نہ گزر گیا شاہد تھی صفات کا وقت آیا اور عشق محبت سے دل میں خوش ہوا۔ اب طالب سے
بہتر مرشد ہوا چاہتا ہے۔ اور وقت شادی بھل محبوب حقیقی کا آپہنچا اب طلب کل کرنی چاہئے +
نوبت زہد فروشان گراں جان بگشت وقت شادی طرب کردن ندان برفا
زہد بیچنے والے سخت جان بگشت نوبت گزر گئی وقت زندگی خوشی کو بے کا آپہنچا +
بہلا مصرع رہا کارناہ دن کی صفت میں ہو جو دنیا کی خوشی پر مرتے ہیں۔ دوسرے مصرع میں
ما شفق الہی کی دھماکی کی خوشی کا ذکر ہے یعنی اُن زہد فروش زاہد نیک باری چکی چھڑیں کہ نہ غم
اب ہماری خوشی کا وقت ہو کہ ہم کو حال میسر ہوگا +

حیلا مت بود آنرا کہ چو با ما بادہ خورد این نہ عیب نیست عار شوق رند و خطا
اوسکو کیسی ہیلا مت کہ جو ہم ساتھ شراب پیے یہ نہ عار شوق رند کے لئے عیب نہ گناہ
شراب سے مراد شراب معرفت اور رند سے مقصود عاشق صادق ہے یعنی جو شخص چارے ساتھ
شراب معرفت پیے وہ قابلِ ملامت نہیں ہے ہوسے کہ عاشقان صادق کو شراب بہت الہی پینا جائز ہے

وراندرون من حستہ دل ندانم کبیت کہ من خموشم و او در فغان و در غناست
 میں نہیں جانتا کہ مجھ حستہ دل کے اندر کون ہے کہ میں خموش ہوں اور وہ مشور و غوغا کرتا ہے
 یعنی مجھے خبر نہیں کہ میرے دل میں کون ہی نہیں چپ چاپ ہوں اور وہ شور مچاتا ہے۔ مطلب یہ کہ میرے
 دل میں ہمیشہ محبوب حقیقی مشور و غوغا کرتا ہے اور وہ ہی طعنے کے اسباب میں منور و تاباں ہے یہ ایک
 حالت ہے کہ عجب نفس کرنے اور سلطان الادکار کا شغل کہنے سے سالک کے دل میں بھی دیکھ کے
 سے اوجھان اور گاہی بہر کی آواز کے شاہ معلوم ہوتی ہے۔

دلہ ز پردہ بران شد گجائی ای مطر بنال بان کہ ازین پردہ کار ما بنواست
 میرا دل پردہ سے باہر ہوا ہے مطر بنال کہاں ہے بان برد کہ یہ پردہ مہسا یا سامان سے
 پردہ سے ناک نام اور نیز صفات بشری مراد ہے۔ مطلب معنی مرشد بنال یعنی اصل و عشق
 بیان کر ازین پردہ سے اشارہ بیان اسرار کی طرف ہے نوک کے معنی سامان کے ہیں مطلب یہ کہ
 اے مرشد عشق کے رموز جو تجھے چہاں ہی شاید تو یہ سمجھتا ہی کہ میں ابھی ادن اسرار کے سننے کے
 لائق نہیں ہوں اب میرا دل کہاں ہو کہ جو پابند نگاہم تھا میں سب رندی اور پارستانی کو چھوڑ بیٹھا
 آ اور اسرار حقیقت بیان کر کا اس بیان کو ہمارا کام بن جائے۔

مرا بکار جهان سرگزشتات نبود رخ تو در نظر من چنین خوش است
 جہان کے کام سے مجھے ہرگز غرض نہ تھی تیرے رخ نے میری نظر میں ایسا اچھا دکھایا
 مطلب یہ کہ دنیا کے کاموں کی مجھ کو محبت و غرض نہ تھی لیکن جب تو نے اس عالم میں اپنا جلوہ دکھا کر
 اوسکو اپنے ظہور و آراستہ کیا تو مجھے بھی اچھا معلوم ہونے لگا۔ رخ تو سے نوک نہاے حدیث قلاو
 بیچون مراد ہیں۔

شخصہ ام ز خیلے کہ می برم شب ہا خمار صد شبہ ام شرابخانہ کجاست
 میں اس خیال سے نہیں ہوتا کہ راتوں شراب پون خمار سوراخوں کا رکھتا ہوں کہ شرابخانہ کہاں ہے
 خمار صد شبہ یعنی خمار ازلیہ شرابخانہ ہی مراد عالم عشق ہے اور مطلب یہ ہے کہ عشق محبت کی سختی ہو
 کہ شب و روز اس کے سودے میں ہوں کسی وقت آرام نہیں پاؤں اور یہ شدائد عشق کا خمار مجھے
 ازل سے چال ہے کسی طرح دور ہو والا نہیں مگر شراب نوشی کے ذریعہ دور ہو سکتا ہے۔

این ز عیب است که این عیب خلل ندارد
 عیب نہیں کہ اس عیب کو خلل نہیں پہنچتا
 ورنہ عیب چہ شد مروجہ عیب کی است
 اور اگر عیب بھی ہو تو کیا حج بنے عیب کو نہ
 یہ کہتے ہیں کہ شراب پینا عیب نہیں ہے جس سے خلل واقع ہوا اگر بالفرض عیب بھی ہے تو کیا مصلحت
 اس واسطے کہ دنیا میں۔۔۔ عیب شخص کو نہ ہے۔۔۔ واضح ہو کہ شراب و مہو ہر جگہ شراب محبت ہے۔
 حافظ از عشق خط و خال سرگردان است
 پھر پرکار دل نقطہ دل مابرجات
 تیری خط و خال کے عشق۔۔۔ حافظ سرگردان ہے مگر مانند پرکار کے نقطہ کے دل ایک جگہ ہے
 وائے یہ کہ حافظ تو خط و خال کے عشق میں پرکار کی طرح سرگردان و پریشان ہے لیکن رکنا مرکز
 اوی جاہر یعنی ہمیشہ تیرے پاس ہی رہتا ہے طلب یہ کہ گوین ظاہر ادنیٰ کے اسباب میں گرفتار
 رہتا ہوں لیکن باطن تیری ہی طرف بس خاطر رکھا ہوں۔ اسکا مخاطب ذات باری تعالیٰ بامرشد
 کامل و کامل ہو سکتے ہیں۔

جو بشنوی سخن اہل دل مگر خطاست
 سخن شناس دلبر اخطا اینجا است
 جب تو عاشق کی بات نہ تو یہت کہہ کہ خطا ہے
 اے دلبر تو سخن شناس نہیں کہ یہ خطا ہے
 اہل دل سے عاشق مراد ہے۔ اور شنوی مخاطب ناصح کو سمجھنا چاہیے۔ دلبر اکالاف ثانیہ کی جیسے سخن
 اے دلبر یہ گویا ناصح کے لئے بھراستہز کے استعمال ہوا ہے پس مطلب یہ ہے کہ اسے میرے دوست
 صوفت کہ عاشقوں کی باتیں تیرے کان تک پہنچیں تو او بھین بگوش دل میں ادیت کہہ کہ یہ
 خطا ہے بلکہ خطا یہ کہ تو سخن نہیں اعلان رموز کو سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔
 سرمہ بدینا عفتی فروئے آید
 تبارک القدرین فتنہا کہ در سراسر است
 سرمہ بدینا اور عفتی میں نہیں جکتا۔ برکت سے اللہ یہ فتنے کہ میرے سر میں ہیں
 تبارک اللہ کا لفظ اذوقت استعمال ہوتا ہے جب کسی کو زندگی کے ساتھ یا دین جیسے کہ تعالیٰ اللہ
 فتنہ سے ترک کو نہیں کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ کہ میرا سر سوائی تیری جناب کے کبھی دنیا یا عفتی کیلئے
 نہیں جکتا رعد کی شان ہے کہ ایسے ایسے بڑے فتنے میرے سر میں ہیں۔
 واضح ہو کہ عاشق کا دل ہمیشہ مشوق حقیقی کی یاد میں رہتا ہے اور اسکی آواز ہر وقت کا دل میں
 بہو بگوش رہتی ہے۔

دیکھتی ہے۔ اور سچے پیرے سون کا کرنا رہنا ہے پس تو خود بیان سے کہ عبادت کا دقت
جس سے زہد و پارسائی مراد ہے کو مناس سے اور عاجس سے درود و وظائف مقطوع ہیں کسنگ
ہو سکتے ہیں۔ یعنی میں ہمیشہ یا محبوب میں مستغرق ہوں مجھے سی و ما اور اتنا کی حاجت نہیں
نذا سب عشق تو دو شہم در اندرون داود نضای سینہ حافظ ہنوز پر ز صدا
تیرے عشق کی آواز کل میرے غمیں پوچھی سینہ حافظ کی نضای بھی تک آواز پر ہے
شہر ماسنی سے اور کے شہر میں یہ صنون بیان ہو چکا ہے یعنی جب سے حافظ نے آواز
حبیب کی آئست بہر تکمہ سنی ہے تو انک اور نکا سینہ غایت شوق قالو جیلے سے ہوا
ہوا ہے۔ نضای یعنی خلا کے ہے +

روضہ خلد برین خلوت درویشان است مایہ محبت خدمت درویشان است
بہشت برین کا باغ خلوت فقر و کی ہے اور محبت کا مایہ خدمت فقر و کی ہے
یعنی عارفان حسیقی کی خلوت بہشت برین کا باغ ہو تا ہی پس ایسے لوگوں کی خدمت کرنا کو یا محبت
و جلالت کی کو بھی سمیٹا ہے +

کنج عزلت کہ طلسمات عجائب دارو فتح آن در نظر بہت درویشان است
گوشہ تنہائی عجیب عجیب طلسمات رکھتا ہے اوس کا کہونا فقر و کی نظر کی بہت ہیں
کنج عزلت سے اشارہ مشاہدات کی طرف کو ہے کہ جبکا حاصل ہونا عزلت پر محض ہے۔ یعنی
ذات حسیقی کا مشاہدہ جو عجیب و غریب ہے۔ عجیب و غریب علم کا کہونا فقر و کا طین کے امدادہ
اور بہت پر محض ہے۔ حاصل اس کا حالت معرفت بیان کرنا یعنی اگر درویش لوگ جاہل تو مشاہدہ
کے عجیب و غریب طلسم کو کہول سکتے ہیں۔ اور کوئی شخص اوس کو نہیں جانتا +

مقرر فردوس کے خواہش بدر بانی فرست منظری از زمین نرہت درویشان است
مقرر فردوس کے عنوان اوس کی در بانی کرتا ہے درویشوں کی زمین کی تربت کا ایک منظر ہے
یعنی قصر بہشت کہ جو اس قدر مرتبہ اور بزرگی رکھتا ہے کہ جسکی در بانی پر عنوان مقرر ہے۔ ماسلمان
کمال کی تربت زمین کا ایک نظر گاہ ہے۔ حاصل اسکا بزرگی معرفت ہے۔ اور فیہ فردوس
کے لئے روضہ عنوان بھی آتا ہے۔

یا شاہدہ شدا بد مجلیات سے کہ جو عالم ملکوت و جبروت میں ہی لہذا سب کچھ تبارک و تبارک شہانہ
عشق یا عالم ملکوت کہاں میں اور وہاں کہہ پونچنے کا ذریعہ کیا ہے تاکہ اوس جگہ پہنچا کر اس غم
والہ سے رانی پاؤں +

چرخین کہ صومچہ آلودہ شد بخون و لہم گرم ببادہ بشوید حق بدست شہادت
جیسا کہ عبادت خانہ سیر کمال کے خون سے آلودہ ہوا اگر کچھ شراب سے دہو تو بہتاری لگتی ہے
صومچہ کو مراد قلب ہی اور خون دل سے مجاہدہ مطلب یہ کہ ریاضت و مجاہدہ حد کو پہنچا کر
کہ سیر عبادت خانہ وجود یا دل خون سے آلودہ ہو گیا یعنی رنگ گیا ہے۔ پس اسے عاشقان کمال
اگر عبادت خانہ وجود کو بادیہ عشق سے دہو تو بہتاری لگتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسا کننا عبادت کا ہے اور طرح
کہ عاشق کا کام ہمیشہ یا محبوب سے وہاں لگانے کا ہوتا ہے اور سطح میں بھی ہر وہ کسی کو لگا کر ہوتی ہے
از ان بدیر متاخم عزیز سب دارند کہ آتشے کہ مزید ہمیشہ در دل است
اسلئے دیرمغان مجھے عزیز کہتے ہیں ایسی آگ جو کبھی بجھے ہمیشہ ہمارا دین رہتی ہے

ظاہری مطلب صاف نہیں باطنی اعتبار سے دیرمغان کا اشارہ تمام عاشقان کی طرف ہے۔
اور کبھی نہ بچنے والی آگ سے آتش عشق مراد ہی۔ مطلب یہ کہ عاشقان ہی ہمیں اسلئے عزیز کہتے
ہیں کہ ہمارا آتش عشق کبھی فرو نہیں ہوتی۔ اور ہمیشہ یکساں رہتی ہے +

چہ ساز بود کہ بخواخت مطرب عشاق کہ رفت عمر و ہنوزم و مانع پر ز صدا
کیا بات تھی کہ مطرب نے عاشق پر فائز کی کہ عمر گزشتی اور ابھی بیل و مانع آواز سے پر
وہ کیا بات تھی کہ اوس محبوب حقیقی نے ازل میں ہی کی تھی۔ یہاں تک عمر آخر ہو چکی ابھی تک مانعین
اوس بات کا طوق بہا ہوا ہے۔ اس شعر میں البتہ ہر تک کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ کہ جو بات
محبوب حقیقی نے ازل میں ہم رو خون سے کہی تھی وہ اب تک ہر کلمہ تھی۔ یہ بات ایسی اچھی معلوم
ہوتی کہ انہیں اس کا لطف کا خون کو بہن نہیں ہوا +

خمار عشق تو دلیر شہد اندرو کلم بود کجا ست وقت عبادت چہ و حاکم دست
کل کی بات تیرے عشق کا خمار گھبرا گیا عبادت کا وقت کہاں اور کیا وقت کا کار
دلیر سے مراد درخشاں اور مطلب یہ ہے کہ ازل ہی میں تیرے عشق کی آواز کا فون میں

وہ روئے ہے جو شاہان دنیا کا مال ساری اور جسکی طلب میں ہمیشہ بہترین اور کامیاب
درویشان جتنی کی روئے طلعت میں موجود ہے۔

اے تو اگر مفرط انہم نخوت کہ ترا سروری در کف ہمت درویشان است
اسی تو افگر اس نخوت کو نہ سج کہیرے واسطی سروری فقیروں کی کف ہمت میں ہے
نخوت فروختن۔ بیٹے اظہار عظمت و فخر کردن۔ یعنی اے مول تو اپنی عظمت اور دولت کا اظہار نہ کر
اسواسطی کہ سروری فقیروں کی ہی بنا ہوتی ہے۔ یعنی وجود دنیا جسکی سروری مولوں کو میسر ہے اولیامد
کامین کی بکت کو برقرار ہے

کنج قارون کہ فرور میرود از قعر بنور خواندہ باشی تو کہ رخت درویشان است
خرانہ قارون جو کہ بھیجے کہ قعر میں کچھ سا جاتا تو نے پڑھا ہوگا کہ فقروں کی دعا کی بکت کو
یعنی حدیث میں آیا ہے اور تو نے شاید پڑھا ہوگا کہ قارون کا خزانہ اوس وقت سے اب تک کسی کسی قدر
زمین کی زمین سمیت سہارا چلا جا رہا ہے۔ یہ بات کسی بددعا سے ہوئی درویشوں کی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام منکبی
بددعا سے قارون کو اپنے گھر اور مال تخت کے زمین میں پہنچا پا گیا۔ عارف بابشاہ وغیرہ تھے کہ
اوس شخص اس فقیر کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے اس شعر کا مضمون اپنی وضاحت کے واسطے جو
کرتا ہے کہ ہم مختصر سا حال قارون کے مول اور موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کا بیان کریں۔ یہ قصہ
اسطرح ہے کہ قارون موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا۔ اوس کے پانچویں دولت تھی کہ خزانہ کی
کھجیاں ایسے ساٹھ اونٹوں پر بار ہو کر تین بھتیجیوں کے اوں میں سے ہر ایک کو ساٹھ اونٹ بوجھ ہوٹھا
سکتا تھا ہر ایک کھجی جس سے کہ چاہیں کوٹھریاں خزانہ کی کھجیاں یا کرنیں وزن میں صرف ایک مثقال
ہوتی تھی۔ قارون کے اس قدر مال تھا کہ آئے کا یہ سب تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام پر قوت نازل ہوئی
تو حکم الہی ہوا کہ اہل کو آب زر سے لکھو۔ موسیٰ نے جناب باری میں عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ بہت بڑی
سے مجھ میں اتنی مقدرت نہیں۔ اہل کو آب زر کی لکھنے کے لئے اتنا سونا کہاں سے لائے گا اس پر
خدا تعالیٰ نے موسیٰ کو کہیا کہ بتا دیا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے ایک ثلث اوسکا بارون کو سکھایا
اور ایک ثلث اپنی بہن کو بتلایا کہ جو قارون کی بی بی تھی پس قارون نے کہیا کہ بی بی ابی نہج سے
اور غیر بارون اور کوشع سے لکھی تھی۔ چنانچہ قارون تانبے سے سونا بنا دیا اور اسے

اچھے زرشو از پروان قلب سیاہ
 کیمیاست کہ در صحبت درویشان
 وہ چیز کہ جسکے پر تو سیاہ قلب زربو جاتا ہے
 کیمیا ہے کہ جو فقیر کی صحبت کی حال ہوتی ہے
 یعنی وہ شے جو سیاہ قلب کو سونا بناتی ہے کیمیا ہے اور قاعدہ ہے کہ کیمیا فقیر کی صحبت کو حاصل
 ہوا کرتی ہے۔ لہذا اس مقام پر کیمیا سے مراد کیمیا ہے معرفت ہے۔ اور معرفت کی کیمیا سیاہ دل لوگ نکھر کر گذر
 ہو سکتے ہیں لہذا مطلب یہ ہے کہ معرفت الہی بھی درویشوں ہی کے پاس ہے اور وہ کیمیا ہے جو سیاہ قلب کو گلو
 صوفی بنا دیتی ہے۔

وانکہ پیشین ہند تاج کبر خورشید
 کبریاست کہ درشت درویشان
 وہ چیز کہ جسکے سامنے سورج بھی تاج کبر کو آواز کرتا ہے
 کبر بانی ہے کہ جو فقیر کی خدمت میں ہے
 مطلب یہ کہ وہ کبر بانی جسکے سامنے سورج بھی باوجود اس رفعت و مرتبہ کے غور بہن کر سکتا فقیروں
 اور اہل اللہ لوگوں کی خدمت میں ہے یعنی ان لوگوں کے مرتبہ کے سامنے آقا کا مرتبہ بھی نیچے ہے۔
 دولے را کہ نباشد غم از آسیب وال
 بے تکلف بشتو دولت درویشان
 جس دولت کو کہ فنا اور زوال کا غم نہ ہو
 بے تکلف سمجھو کہ وہ دولت فقیر کی ہے

فقیر کے پاس سوائے کملی اور رنگوٹی کے کوئی دولت نہیں ہوتی پس جیہ دولت ہی اس کے پاس
 نہیں تو زوال کسے ہو گا لیکن یہاں اس ظاہری مال دولت سے غرض نہیں ہے بلکہ وہ دولت معرفت ہے
 لہذا صاف ظاہر ہے کہ دولت معرفت ہمیشہ باقی رہنے والی لازوال چیز ہے۔ بے تکلف کے معنی
 اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ

حشر ان قبلہ حاجات جہان اندو
 نہ ازل تا بہ ابد فرصت درویشان
 بادشاہ جہان کے قبلہ حاجات ہوتے ہیں لیکن
 ازل سے ابد تک فرصت فقیر و نکو ہی ہے
 ہر چند کہ بادشاہ مخلوق کے قبلہ حاجات ہوتے ہیں لیکن فرصت درویشوں کو ہی حاصل ہے۔ اس لئے
 کہ ان میں سوائے اپنے کسی کی فکر نہیں ہوتی۔ نہ غم و نہ غم کلا۔ یا بلکہ کہتے کہ فقیر فرصت
 کے بادشاہ ہوتے ہیں اور بادشاہ او کو فقیر

وہی مقصود کہ شاہان جہان و طلبند
 منہرش آئینہ طلعت درویشان
 چہرہ مقصود کہ جہان کے بادشاہ طلب کرتے ہیں
 اوسکا منہر درویشوں کا آئینہ طلعت ہے

نکاحی خیا نجدہ عورت اسپر ہی ہوئی۔ دوسرے دن جبکہ قارون نے مجلس عالی اور سلوک طلبی محمدیہ اور موسیٰ علیہ
اسلام کو بھی دعوت کو بہانہ سے بلایا چونکہ دعوت کا قبول کرنا ضروری تھا لہذا موسیٰ بھی اونٹن لے کر پہنچا اور پہلی مرتبہ
کو موافق تبلیغ احکام شروع فرمائی اور کہنے لگا جو کوئی مجھ پر ماکرہ تو اوکو سوتا زبانی لگا کر چاہتین۔ اور اگر عیالدار
زنا کرے تو اس کو سنگسار کرنا واجب ہے۔ قارون بول اٹھا کہ چاہے تم ہی ہو۔

جواب دیا کہ مان چاہے میں ہی ہوں حکم خدا میں کیسا چارہ نہیں۔ پھر کہنے لگا کہ بنی اسرائیل تمہارے
نونا کا گمان کر رہے ہیں۔ زنا کیا کہ بنی اسرائیل کا گمان مجھ پر بھی نہیں ہوگا۔ قارون بولا کہ اوس عورت کو لاؤ
جب وہ حاضر کی گئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اوس کی طرف کو موہنے کر کے کہا کہ اسے عورت یہ لوگ
مجھ پر اور تجھ پر ہل گئے ہیں کیا بات ہو۔ تجھ کو خدا کی قسم کھدے۔ موسیٰ کی کبت
سے اوس عورت پر درتو موافق کشادہ ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ اسے خدا کے رسول کو ٹھنڈا تجھ پر اگلاں
کر سکتا ہے۔ لیکن مجھ کو تو قارون نے دیکھا کہ میں تجھ پر یہ کبت لگاؤں۔ یہ سنگسار قارون
خیالت کر کے دریا میں ڈوب گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نہایت آزرہ ہوئے۔ اور خدا کے سامنے رہا کہ
وہ نے گئے کہ خداوند ہر سے دشمن دوستوں کو انصاف کا ادا کرتے ہیں اپنے دوستوں کے
لئے ان پر غضب توڑا۔ اوس وقت حکم خطاب باری ہوا کہ اسے موسیٰ نے زمین کو تیرے حکم میں
کر دیا ہے تو جو کام چاہے اوس سے لے۔ بعد ازاں موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا نے مجھ کو
فرعون کی طرح قارون پر مسلط کر دیا میں جو شخص میرے پیروں میں سے ہے وہ جان سے چلا جائے
لہذا سب لوگ جلے گئے۔ مگر وہ شخص کہ جس کو قارون سے بہت موافقت تھی نہ گئے۔ موسیٰ نے
زمین سے خطاب کر کے کہا یا ارحمن خذنی ہم وابتلیہم یعنی اے زمین انکو بکڑے اور سنا بنے
قارون ٹھٹھا کر رہا تھا اور برا بھلا کہتا تھا کہ زمین کیسی بکڑی ہوئی ہے۔ اچھا اوسکی مانگ میں ٹخنوں تک
زمین چھو گئیں۔ جب قارون کو معلوم ہوا تو فریاد کرنے لگا۔ مگر موسیٰ نے بہرہ ہی کہا کہ اسے
زمین کو بکڑے اور اپنے اندر سمالے اسپر قارون سینہ تک ٹی بن عرق ہو گیا۔ غرض کہ قارون نے
بہتری سنت مانت لی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مانی۔ اوس روز موسیٰ کو طمان زمین جس حکم
خدا اٹھامی کے قدر برابر قارون کو ہر روز زمین میں گہیرا دیتے ہیں۔ دوسرے دن بنی اسرائیل
کہنے لگے کہ ملاکت قارون سے موسیٰ کا مقصود اور کیا ہے۔ اور کیا ہے۔ اور کیا ہے۔ اور کیا ہے۔

بہت سا سونا طیار کر لیا تب بڑی شان اور قبول کی حالت سے اپنی قوم میں ظاہر ہوا۔ لیکن بعد
 اس مال دولت کے حکومت اور خلافت میں اوسکو کوئی دخل نہ تھا۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام سے
 کہا کہ رسالت تمہاری ہے۔ اور خلافت ہارون کی حالانکہ میں تو بت تم دونوں ہی اچھی طرح جانتا ہوں
 پھر اسکی کیا وجہ ہو کہ مجھے ان دونوں چیزوں میں سے ایک بھی نہ ملے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ
 خلافت ہارون کو میں نے از خود نہیں دی ہے۔ بلکہ خدا کے حکم سے ایسا کیا ہے۔ قارون کہنے لگا
 کہ میں بنی اسرائیل کے بھتیجے نہیں کروں گا کہ تم یہ کہتے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا تم اپنا عصا
 زمین میں گھاڑ دو۔ چنانچہ وہ خون نے ہی کیا صبح کو ہارون کا عصا نہ تھا اور اس پر اسقدر بھل آئے
 کہ تمام بنی اسرائیل میں تقسیم ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ وہ عصا با د ادم کا دخت بن گیا تھا اس کو دیکھ کر قارون
 کہنے لگا کہ تجھے جادو گر سے عصا کا بن بن جاتا ہے بعد میں یہی قارون ناراض ہو کر گھر بیٹھ رہا۔
 چونکہ موسیٰ کی تمام حرکات ارادہ حکم الہی پر مبنی ہوتی تھی اسلئے آپ نے قارون کو کوئی امر تفویض نہیں کیا
 قارون نے قرد کی راہ سے بنی اسرائیل کو موسیٰ کی طرف سے توڑنا شروع کر دیا مگر موسیٰ علیہ السلام اس
 رشتہ کی وجہ سے کہ جو قارون ہی تھا صبر کئے گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم نازل فرمایا کہ
 مال میں سے ہزارواں حصہ زکوٰۃ کا ٹھکانا چاہئے مگر جب قارون نے حساب لگا یا تو اس کی پرچی
 بیشمار دولت اوسکے خزانہ سے نکل جاتی تھی۔ کہنے لگا کہ پال تو میں اپنے دست بازو ہی پیدا کیا ہے
 بنی اسرائیل کی طرح قبطیوں سے نہیں چھینا میں تو کبھی اتنی دولت زکوٰۃ میں نہ دیکھا۔ اور موسیٰ کا دشمن بن گیا
 ایک روز قارون نے بنی اسرائیل کو بذریعہ دعوت اکٹھا کیا اور کہا میں نے سے فراعت حاصل ہو چکے
 بعد اوسے کہا کہ موسیٰ نے تمکو اپنا فرمانبردار تو بنا ہی لیا ہے اب وہ چاہتا ہے کہ تمہارا مال بھی
 لے لے۔ یہ توں نے جواب دیا کہ تو ہی ہمارا سردار و بزرگ ہی تو جو کچھ کہے ہم وہ تدبیر کریں گے کہ لگا
 کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے اور میں اوسے پورا کر کے تمکو موسیٰ کے ہاتھوں سے نجات
 دلاؤں گا لہذا اوجھون نے قارون کی تعریف کی اور اوسکے بڑے کار ہو گئے۔ قارون نے موسیٰ کے
 مغلوب کرنے کی یہ تدبیر بتلائی کہ بنی اسرائیل میں فلان عورت جو زنا کاری کے لئے مشہور ہے
 بتلائی جائے۔ چنانچہ یہی کہی گئی اور اوس کو بہت سے روپی اور اشرفیان دینے کے لالچ میں مبتلا
 اور قارون نے ایک طباق بھرو پیر دینے کا وعدہ کیا اس شرط سے کہ وہ موسیٰ پر زنا کا الزام

حبوت عشق اختیار کیا تو اسوقت جو کچھ لوگوں میں ہے سب کو یکدم صفحہ دل سے نیست نابود
کر دیا یعنی ازل ہی میں زہد و تقویٰ ہے لوح دل کو دھو ڈالا تھا

مے پڑتا دمیت آگہی از سر قضا کہ بروی کہ شدم عاشق بروی کہ مست
شرابے کی کہ نین مجھے قضا کہ ہے آگاہ کردن کہ کسی صورت پر عاشق ہوا کسی خوشبو سے

مصرع ثانی بیانہ ہے یعنی اسے مرشد کمال مجھے شراب عشق پیئے کو مے ناک تجھے بہ تلباؤن
کہ من کسی صورت پر عاشق ہوا ہون اور کسی رسم محبت سے مست ہون اس میں استہقام کھارہی۔ اور مطلب
یہ کہ میں کچھ نہیں ہوں اور نہ کسی پر عاشق ہوں جو کچھ ہے وہی ہے۔ اس واسطے کہ عشق ایک فعل ہے
اور قاعدہ کلیہ ہے کہ فعل بغير فاعل کے واقع نہیں ہوتا پس جب میں نسبت ہوں اور میرا کوئی
وجود نہیں اور وجود کا محتاج ہوں تو اپنے لئے مخرج نہیں ہیں کیسے لاسکتا ہوں جو کچھ ہے وہی ہے

ہمدوست ہمدوست شمع

دجہم سلی بودہ مجنون شدہ بنودہ لیلے کی مجنون کیا خود بودہ و خود بودہ
بکر کوہ کمست از کمر مور حیا تا امید از در محبت مشوا ہی بادہ پر
پہاڑ کی کمر بنگلہ چوٹی کی کمر سے کم ہے در محبت ہی، عاشق تا امید نہ ہو

بکر کوہ سے مراد گناہ کی مقدار اور کمر سے وسعت رحمت کی طرف اشارہ ہے۔ اور مطلب یہ کہ اسے
عاشق خدا کی رحمت بندہ کے گناہوں سے گودہ پہاڑ کی برابر ہوں زیادہ وسیع ہے۔ پس تو اس کی رحمت کا
تا امید ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ يَغْفِرُ اللَّهُ
بِحَبِيدَةٍ۔ یعنی خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو وہ سب کے گناہ بخشتی ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے

صحیح ہے کہ ان کو کہ عصیان سیر دیار دیا مگر ہے رحمت تیری
جو کہ زمین پر تکی کے مقابلہ میں دریا بہت زیادہ ہے اسی اعتبار سے شاعر کہتا ہے کہ گویا میرے
گناہ جنگل درختوں میں لیکن تیری رحمت سمندر دہند ہے۔

جان فدا کی دہشت ناو کہ دریلغ نظر چمن آری جہان جہاں شہزادین غمخیز است
جان بیرون کہ قربان کہ ناغ نظر میں چمن آری جہاں کی اس کی اچھا غنچہ نہیں پائی
بلغ نظر سے وجود مراد ہے۔ اور چمن آری جہاں خالق کون مکان۔ غنچہ کا اشارہ دہن تری غنچہ کو

برہمائی تاکلاوس کا باغ اور مکان اور خزانہ جات سب زمین ہی میں سما گئے۔ آئینہ کریم
تخصیصاً بہ دید ازل الارض یعنی پھوس دیا ہے اوسکو اور اوسکے گہر کو زمین میں۔

بندہ آصف عہدیم کہ درین سلطنتش صورت خواجہ علی سیر درویشان است
میں آصف عہد کا بندہ ہوں اوسکی سلطنت میں صورت خواجہ علی کی اور صفت درویشوں کی ہے

آصف وزیر کا نام تھا یہاں آصف عہد خواجہ علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ کا وزیر مراد دیا ہے
یہ مطلب ظاہری ہے کہ اہل عہد کا وزیر صورت سرداروں کی ہی اور صفت فقیروں کی رکھتا ہے۔ یہ گویا اوسکی
تعاریف ہے کہ ہم ایسے فقیر صفت وزیر کے بند ہیں۔ معنوی اعتبار سے وزیر سے مراد مرشد وقت ہے
اور مذکورہ بالا تعریف بھی مرشد کی ہو سکتی ہے معنی ہمارے پیر کی صورت سرداروں کی مثل ہے
مگر سیرت فقیروں کی مانند

حافظ اینجا بابا دہباش کہ سلطان ملک ہمہ در بندگی حضرت دیوان است

حافظ ابجگہ آدب سرہ کہ سلطان اور شاہ تمام درویشوں کی بندگی میں ہیں

درویشوں سے مراد عارفان کامل اور عاشقان واصل ہیں۔ اور مطلب یہ کہ اسے حافظ تو ابجگہ
یعنی مرشد کی جناب میں ادب کر اس واسطے کہ شان و دنیا ملک اس درگاہ کے بندے ہیں، اولیاءوں کے
رتبہ کے سامنے بادشاہوں کے مرتبہ کی کچھ اصل حقیقت نہیں

مطلب طاعت پیمان در ازمن مست کہ بہ پیمانہ کشتی شہر شہم روز است

مجھے مست بندگی اور در پیمانی نہ ڈھونڈو کیونکہ میں پیمانہ کشتی کے لئے نہ ڈھونڈا کوئی نام ہو چکا ہو

یعنی میں شراب محبت پنی اور عشق بازی کرنے کے لئے روزانہ مست میں ہی شہر باجچا ہوں پس مجھے
مست سے بندگی اور قول کو پورا کرنے کی امید نہ رکھو۔ کیونکہ بندگی کرنا یا قول کی تکمیل کرنا ہمہ ران
ادہ محبت کے طریقہ میں درست ہی نہیں ہے۔ عاشقوں کو سوا کی محبوب کے کسی نسبہ کی یا قول سے

یا تمام نمن جانیم کہ وضو ختم از ختم عشق جارتا کہیر دم کبیر بر سر کہ مست

میں نے اوسوقت کہ جب شہد عشق سو چھوٹا جارتا کہین کل بر جو پچہ کہ سو بودی

جارتا کہیر دم کبیر کر معنی تمام کمال مطلب یہ ہے کہ میں نے

پنجبشکی کی نہیں دیکھی نہ
 نظیر دوست ندیدم اگرچہ از مدہ مر
 میں نے دوست کا ثانی نہ لکھا اگرچہ چاند سورج کے
 یعنی میں نے چاند سورج کے آئینے رخ محبوب کے مقابل رکھے لیکن دوست
 کا ایسا بھی ثانی نظر نہ آیا جیسا کہ آئینہ میں کسی چہرے کا عکس نظر آتا ہے۔ یہ ممکن نہیں
 کہ کسی چیز کا عکس آئینہ میں نظر نہ آوے۔ مگر خواجہ علیہ الرحمۃ محبوب حقیقی کی
 نظیر پانے کے سوا کسی عکس دکھائی دینے کے بھی نہ ممکن۔ اور کہتے ہیں کہ وہ ایسا واحد
 لا شریک ہے کہ مہر و ماہ کے آئینوں میں بھی اس کے ثانی عکس کا پتہ نہیں ہے۔ صرف
 اس لئے کہ کہیں ایک کے دونہ ہو جائیں۔ کس سے خدا کی وحدانیت ثابت کی گئی ہے
 نثار روئے تو ہر گل گل و چمن است
 ہر بول کی تہی جو بھین ہو تیری چہرہ کو زبان ہے
 ہر بول کہ جو بھین ہو تیری چہرہ کو زبان ہے
 ہر بول کہ جو بھین ہو تیری چہرہ کو زبان ہے
 ظاہری مطلب نے صنم سے طلب نہیں۔ باطنی اعتبار سے ہر گل اور مرد و زن سے محبوبان مجازی اور
 لب جو سے دنیا مراد ہے۔ دونوں مصرعوں میں تو کی صنم محبوب حقیقی کی طرف راجع ہے۔
 مطلب یہ ہے کہ اسے محبوب حقیقی ہر ایک گل و دنیا کے چمن میں پونا پلتا ہے وہ
 تیرے کھڑے پر نثار ہے اور ہر مرد و ست جو سر و ستان جہان میں موجود ہے وہ تیرے
 قد پر مندا ہے۔ اس لئے کہ وہ فی الحقیقت معدوم ہونے والے ہیں۔ اور دنیا کا حسن
 حسن ظاہری ہے۔ اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہر خوبصورت و حسین مخلوق فنا ہو کر اور بیخ
 عود کرتا ہے۔

مگر تو شانہ زد ہی زلفِ عزیز نشان را
 شاید کہ تو نے زلفِ عزیز نشانیں شانہ کیا
 کہ عبادِ غالبہ گشت و خاکِ عزیز کو
 کہ ہوا غالبہ سا ہوئی اور خاکِ عزیز کو
 یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اپنی زلفِ عزیز نشان میں شانہ کیا ہے۔ در نہ ہو میں یہ صندلین
 لہک اور خاک بن حشرین جو شب کی طرح پیدا ہو گئی۔ اور ممکن ہے کہ زلفِ عزیز تو سے باعتبار
 سار چہرہ حقیقت کے ہمارا جو دمراد ہوا در شانہ سے فضل و کرم باد غالبہ سا ہے عشقِ حقیقی

ہے اور اس بیت میں وجود سے خطاب کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اسے میرے وجود۔
میری جان تیرے دہن کے قربان ہو کہ حق قتالے تے تیرے چمن کے وجود میں نہیں ہے جس سے
بہتر غنچہ نہیں بنایا ہے۔ اور کوئی عصواں ہی خوبی اور مرغوبی میں زیادہ نہیں ہے کہ اس کے منہ سے
زل پسند پائین صادر ہوتی ہیں +

بجز آن نگرستانہ کہ پیش مرساد زیر این ظام فیروزہ کی خوش نشست

سوا کوئی نگرستانہ کہ اس کی نگاہ کو نظر بند نہ ہو اس ظام فیروزہ کی نیچے کوئی خوش نہیں بیٹھا
نگرستانہ سے عاشق کامل مراوی کہ تمام عالم سے کوہنہ موثر کر گوشتہ چمن بیٹھے چشمش مرساد کے معنی کوئی
وقت و حادثہ اور اسکے دامنگیر نہ ہو جو این ظام فیروزہ سے یہ دنیا مقصود ہے۔ خوش نشست
بہتر نہ کر نہ بیٹھا۔ مطلب یہ کہ سوا سے عاشق کامل کے کہ اس کو خدا نظر بند سے بچا ہے۔ کوئی بھی
اس دنیا کے غم و آلاموں سے بے فکر ہو کر نہ بیٹھا +

حافظ از دولت وصل تو سلیمانی میت یعنی از قول تو ایش مست فون با دست

تیرے وصل کی دولت سے حافظ فی سلیمانی پائی یعنی تیرے وصل سے اس کی ہاتھیں باجھی ہوئی
بعض تیری دولت عشق کے سبب سے حافظ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا مرتبہ پایا۔ یہ اس سبب سے
کہ ہوا ہاتھیں ہی معنی تابع فرمان ہے۔ لیکن تاہم وصل کے بجائے ہاتھیں اب تک ہوا ہی ہوا
نویا ہم حصول وصل کو جس سے موت مراد ہے ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا۔ چونکہ ہوا حضرت
سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھی۔ اس لئے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے +

سر ارادت ما و آستان حضرت دوست کہ ہر جہ پرست سرور ارادت اوست

ہمارا سر ارادت اور بارگاہِ دوست کی لینے کہ جو کچھ سر گذر تا ہو وہ اس کی ارادہ سے گذرنا ہو
یعنی میں اپنا سر ارادت آستان سے ہرگز نہیں اٹھاتا و نکالتا۔ دوست سے مراد بار مرقا ہے
کیونکہ جو کچھ نیک بد خوشی و رنج مجھ پر گذر تا ہے سب اسی کے ارادہ اور مرضی سے ہے
میں کہ نہیں ہوں۔ نہ میری کوئی مرضی ہے نہ ارادہ۔ پس میں ہر طرح راضی برضا ہوں اس لئے کہ
دوست کی رضا پر رہی نہ ہوتا عاشق کامل ہونے کی دلیل ہو گا۔ سچے عاشق وہ ہی ہیں جو ہر وقت
میں محبوب کی مرضی کے جواب دہ رہتے ہوں۔ یعنی مولے کے خلاف جانتا غامی کی علامت ہے۔

واسطے سب کو کش کا لفظ لازماً یعنی شراب معرفت کا گہرا کھمیر کی سر پر نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ بہت سے
مجھے پہلے بھی گزر چکا ہے جس کے سر دہن پر شراب معرفت کے برتن رکھے گئے تھے۔ مطلب یہ کہ
اونہوں نے عشق خدا کیا تھا۔

زبان ناطقہ در وصف حسن اولاست چہ جای کلاک پیر زبان بیدہ گوست
زبان ناطق اور کبر وصف حسن لال ہے قلم بریدہ زبان بیودہ گوشت شمارین ہو سکتا ہے
یعنی جب بولنے والی زبان خدا کے وصف میں گنگ ہے تو زبان قلم کہ جو کئی ہوئی اور بیودہ گوشت
برای نام زبان ہو وہ کس شمار و قطار میں ہو گی اور کس تعریف لکھ سکی۔ یہ ظاہری مطلب ہے
مگر باطنی کے اعتبار سے زبان ناطقہ کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور زبان
بریدہ کلاک کا کنایہ اپنی طرف۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ جب تیری وصف میں پیچیدہ زبان فخر سلطان
کی زبان گنگ نہی۔ لہذا صبر شفاء علیک انت کما اثبت علی نفسک تو پھر ہم بریدہ زبان بیودہ گوشت
بدون کی کیا ہستی ہو کہ تیری ثنا کر سکیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ خود ثنا گفتن زمین ترک است
کاین دلیل ہستی و ہستی خطاست۔

نہ این زبان دل فضا و آتش طلبست کہ داغدار ازل بچو لالہ خود روست
کچھ سیوخت حافظ کا دل آتش طلب نہیں ہو گیا بلکہ ازل ہی خود رولالہ کی طرح داغدار ہے
مطلب یہ کہ حافظ کا دل جب کو تم آتش محبت کا سوختہ دیکھتے ہو آج ہی نیا جلنا شروع نہیں ہوا ہے
بلکہ ازل ہی سوختہ ہے جس طرح کہ لالہ کو پھول کا داغ پھول بننے پر نہیں ہو جاتا بلکہ قدرتی
ہوتا ہے اور اسکی پیدائش میں یہ صفت داغ داری و دہشت ہے۔ اس طرح میں کوئی ایسی عاشق
نہیں ہوا ہوں بلکہ روبرو ازل سے میرا دل عشق محبت کو قبول نہ کئے ہوئے ہے۔ مشعر
مبتلا پیش از طور جلوہ خانانہ تھا + شمع روشن جب نہ تھی محفل میں پر فانی تھا۔

دل سراپردہ محبت اوست دیدہ آئینہ وار طلعت اوست
دل پردہ گاہ او سکی محبت کا ہے آنکھ او سکی تجلی کی آئینہ وار ہے
یعنی میرا دل او سکی محبت کا پردہ گاہ ہے اس میں کسی اور کی محبت کی گنجائش نہیں۔ علیٰ ہذا آئینہ
حق جل شانہ کی تجلی کے آئنے ہیں کہ جن میں سوائے او سارے مظہر کے اور کوئی غیر خیر منعکس نہیں ہو سکتا

اور مطلب یہ ہو گا کہ محبوب عینی جب نے اپنی زلف کو فضل و کرم کے شانہ سے سنوارا تو اوس کا یہ
نتیجہ نکلا کہ ہمارے باد انھاس نے تیرا عالیہ عشق حاصل کیا اور ہمارے وجود کی خاک کو غنیمت
علا۔ اس سے کہ ہم مینان جہان محبوب عینی کی راہ کی خاک میں +

رخ تو نظر امر مراد خواہیم یافت چرا کہ حال بخود قفا و فانی بخوت

تیرا رخ نظر آیا میں اپنی مراد پاؤں سکا اس سے کہ نیک فال کی اچھا ہی نتیجہ برآمد ہوتا
یعنی جب مجھے تیرے رخ کا نیک سگون ملا ہی تو ضرور میری مراد برائی اور نقص کو چھوٹ چاؤنگا اسلئے
کہ نیک فال کا نتیجہ بھی نیک ہی ہوتا ہے مطلب غلامیہ کہ اسے محبوب جب میں حصول مراد است
کیواسے عالم فکر میں تھا تو مجھے اپنے آئینہ دل میں تیرا رخ رہا نہ غم پر ایں اب مجھے یقین ہو گیا
کہ میں اپنی مراد کو جس سے تیرا وصال معصوم ہے ضرور پہنچوٹھا +

صبا ز حال دل تنگ ماچہ شرح دہد کہ چون سنگ ورقہاتے غنچہ تو بر تو

ہمارے دل تنگ کا حال صبا کیا بیان کرے کہ شل کلی کے بیوں کے تیرے تمہی ہوئی ہے
صبا سے وعظ و نصیحت گو مراد است کہ ہم عاشقوں کے دل کا پریشان کر کے ڈال دیتا ہے
لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ناصح ہمارا ہمارے دل کا حال کیا جانے۔ ہمارے
دلی کی یہ غایت ہے کہ غنچہ کی بیوں کی طرح ایک تہ دوسری پر جمی ہوئی ہے یعنی اوسکی
حال بیان کرنا محیط بقدر ہے باہر ہے کیونکہ عشق ایک ایسی راہ ہے کہ جو اس میں آباد وہ
ہزاروں بلاؤں میں گرفتار ہو گیا۔

نیم بکوش ایں بے زہد سوزم بس بسا سہے کہ دین شانہ سنگ و سہو

میں ہی طرف ایں بے زہد سوز کا بکوش نہیں ہیں (بکاش) بہت سے ایں شانہ کے سنگ و سہو ہیں
سنگ و سہو یعنی شہوات و ہوس کی عیش و باری کی طرف اشارہ ہے ویر سوز و شہوات و ہوس
عشق مراد ہوگی رند مثنوی جو اس سے عاشق معصوم ہے لہذا خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کچھ میں ہی
اکیلا ایں مثنوی کا بادیہ نوش نہیں ہوں بلکہ مجھے پہلے بہت سے اکابران اہل الشاہد
ہوئے ہیں کہ جھٹکوں نے اسی مثنوی کا بادیہ نوش نہیں ہوں بلکہ مجھے پہلے بہت سے اکابران اہل الشاہد
کہ جبر شریک کا گہرا کھا جا ہے۔ لہذا مثنوی سے گہری کے بچے کے پھر کو نشانیہ یا بہت ہی پرستی ہے

کہ شاید حقیقی کا وصال میسر ہو۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ کا استعمال عام ہے۔
 دور مجنون گذشت نوبت ماست ہر کسے پنج روزہ نوبت اوست
 مجنون کا عہد گند گیا ہماری ہماری ہو جو کوئی پنج روزہ ہا اوسکی ہماری آئی
 یعنی مجنون کے عشق کا زمانہ گذر گیا اور اب ہماری ہماری ہے۔ غرض کہ دنیا عاشقوں سے
 خالی نہ رہی ہم سے پہلے مجنون تھا اور آج کل ہم ہیں ہم سے بعد کوئی اور ہو گا بھی یا پنج روزہ زندگی ہو
 اور اس میں کوئی نہ کوئی عاشق ہی ضرور ہوتا رہیگا۔ شعر خواہد این چمن از سر و لالہ خالی ماندہ
 یکے ہمیر و دود گیرے ہی آید۔ پنج روزہ زندگی کا لفظ قلف بقا کے واسطے آتا ہے اسکی تشریح
 ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ دوبارہ اعلاہ کی ضرورت نہیں۔

من کہ با شتم در آن حرم کہ صبا پر وہ ڈار حرم حرم اوست
 میں کیا ہوں کہ صبا ہی اوس حرم میں پر وہ ڈار حرم حرم اوست اسکی ہے
 ظاہر ہی مطلب صاف ہے باطنی میں صبا سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور مطلب
 یہ کہ میں کیا چیز ہوں کہ جو تیری معرفت کی حقیقت کو پہونچوں جب سرور کائنات منور ہو جا
 محبوب خدا ہی جو تیری حرم حرم حرم گریہ دار سے تیری حقیقت کو پہونچا اور میل معرفت میں
 عاجز ہو تو میری کیا مجال ہو کہ میں وہاں تک پہونچوں۔ چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انک
 میت وانهم میتون یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہماری معرفت کی حقیقت تک پہونچو کیلئے
 مردہ اور غلط تیری معرفت کی حقیقت کو جاننے کے لئے مردہ ہیں اور رسول خدا اسنے
 اس بارہ میں خود فرمایا ہے کہ ماعرفناک حق معرفتک۔

ملکت عاشقی و گنج طرب ہر چہ دارم زمین بہت اوست
 عاشقی کی سلطنت اور خوشی کا جہان جو کچھ میری پائیں ہو یہاں پر ارادہ ہے
 یعنی میں خود کوئی چیز نہیں ہوں۔ یہ اپنا عشق اور آزادی کا خزانہ اوستی نے اپنی عنایت
 مجھے عطا فرمایا ہے کیونکہ اوسکا عاشق ہی تو کوئی بلا اوسکے مرضی کے نہیں ہو سکتا۔ ہاں
 یہ نعمت ہی اوسکو مل سکتی ہے جسکو وہ دنیا چاہے اور چونکہ عشق کے خزانہ سے بڑھ کر اور کوئی
 مال نہیں اسواسطے عاشق خیر کر رہا ہے۔

کیونکہ عاشق کو سواۓ معشوق کے کسی اور کی محبت و رغبت نہیں ہوتی۔ محبت دل اور آنکھ کے متعلق ہے لہذا ان ہی دونوں کو اس کام کے واسطے مخصوص کیا گیا۔

منکہ سرور نیا ورم بد و کون
گر و نم زیر بار منت اوست
مین کہ دونو جهان سے سر کہینچتا ہوں میری گردن او سکر احسان کی زیر بار ہے
دونو جهان سے دنیا و عقبیٰ مراد میں۔ اور مطلب یہ کہ مجھے دنیا و عقبیٰ سے کوئی غرض نہیں
اس واسطے کہ میری گردن حق تعالیٰ کے احسان کی زیر بار ہے وہ مجھ کو عدم ضرور جو دین نایا
اور اس نے اپنا عاشق بنایا۔ پس اس اعتبار سے گویا میں نے اپنی آپکو تجویز میں او بھگت ہو چکا دیا
کہ اب او سکر سوا وینا اور عقبیٰ ان دونوں سے مستغنی ہوں اور مجھ کو نین کی پروا نہیں اور
پروا نہ ہونے کا دوسرا ثبوت یہ بھی ہے کہ جب میری گردن پر اسی ذات واحد کا
احسان ہو اور او سکر بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا تو میں کو نین کی کیا پروا کروں
اس شعر میں خواجہ صاحب گویا عاشق کی استغنا کا حال ظاہر فرماتے ہیں کہ عاشقان صادق
دنیا و عقبیٰ میں سے کسی کی فکر نہیں ہوتی۔ عاشق معنی ہی اس کو ہیں کہ او سکو سواۓ معشوق کے
ما سوا چیز و نہ کا کوئی خیال ہی نہ ہو

تو و طوبے و ما و قاست یار
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست
نوا و طوبے اور ہم اور قست یار
ہر شخص کی فکر او سکر ارادہ کو موافق ہوتی ہے
تو کا خطاب زاہد کی طرف ہے۔ طوبیٰ بہشت کو ایک درخت کا نام ہے۔ خوبصورتی کے
امدادی اس سے قاست معشوق کو تشبیہ دیجاتی ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ امیر زاہد
تجھے بہشت میں پہونچ کر طوبے کے نیچے بیٹھنے کا خیال ہے اور میں تو سکی مقابلہ میں قد با
کی فکر جس سے مراد شاہد حقیقی ہے پس اسی اعتبار سے کہ ہر شخص کی فکر او سکر ارادہ پر منحصر ہے
تو صرف بہشت کا خواستگار ہو اور ہم خالق بہشت کی جو بیان ہیں۔ اس دلیل سے گویا ہماری
ارادہ میں تجھے کہیں بڑے ہو کر ہیں۔ واضح ہو کہ اصطلاح صوفیہ میں ہمت ترک مخلوقات
کے معنی میں بیغۃ او سکر مخلوق کو چھوڑ کر موصول الی اللہ ہونے کی ہمت کرنا ہے تیری ہمت
ہر سکی متاع اعلیٰ ہے کہ طوبیٰ کی طلب کرے اور ہماری ہمت اسی بات کی دلدادہ ہے

قرار دیا جائے جیسا کہ عام ہونماؤ کرام کا مذہب ہے۔ ہر گل نو کہ مشد چین آرا ہے اثر رنگ و بو سے صحبت اوست
 ہر نیا پھول کہ جو چین کی رونق بنتا ہے اوس کی صحبت کی رنگ بو کا اثر ہے
 اگر اوست کی ضمیر مرشد کی طرف پھیری جائے اور گل نو سے طالب مرید مراد لیا جائے تو بہ معنی چین
 کہ جس طالب و مرید نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ مرشد کی صحبت کا اثر سے حاصل کیا ہے اور
 اگر خدا تعالیٰ کی طرف راجع کی جائے تو یہ کہ جو کوئی پیدا ہوتا ہے اوس میں اوس کا منظر ہے اور
 اوس کی قدرت کا کمال نظر آتا ہے اس صورت میں گل نو سے ہر پیدا ہونوالا شخص اور چین سے عالم
 تعین و کثرت مراد لیا جائیگا۔

سینہ گنجینہ محبت اوست فقر ظاہر مبین کہ حافظ را
 سینہ اوست کی محبت کا خزانہ ہے حافظ کے ظاہری فقر کو نہ دیکھ
 یعنی اگر مخاطب حافظ کے ظاہری فقر پر توجہ نہ کرے اور اوس کو فقیر و مسکین نہ جانے اس لئے کہ وہ اپنی
 سینہ میں خدا کی محبت کا خزانہ رکھتا ہے پس جو شخص ایسے بڑے خزانہ کا خرابچی ہو اوس کو
 فقیر کیوں کہا جائے۔

آن سیر چرہ کہ شیرینی عالم با اوست چشم میگون لب خندان دل خرم با اوست
 وہ سبز رنگ کہ شیرینی دنیا کی او کو پس موجود ہے خمار آلودہ اکلمہ تبسم لب قلبی خوشی او کو ساتھ ہے
 سیر چرہ سبز رنگ کو کہتے ہیں جس کے معنی تلخ کے لئے چاہئیں۔ اور اس کا اشارہ اس حدیث کے مضمون
 کی طرف ہے وہو انما یلحم و انھی یوسف حبیبہ غزل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ہے
 شیرینی سے مقصود نیکی اور خوبی ہے چشم میگون سے صفات قہر یہ لب خندان اور دل خرم سے
 صفات لطفت و رحمت مراد ہیں۔ چونکہ یہ مطلع اور اس کے نیچے کا زریب مطلع دونوں قطعہ بند
 شعر ہیں لہذا ہم کو زریب مطلع کا ترجمہ لکھ کر اوس کے ذیل میں دونوں کا مطلب بیان کرنا
 چاہئے۔

آن سلیمان زانست کہ خاتم با اوست گر چه شیرین و بہان پاؤ شہانزد ولی
 وہ سلیمان وقت ہے کہ مہر اوست کی ہے اگرچہ شیرین و بہان بادشاہ میں لیکن

من و دل گرفتہ شویم چه پاک غرض اندر میان سلامت است
 من اور دل اگر فنا ہو جائیں تو کیا ہرج ہر ہمیں تو غرض اوسکی سلامتی سوسہتی ہو
 یعنی من اور میرا دل اوسکی عشق میں فنا ہو جائیں تو کچھ غم نہیں کیونکہ عاشقوں کا یہی کام ہے
 لیکن غرض تو اس سے ہے کہ تو سلامت رہو اور کوئی عارضہ یا آفت تجھ پر آنے کی حقیقتی لحاظ سے
 دوسری مصرع کا مطلب صاف نہیں ہوتا مگر ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اول تو دیوان ہذا کے
 شعرون میں دونوں مطلب پائے جاتے ہیں علاوہ برین صوفیائے کرام کو ظاہری معنی سے بھٹ
 نہیں ہوتی وہ ہر ایک بات میں وہ ہی نتیجہ نکالتے ہیں جو ان کو دل میں ہوتا ہے۔ اور کہیں رہ لوگ
 صنعت پر ہی صانع کا اطلاق کر لیتے ہیں اگر بیان ہی ایسا ہی خیال کر لیں تو دوسری مصرع
 کے معنی صحیح ہو جائینگے۔ اور کوئی موقع اعتراض کا نہ ہوگا۔

بی خیال شمسبا و منظر چشم زانکہ این گوشہ خاص دولت است
 آنکہ کا منظر بغیر اوسکی خیال کے نہیں ہو سکتا اسواسطے کہ اس گوشہ خاص دولت ہو
 یعنی میرا تمام ارادہ اس بات کے متعلق ہے کہ خیال شاید حقیقی کو پردہ چشم سے جدا نہ ہو اور وہ ہمیشہ
 اوس میں پوشیدہ رہے اسواسطے کہ یہ گوشہ خاص اوسی دولت کا ہو جس کی غیر کے نظارہ کی گنجائش
 چشم عاشق میں نہ ہوتی چاہئے۔

گر من آلودہ دامنم چہ عجب ہمہ عالم گواہ عصمت است
 اگر من آلودہ دامن ہوں تو کیا عجب تمام عالم گواہ عصمت کا گواہ ہے
 شعر ہذا میں دوست کی ضمیر مرشد کی طرف راجح ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر من آلودہ دامن ہو گناہگار
 ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے مرشد کامل تو معصوم ہے اور اوسکی عصمت پر جس سے گناہی مراد ہو
 تمام عالم گواہ ہو پس میری آلودہ دامن سے اوسکو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا علاوہ اس کے
 دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ عاشق تمام برائیاں اپنے ذمہ اور تمام بہلائیاں معشوق کی طرف
 منسوب کیا کرتا ہے یعنی جو نیکی ہو وہ اوس کی پونجی اور جو بدی ہو وہ مجھ کی لہذا حافظ صاحب
 فرماتے ہیں کہ جب اصل مقصود کی عصمت ثابت ہو چکی تو میری آلودہ دامن کی کچھ ہرج نہیں کر سکتی
 یہ بات اونیوقت اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے جب عاشق و معشوق دونوں کو ایک ہی اصل

لاہوت یعنی ملائکہ اعلیٰ اور جن و انس سے باشندگان عالم ناسوت یعنی ملائکہ ادنیٰ مقصود ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کمال مجبوی کا خوب و غنی اور پاک دامن ہی سے متعلق ہے چونکہ یہ دونوں صفتیں ذات آنحضرت میں موجود ہیں پس اس کو بس ہو کر دونوں جہان کو کائنات کر دلی پے مائل ہو کر اور سب کی ہمت آپ کی ذات پاک سے وابستہ ہے۔ واضح ہو کہ اگرچہ خوب و غنی اور پاک دامن تمام انبیاء علیہم السلام کی صفت ہو سکتی ہے لیکن بموجب اس ارشاد کو جو آپ نے فرمایا تھا کہ انا من نور اللہ والخلق کلہم من نوری یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام خلق میری نور سے پیدا ہوئی ہے یہ صفت خاص کر آپ ہی سے مخصوص ہے۔

خال مشکین کہ بران عارض گندم گون . سران دانہ کہ شدر ہرن آدم با اوست
سیاہ تل جو کہ اوس گندمی عارض ہے . اوس دانہ کلہم جو آدم کار ہرن ہوا اوس کے ساتھ ہے
خال مشکین سے نقطہ ذات مراد ہے۔ خال مشکین دانہ تل اور دانہ گندم کی جیسے حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکلوا یا تنہا عاتین ظاہر ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ظہور ذات اکی مع تمام صفات عارض گلزنگ آنحضرت صلی علیہ وسلم سے ظاہر ہویدا ہے۔ کیونکہ یہ اوس دانہ کا جس سے ہم نے نقطہ ذات مراد لیا ہے اور جو کہ آدم علیہ السلام کار ہرن تھا یعنی اوس سے او کو خطا وار بنا کے جنت سے نکلوا یا اوس خال مشکین کے ساتھ ہے یعنی اسی سبب سے وہ نقطہ ذات مراد دکل عالمیان ہوا اور تمام کائنات کو اپنی طرف مائل کیا بہا شک کہ تمام انبیاء و نون نے کہا تھا کہ یا خدا تو نے ہکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کر دیا ہوتا۔

دلبر مہر مہر کر د خدا یار ان . چہ کچم بادل مجروح کہ مرہم با اوست
میرے دلبر تو سفر کیا اریار و خدا کے لئے . زخمی دل کو کیا کر و نہیں کہ مرہم اوس کے ساتھ ہے
یعنی اریار ان طریقہ میرے دلبر نے جو آنحضرت صلی علیہ وسلم میں اس جہان فانی سے عالم ہستی کی طرف رحلت فرمائی اور میں اون سے دور ہو گیا اب میرا دل اشتیاق سے روز و شب طہان رہتا ہے براغم خدا تھا کہ اس زخمی دل کا مرہم کہاں سے لاؤں اور کیا علاج کروں کیونکہ مرہم تو حضور کے پاس تھا جو بہان سے دار فانی میں کو ج فرما گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خواجہ حافظ شیرازی صاحب نے کسی سے بیعت نہیں کی تھی چنانچہ لفظات میں لکھا ہے کہ اسی سبب

شیرین و مہن سے اور پیغمبران علیہم السلام مراد ہیں خاتم کا لفظ سلیمان وقت کی رعایت سے
ایا ہوا اور پہلو مصرعہ کے لفظ بادشاہ کو بھی اسے خاص ربط ہے۔ ہر سے مراد مہربوت ہوگی۔ یہ عرض
کر دیا گیا ہے کہ یہ اشعار حضور سرور کائنات کی صفت میں ہیں گوا اور انبیاء علیہم السلام ہی پیغمبر
وقت ہوتے تھے مگر چونکہ آپ سردار انبیاء ہیں اس واسطے آپ کو حضرت سلیمان سے جو شاہ منشاہ
جن و انس ہی تھی اور پیغمبر بھی تھی تشبیہ دینی ہے علاوہ برین آپ کی پشت مبارک پر نبوت کا
نشان ثبت تھا جسکو مہربوت کہتے ہیں چونکہ کوئی ایسی صریح علامت پیغمبری کی اور پیغمبر و نبی
پاس نہ تھی اس واسطے اسکا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے اور ازین حضرت سلیمان علیہ السلام کو
نام کے ساتھ انگشتری کے خاص رعایت ہی ملحوظ تھی۔ واضح ہو کہ آنحضرت صلعم کی ذات میں
بخلاف پیغمبران ماقبل مثل موسیٰ علیہ السلام۔ عیسیٰ علیہ السلام کے تمام خوبیاں اللہ پاک نے جمع فرمادی
تھیں۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام منظر صفات قہریہ تھی اس واسطے اسکی شریعت بمقابلہ اور دن کی شریعت
کے زیادہ سخت تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام منظر صفات لطیفہ تھی لہذا اسکی شریعت تمام شریعتوں سے
زیادہ نرم تھی۔ چونکہ ہماری پیغمبر آخر الزمان مستجمع الصفات والذات تھے اسلئے آپکی شریعت
مبارک سخی و آسانی دونوں پر مشتمل ہے یعنی اعتدال کی صورت رکھتی ہے نہ تو ایسی سخت ہے
کہ آپکی امت موسیٰ کی امت کی طرح اسکی تحمل نہوسکے نہ اتنی نرم کہ عیسیٰ کی امت کی طرح لوگ
ہنے واسطے طبعاً احکام بنا کر شریعت کہیں ڈالیں۔ چنانچہ اسی اعتدال کے اختیار سے
خواجہ صاحب چشم منگون لب خندان دل خرم کے الفاظ لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ سبز رنگ
طبع کہ عالم کی خوبی اور زیبائش اس سے متعلق ہے ایسا اچھا محبوب ہے کہ از سر تا پا صفات
حمیدہ اور اوصاف جمیلہ سے آراستہ و پیراستہ ہو رہا ہے اور تمام خوبیاں لطف و قہر و رحمت
و غضب کی اسکی ذات فرخندہ صفات میں مضمر ہیں۔

روم خوبست کمال ہنر و دامن پاک لاجرم بہت پاکان و عالم با دوست
صورت اچھی ہنر میں کمال دامن پاک بیشک دو عالم کے لوگوں کی بہت اونکر ساتھ ہر
روم خوب کا اشارہ بات امن نور اللہ کی طرف ہے ہنر سے مراد محبوبی۔ دامن پاک
کنایہ بجا زاغ البصر و ما طلعے کی جانب سمجھنا چاہئے پاکان دو عالم سے مراد کائنات عالم

واٹھم کہ بگذر دُر سحر جرم من کہ او
گر چہ پری شمس است لیکن فرشتہ خواست
من جانتا ہوں کہ وہ میری گناہ سوز باز رہیگا
اگر چہ پری دُش ہو لیکن فرشتہ خلعت بھی ہو
پری کا حسن شہور ہے لیکن چہرہ عاشق ہوا و سکو مصیبت کا سامنا ہوتا ہے اس اعتبار سے خواست پر
پریوش کا لفظ صفات قمریہ کو واسطے آیا ہے اور فرشتہ خود کا صفات غفار یہ کہلے۔ بگذر دُر معنوی در گذر
کرے یا تجسیدی کہ بن مطلب یہ کہ گو میرا محبوب یعنی خدا تعالیٰ قہاریت کی صفت قمری ہو موصوفی
لیکن اوس میں بڑی صفت غفاریت کی ہے اس لیے کہ ہر چہ اپنے خود فرما با ہو کہ سبقت رحمتی علی
غضبے میری رحمت میری غضب بڑی ہوئی ہو کہ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ تمام ہوا ہم میری
جانتا ہوں کہ غفار بھی ہو اور ضرور میں بخشناؤ کہ صفت فرماؤ گا۔

بی گفتگوی زلفت تو دل را میسر د
بار بوی دلکش تو کراوی گفتگو ست
تیری زلفت بڑے دلکو لئے جاتی ہے
تیری چہرہ دلکش کیساتھ کسکو گفتگو کی مجال ہو
یعنی تیری زلفت جس سے جذبہ عشق حقیقی مراد ہے بغیر کہہ سنے، لکھو چھو لیتی ہو تو پھر کسکی مجال ہو
کہ جو تیرے روبرو دلکش کیساتھ جس سے عشق حقیقی مراد ہے، تجلیات مقصود میں مقابلہ کر گیا۔

عمریت ز زلفت تو بوی شنبہ ایم
زان بوی در شام دل ماہ نور بو ست
بہت گزری کہ ہم تیرے زلفت کی بوڑھو ہوئے
وہ بواہی تک ہماری شام طمان میں موجود ہے
یعنی اگر محبوب حقیقی مدت گزری کہ تیری زلفت کی بوہیں سے وہ ہی جذبہ عشق مراد ہے، عمریت بھی ہو
لیکن ابھی تک ہماری شام طمان میں وہ بو ویسی ہی موجود ہے اور اوس کی کسی طرح کا تغیر و تبدل
یامی نہیں ہوئی۔ یہ گویا عاشق کی بچہ کاری کی طرف اشارہ ہے۔

ہمسایان وہان کہ بدیم از و نشان
مومیت آن بیان غدا نم کہ آن چہ بو ست
وہ وہاں بھی ہو کہ میں اذو سکا نشان نہ لکھا
وہ کہ بال ہو کہ میں نے اوس بال کو سجا نا
وہاں سے اشارہ نقطہ احدیت کی طرف۔ اور میان سے کنایہ تعین و کثرت کی جانب مطلب
یہ ہے کہ نہ تو میں نے کہیں ذات احدیت کا نشان دیکھا اور نہ تعین و کثرت ہی کو مستحکم پایا۔
مشتوق کا وہاں اور کہ جنک نفرت میں شعرا بالغہ سے کام لیتے ہیں حقیقی صورت میں
اس طرح کہ کہے کہ ہیں۔

لوگ اونپر طعنہ زنی کرتے تھے کہ اس سنگین دل
 بالکہ اس نکتہ تو ان گفت کہ اس سنگین دل
 اس نکتہ کو کس سے بیان کیا جائے گا اس سنگین دل
 سنگین دل سے جو کہ معشوق کی صفت ہر ذات بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باعتبار استغفار اور ہو سکتی ہے
 اور مطلب یہ کہ اس سنگین دل محبوب فراہمی ہے پروائی سے بھکو معروض ہلاکت میں ڈال دینے
 یا توجہ معشوق سے گھائل کیا یا ہجر میں مارا یا وجود یکہ وہ دم عیسیٰ رکھتا ہے۔ اور انکی طرح مرد و نکو
 جلا سکتا ہے چاہے تو یہ تھا کہ ہمارے دل خستہ پر مرہم رکھنا یا شربت وصال سے سیراب فرمانا کیونکہ وہ
 عیسیٰ نفس ہر پس یہ حال میں کس سے کہوں اور کون یقین کرے گا کہ جو مرد و نکو جلا تا ہے اور اسی نے
 مجھے مار ڈالا۔

حافظ از معتقدانست گرامی و ارشاد زانکہ بخشایش پس روح مکرم با اوست
 حافظ معتقدونہن سے ہے اسکو معزز رکھ اسواسطہ کہ ج مکرم کی بخشایش اسکو ساتھ ہے
 یعنی ای مخاطب حافظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معتقدون میں سے ہر پس اسکو خاص طور پر معزز سمجھ اور اچھا
 کر کہ اسکو کسی سے بیعت نہیں کی اسواسطہ کہ بخشایش ارواح مکرم جس سے اشارہ حج بقدر کے
 فیض کی طرف ہر اسکو ہمراہ ہے۔ کتاب حبیب السیر میں ایک بزرگ فرماتی ہیں کہ میں نے جب تک شہر
 جہاں گاہ نہ سنا تھا میں ہمیشہ لوکاں کو کہتا رہا کہ اس کے سننے پر معلوم ہو گیا کہ حافظ علیہ الرحمۃ جیک
 ولی کامل تھے۔

وارم امید عافیت از جناب دوست کروم خیانتی و امیدم بعفو اوست
 میں جناب باری تعالیٰ سے عافیت کی امید رکھتا ہوں میں خیانت کی اور اس سے عفو کی امید ہے
 خیانت معنی چوری یا گناہ۔ خیانت کا دوسرا سنہ صیانت ہے یہی ہر اسکو معنی ہی گناہ کے ہیں مطلب
 یہ کہ میں باوجود اسکو کہ گناہگار ہوں مگر بہرہی اسکی خیانت سے عفو کی امید رکھتا ہوں۔ اسنے
 مجھکو عبادت کروا سطر پیدا کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے ما خلقت الجن والانس
 الا ليعبدون نہیں پیدا کیا (اللہ نے) جن و انسان کو مگر واسطہ عبادت کر چو کہ جسک عبادت
 انہو کی اسلئے میں ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً اگر حکم پر اس خوشی کا امیدوار ہوں۔

اوس رات میں واقع ہو تو وہ خدا کے نزدیک قدر کے لائق ہے۔ بعض نے قدر کے معنی
 تنگی کے لئے ہیں کہ اوس رات کو فرشتوں کی کثرت سے زمین تنگ ہو جاتی ہے معنی اس قدر
 نازل ہونے میں گنہگاریت کہ شب قدر سال کی کون سے ہیبت کی کون تاویخ ہوتی ہو کسی کو معلوم نہیں
 بھر حال اس کا تذکرہ ہم اس سے پہلے لکھ آ کر ہیں۔ خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہو کہ وہ شب قدر
 جسکی تعریف اہل غلویت یعنی نہائی میں بیٹھ کر عبادت کر نبوائے لوگ کیا کرتے ہیں یہی شب سوا سوا
 کہ آج کی شب محبوب موصاف محبوب حاصل ہو۔ دوسرا مصرع بطور استعجاب ہو یعنی اگر خدا یہ کونسی
 ستارہ کو تاثیر تھی کہ بمثل ایک شب وصل محبوب حقیقی حاصل ہوا۔

تا بلیم سوی تو دست ما سزایان کم رسد ہر ولی و حلقہ و ذکر یارب یارب بست
 ہا سزاگوں کا ہاتھ تیری گیسو تک کم پہنچتا ہو ہر دیش حلقہ میں یارب یارب کا ذکر کر رہا ہو
 ہا سزایان سے ظاہر ہے لوگ مراد ہیں جو عشق سے بہرہ مند نہیں ہوتے۔ گیسو کی رعایت سے
 حلقہ کا لفظ لاکر ہیں مگر اس حلقہ سے فقیر وں کا وہ حلقہ مراد ہے کہ جس میں ذکر و شغل کیا جائے
 یارب یارب سے مقصود فریاد کرنا یا انصاف چاہنا ہو اور مطلب یہ کہ ہر ولی عاشق جو کہ حلقہ
 گیسو کی محبوب میں ہو یہی دعا کرتا ہو کہ یا خدا ظاہر پرستوں کو تیری گیسو تک جس کو عشق مراد ہو
 دسترس ہونے پائے۔

تشنہ چاہ زرخندان تو ام کہ ہر طرف صد ہزارش گردن جان پر طوق غنیمت
 تیر چاہ زرخندان کا پیاسہ نہیں کہ ہر طرف سے اوکڑوں غنیمت کے سوسہزار جانوں کی گردن میں
 غنیمت سب زرخندان کو کہتے ہیں اور ہزاروں کو بھی جو مرغ کی گردن پر لٹکتا رہتا ہو۔ معشوقوں کے
 شوڑی پر جو گوشت کا حصہ خوبصورتی کر سنا ہوتا معلوم ہوتا ہے اوکڑوں بھی غنیمت ہی بولتے ہیں
 یعنی ای محبوب میں تیر چاہ زرخندان کا پیاسہ ہوں اس واسطے کہ سوسہزار جانوں کی گردن میں اوس
 تیر زرخندان کے طوق غنیمت کے نیچے موجود ہیں۔ تشنہ کا دوسرا تشنہ غرقہ بھی ہے چاہ کی
 رعایت سے تشنہ اور غرقہ دونوں کا مطلب ٹھیک ہوتا ہو
 تاب خوی بر عارضش من کا قباب گرم رو در ہوا آن عرق تابست ہر روز شربت
 اوکڑوں کا عارض کہ پینے کی تاب مثل آفتاب تیر کی دیکھ جبکہ اس عرق کی ہوا میں ہر روز چمک ہو

دارم عجب نقش خیالش کی چون زلفت از دیده ام که در بدش کارشست و دست
 تعجب که او سلی خیال کا نقش کیوں نہ گیا میری آنکھوں سے کہ از نکا کام ہر وقت ہوا کہ
 یعنی ای محبوب میں تیرے نقش خیال سے تعجب میں ہوں کہ باوجود اسکے کہ میری آنکھیں ہر وقت
 رہو نابگونہ کرتی رہتی ہیں یعنی رہتی ہیں اس پر ہی تیرا نقش خیالی میری دلوں نہ دہلا اور اتنی
 سببانی اشک جو میری دیدہ گریبان سے جاری رہتی ہے اس نقش کو نسبت کوصاف نہ کر سکی۔
 چندان گریستیم کہ ہر آنکس کہ برگزشت در دیدہ ام چو دید روان گفت این چہ خوبست
 میں اس قدر رویا کہ جو شخص میری پاس ہو کر گذرا میری آنکھوں میں جب آنسوؤں کی ہر آنکھ بیکساں ہوا کہ
 مطلب یہ کہ ای محبوب میں تیرا اس اشتغاف سے جو تو مجھ پر روا رکھتا ہے اس قدر رویا کہ جو شخص میرے
 پاس ہو کر گذرا اس نے کہا کہ یہ تیری کیا عادت ہے یعنی تو نے رو کر اپنا بہر حال کیا ہے۔ خود کا نسخہ
 جو بھی ہو جسکے یہ معنی ہو گا کہ میری پاس آنے والے شخص نے کہا کہ یہ تیری کیسی ہے۔
 ماسر جو کوی پر میر کوی تو با حسیتم واقعہ نشد کسی کہ چہ کو بیست این چہ خوبست
 ہنسوا نہ گنبد کے تیری کو چہ میں نثار کیا کوئی شخص واقعہ ہوا کہ کسی گنبد ہوا کہ کون کو چہ
 یعنی ای محبوب میں نے تیرے خدمت و اطاعت بہا تک کی کہ سر کو تیری راہ میں فدا کر دیا اس پر ہی
 کوئی شخص آگاہ ہوا کہ یہ کون سا ہوا اور اسکی گنبد کون سا ہوا یا یہ کہ میں نے سر کو گنبد کی طرح
 سہان عشق کے وقت کر دیا اور کوی اس سے آگاہ نہ ہو سکا۔

حافظ بدست حال پریشان توڑے . برپا و زلف یار پریشانیست نکوست
 حافظ حال کو ہاتھ سے پریشان توڑے لیکن زلف یار کی یاد میں تیری پریشانی اچھی ہے
 مطلب یہ کہ ای حافظ کو تو نے اپنا حال پریشانی و سرگردانی سے ابتر کیا ہے لیکن چونکہ پریشانی
 شاہ حقیقی کے عشق کی وجہ سے ہے اسلئے یہ بہت اچھی ہے کہ سبب طبعی کا ہے حافظ سے قلب شکم
 مراد ہوا کہ پریشانی کیلئے شرح میں دلچسپی کا نظارہ کہا گیا ہے۔
 ان شب کہ کوئی داخل خلوت امشبست یارب این تاثیر دولت از کد این کو کبست
 وہ شب نہ جسکو اہل خلوت شب کہتے ہیں برات ہے یا اللہ دولت کی یہ تاثیر کوئی سے سارہ سے ہے
 شب نہ کہ منہ شب غرت یعنی جو شخص کہ اس رات کو عبادت کرے خدا کو عزیز ہو جائے یا اگر کوئی عمل

اور کوئی شخص اپنی ذہب کو ترک نہیں کرتا۔

آنکہ ناوک بر دلم از زیر چشمی سیند

وہ کہ تیر میری دل از زیر چشمی سے مارتا ہے

ناوک زیر چشم سے تجلی ذاتی قہاری مراد ہر جو عاشقوں کی فنا کا سبب بنتی ہر ادا جتنہ در لب

تجلی جمال کہ جو انکی حیات بخش ہے مطلب یہ کہ وہ جو حافظ کے دہر زردیدہ نگاہی تیر بار تاق

یعنی تجلی قہاری سے کشہ کرتا ہر اور جس سے قہار ادا ہے اویکی زیر لب بسم من بقا موجود ہے

مکن ہر کہ تجلی جمال سے سرفراز کر مر تبہ بقا کو ہو بخا دے۔

سینہ ام ز آتش دل در غم جانانہ بسوخت

میرا سینہ دل کی آگ سے غم جانانہ میں جل گیا

یعنی میرا سینہ اس آگ سے جو میری دل میں تھی سوختہ ہو گیا آتش دل سے آتش عشق مراد ہر

یہ آگ عجیب آگ تھی کہ جسوا بڑی گہ کو جلا دیا۔

نم از واسطہ دور سے دلبر گلخت

جانم از آتش سحر رخ جانانہ بسوخت

نن میرا دوری دلبر کی وجہ سے گل گیا

طلب صاف ہے تشریح طلب نہیں صرف عاشق اپنی مجوری کا اظہار کرتا ہے۔

بہر کہ زنجیر سزلت پر روی تو دید

شد پریشان دلش برین دیوانہ بسوخت

جس کسی نے تیر سزلت پر روی پر زنجیر دیکھی

پریشان ہوا اور دل اور کا مجھ دیوانہ چلا

یعنی جس شخص نے تیری سزلت زنجیر کہ دیکھا خود پریشان ہو گیا اور مجھ دیوانہ پر دل سوختہ کیا

کہ یہ عجیب مصیبت میں گرفتار ہے۔

سوز دل میں کچھ آتش اشک دل شمع

دوش برین ز سر ہر چو پروانہ بسوخت

سوز دل کو دیکھ کہ تیری آتش اشک شمع کا دل

کل محبت سے مجھ پر شل پروانہ کی سوختہ ہوا

یعنی میری دل کا سوز اور اشکوں کی گہری کہ یہ کہ شمع کا دل ہی میری سوختگی سے اس طرح

جل گیا کہ جس طرح خود شمع پر پروانہ تار ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ میری دل کا نور اور انگوٹھی

گری مستدر بڑی ہوئی ہے۔

گرم رو یعنی تیز دہنی پسینہ کی تاب جو اس معشوق کو عارض پر واقع ہوئی ہو اور سکودیکہ افتاب
تیز کی مانند ہے اور اس پسینہ کی محبت جب تک کہ دل میں موجود ہے ہر روز زیادہ ہی مناسب ہے
کہ یہ عادت اس کی رخسار پر واقع نہ ہو۔

اندر ان کے برشت صبا بند زین باسیلمان چون ایم من کہ موم مرکب
اس حلقہ میں کہ صبا کی پشت پر زین رکھو میں
مرکب کا اشارہ مرہ عاشقان کی طرف ہے اور سیلمان کا یہ سبب شہنی کی جانب ہو کر مراد ہو
مطلب یہ کہ اگرچہ میں اون عاشقوں کو گردہ میں ہوں جو ہو گوان فرما کر لیتے ہیں یعنی خواہی
کرامت کے منظر ہوتے ہیں تاہم ہوا نسائی کا جو دہشت نہایت ہے اور سیلمان کیسا نہ کہ جو محبوب
حقیقی ہے ہمسری نہیں ہو سکی یعنی میں انا الحق کا دم نہیں بہر سکتا۔

شہسوار من کہ آئینہ دار روی اوست تاج خورشید بلند ش خاک نعل مرکب
میرا شہسوار کہ چاند اسکرخ کا آئینہ دار ہے خورشید بلند کا تاج اسکر مرکب کی خاک
یعنی خورشید بلند کا تاج میری شہسوار کے گہوڑے کے نعل کی خاک ہو اور چاند باوجود اس حسن
جمال کے اس کا آئینہ دار۔ آئینہ دار مورتاں کو کہتے ہیں اور یہ تمام جملہ معترضہ شہسوار کی
صفت سمجھنا چاہئے۔

آبجیات نش زنتقار بلاغت میچکد زارغ کلاک من با غم از و علی شربت
آبجیات اسکی منتقار بلاغت سے ٹپکتا ہے میرا زارغ مستلم ہی کیا عالی شربت ہے
اس شعر میں گویا حافظ صاحب اپنی قلم بلاغت رقم کا وقت کر رہے ہیں قسم خدا کی کہ میرا قلم ہی کتنا
عالی شربت ہے جس پر آبجیات ٹپکتا ہے۔ آبجیات کو عشق مراد ہے اعتبار اسکی کہ حقیقی عاشق نہ انہیں
اور چونکہ حالات عشق و حقیقت بذریعہ قلم تحریر ہو رہے ہیں اسلئے قلم کو آبجیات کا ٹپکنا بیان کیا۔
من خواہم کرد ترک لعل بار و جام می زابان معذور دارم کہ ایم مذہب
میں لب لعل بار و جام می کو ترک نہ کروں گا اگر اہل مذہب معذور ہو کہ یہ میرا مذہب ہے
مطلب یہ کہ اگر اہل مذہب اپنی وعظ و نصیحت سے معاف رکھو میں ہرگز اس محبوب حقیقی کی
آرزو و لطف یا اسکو بوسہ کی تمنا یا اسکو عشق و محبت کو نہ چھوڑوں گا اس واسطے کہ میرا مذہب ہے

خرقہ زہد مرا آب خرابات بسر خانہ عقل مرا آتش خمانہ بسوخت

میر کی ریکہ لباس نے خرابات کی آبر و کوئی میر کی خانہ عقل نے آتش خمانہ کو جلایا
خرابات سے مراد حالت عشق ہے اور آتش خمانہ سے کنایہ شراب کی طرف ہے جس سے
شراب عشق حقیقی مقصود ہے مطلب یہ کہ میر سے زہد و تقویٰ نے عشق و محبت کی آبر و
کنودی اور خانہ عقل نے جس سے دماغ مراد ہے عشق کو جلایا یعنی جب عشق ہوا ہے
تو عقل نہیں رہتی اور اگر عقل سے کام لیا جائے تو عشق ضرور ہو جاتا ہے لہذا خواجہ صاحب
زہد و پارسائی سے عشق کی آبر و زری اور عقل سے اس کا خانہ دماغ سے نکل جانا یا سوخت
ہو جانا ظاہر فرما رہے ہیں۔

ترک افسانہ بگو حافظ و می نوش دی کہ تخفیم شب و شمع بافسانہ بسوخت

اور حافظ قصہ کو تمام کر لی کہ اور توڑنی بڑی لب بلی کہ ہم رات کو سو رہے ہیں اور شمع افسانہ سو جلی
افسانہ مراد اہل ظاہر کی گفتگو سے ہے۔ اور شراب نوشی سے وہ ہی عشق و محبت
عبارت ہے۔ شمع سے مقصود شمع زندگی۔ اور مطلب یہ کہ اسے حافظ اہل ظاہر کی
گفتگو ترک کر دے فائدہ ہے اور کچھ دیر عشق و محبت کی باتیں ہونے چاہئیں تاکہ رات کو
جس سے عمر مراد ہے کچھ دیر آرام کر لیں یعنی عشق حقیقی کرین اس بیفائدہ گفتگو سے
جس کا اشارہ دنیا و مافیہا کے جھگڑے کی طرف ہے کچھ حاصل نہیں ان جھگڑوں میں
ساری عمر بسر ہو جاتی ہے اب اس کا وہ بیان کرنا چاہیے۔

زاہد ظاہر پرست از حال آگاہ نیست در حق ماہر حیر گوید جامی میج اگر اہ نیست

ظاہر پرست زاہد ظاہر کی حالت سے واقف نہیں ہے جو کچھ ہمارے دلی میں ہے اور اس کی ضرورت نہیں
یعنی یہ زاہد ظاہر پرست کہ جو ہمارے حال سے واقف نہیں ہے اور غافلوں کے
رہنے کو نہیں سمجھا جو کچھ ہی ہمارے نسبت کے اس سے بڑا نہانتا جائے اس واسطے
کہ جب وہ ہم سے آگاہ ہی نہیں تو واقف کے کہنے کا برا ماننا کیا ہے گویا وہ
بوجہ عدم واقفیت کے ہمیں برا کہنے میں معذور ہے۔

چون پیالہ دلم از توبہ کہ کردم شکست چون صراحی حکرم بی می و پیمانہ خست
 توبہ کرنے سے میرا دل مثل پیالہ کے ٹوٹ گیا اور صراحی کی طرح جگر میرا شراب پیمانہ کے خشک گیا
 مطلب یہ کہ جب میں نے شراب عشق سے توبہ کی تو میرا دل مثل پیالہ کے ریزہ ریزہ ہو گیا اور
 جس طرح کہ مزاحی بغیر شراب کے خشک ہو جاتی یا سو کہہ جاتی ہے اس طرح میرا جگر بغیر شراب
 کے سو کہہ گیا۔ یعنی مجھے اگر آرام ہے تو پیالہ نوشی میں ہے۔ بلا کو نوشی کے میری تراوت
 جگر جو سائش کا فدیہ ہے کمان می نوشی سے وہی عشق و محبت مراد ہو۔
 ماجر اکم کن و باز آ کہ مرا مردم چشم خرقہ از سر پیراورد و بشکرانہ بست
 جگہ اکم کر اور باز آ کہ میرے مردم چشم نے خرقہ سر سجاد بار ڈالا اور شکرانہ میں سوختہ ہوئی
 اس موقع پر ماجر اسے مراد و اعط کا وعظ و نصیحت ہے مطلب یہ کہ اس کو اعط تو مجھے نصیحت
 کی گفتگو کر اور اس سے باز آئے مجھے عشق و محبت سے مانع نہ ہو اس واسطے کہ میری مردم چشم نے
 شرم کا برقعہ اتار چھینا ہے اور عشق کے شکرانہ میں جل کر خاک ہو گئی ہے۔ خرقہ از سر
 بدر آوردن فارسی محاورہ ہے جسکے معنی بے شرم ہو جانے کے لئے جاتے ہیں اور نیز ممکن ہے کہ
 مکہ اس شعر کا مخاطب معشوق ہو اور یہ مطلب ہو کہ اسے معشوق بائین نہ بنا اور مجھ پر رحم فرما کر
 میرے حال زار کی طرف توجہ ہو اس واسطے کہ میں میرے عشق میں بے شرم ہو گیا ہوں۔
 آشنائی نہ غریب ست کہ دلسوز نیست چون بن از خویش بر فتم دل بیگانہ بست
 جو میرا دل سوز جوہ آشنائیں بلکہ غریب ہے جب میں آپ کو میں نہ تو بیگانہ کا دل جیلا
 وہ شمع کہ جس کا دل شفقت ہم خیالی کی وجہ سے مجھ پر جلا میرے آشنایا دوست نہیں ہے
 بلکہ میری طرح غریب ہے اور قاعدہ کلیہ ہے کہ غریب کا ہمدرد غریب ہی ہوتا ہے اس واسطے کہ
 وہ میری دل سوز نبی گو شمع بیگانہ تھی یعنی میرے دوست نہ تھی بلکہ غیر تھی تاہم جب
 آپ نے میں نہ تو سرگردان بیابان حیرانی ہوا تو غیر کا دل ہی میرے خیال سے ہر آیا
 یعنی شمع نے میری دل سوزی کی واضح ہو کہ اس دیوان کے بعض نسخوں میں
 یہ شعر سوز دل بین کہ ز بس آتش اشکم دل شمع + کے نیچے لکھا ہوا ہے۔ مگر مطبوعہ دیوان
 میں نہ جو عا ہے اور جس سے ہم شرح لکھ رہے ہیں پر ہے۔

چیت این سقف بلند و سادہ بیا نقش **زین معراج دانا و جهان گاہ نیست**
 بہت سے نقش کی سادہ سقف بلند کیا چیز ہے اس سلسلے کوئی عقلمند اس جہان میں گاہ نہیں
 سقف بلند سے آسمان مراد ہے۔ سادہ اس کی صفت۔ بسیار نقش کا لفظ باعتبار سیارہاں اور
 ستاروں کے لئے نہیں۔ یا بسیار نقش سے عبادتِ حوائثاتِ سماوی ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ
 جرجہ بیدار کیا شے ہے جس کی طرف تمام خیر و شر اور نیکیاں و بدیاں منسوب کی جاتی ہیں۔ اگر نظر غور دیکھا جائے
 تو یہ بھی اسی کے حکم کا ثبوت ہے کہ رات ان گردش کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے اختیار میں ہوتا تو کیوں سرگردان
 پرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایسا معجزہ اس کی قدرت کا ہے جس کو کوئی دنیا کا عقلمند عقل کے زور سے حل
 نہیں کر سکتا۔

صاحب دیوان گویا بندہ حساب **کاندین طغر انشان نسبتہ للہ نیست**
 ہمارا صاحب دیوان گویا حساب نہیں جانتا کہ اس طغر میں نسبتہ للہ کا نشان نہیں ہے
 صاحب دیوان سے مراد محبوب اور طغرا کا کنا یہ عشقِ محبت کی طرف ہے۔ طغرا اس پیچیدہ خط کہتے ہیں
 کہ ہمشاہی فرمان پر بنا ہوتا ہے۔ دیوان لوگ جو اس فرمان کو جاری کرتے ہیں تو غریب رعایا کے واسطے
 نسبتہ للہ کا لفظ لکھ دیتے ہیں۔ یہ نشان عفو اور معافی کا سمجھا جاتا ہے۔ لہذا مطلب شعر کا یہ ہے
 کہ ہمارا صاحب دیوان یعنی محبوب ہم غریبوں اور چاہے عاشقوں پر مہربانی اور التعمات نہیں کرتا۔ یعنی
 اس کے فرمان پر نسبتہ للہ کا نشان نہیں ہے جس سے عفو پایا جائے پس اس اعتبار سے وہ گویا حساب
 سے ناواقف ہے۔

ہر کہ خواہد گویا و ہر کہ خواہد گوبرو **گیر و دار حاجب دربان بن درگاہ نیست**
 جو آتا ہے کہہ دے کہ آ اور جو کہ جانا چاہے کہہ کر جا
 ہر کہ خواہد گویا و ہر کہ خواہد گوبرو
 بکڑ بکڑ پر وہ دلہا و دربان اس گاہ میں نہیں ہے
 درگاہ سے مراد درگاہِ معشوقی معنی ہے اور اس کا مخاطب ہر شخص کامل کو سمجھنا چاہئے مطلب یہ کہ
 اسے مرشد جو بہان آتا چاہئے یعنی عشق کرنا پسند کرے اس سے کہے کہ مشق کی عشق کر
 اور جو بہان سے چھٹا جائے تو اس کو بھی خوشی سے چلا جائے دے کیونکہ اس بارگاہ میں کسی
 آنے جانے کی واسطے کوئی روک ٹوک یا پرہیز نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو کوئی حصولِ معرفت کرنا
 چاہے اس کے واسطے ممانعت نہیں۔ اور جو کرنا چاہے اس کو مجبوراً نہیں کیا جائے گا۔

در طریقت ہر پیش سالک پذیراوست و در صراط المستقیم ای دل کسی گمراہ نیست

راہ طریقت میں جو کچھ سالک کو پیش آنے لگے وہ اچھا ہے اور دل کوئی سید پرست میں پڑ کر گمراہ نہیں ہوتا۔
طریقت ہر چار منزلوں میں ایک منزل ہے یعنی شریعت و طریقت اور حقیقت اور معرفت۔ سید پادشہ میں انہیں میں سے طریقت ہی ہے۔ لہذا خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسے دل را و طریقت میں سالک کو جو پیش آئے وہ اس کے واسطے اچھا ہی ہے کیونکہ سید ہے راستہ ہاں ہے تو اس کے بھگنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ یہ گویا منزل طریقت کی تعریف ہے کہ اس میں تپنے والا گمراہ نہیں ہوتا۔

تا چہ بازی رخ نماید بیتی خواہیم زند و شطرنج رندان امبال شاہ نیست

دیکھیں کہ بازی کیا بن جیتی ہو پیدل پیدل گے بسا و شطرنج رندان امبال شاہ کی نہیں ہے۔
اس شعر میں پیدل اور شطرنج شاہ اور بازی شطرنج کے الفاظ ایک ہی رعایت سے آئے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی بیداری و وجود کو میدان عشق میں دوڑائیں گے۔ یعنی عشق باری کریں گے اور پھر دیکھیں گے کہ کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس میں ہمارے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی کیونکہ کسی کی مجال نہیں ہے جو عاشقان صادق کو شہ سے باز و نکارا بستہ روکے۔

این چہ استغناست یا ربین چہ اور کست کاین ہر خم نہا نیست و مجال آہ نیست

یا رب کیا بے پروائی ہے اور کیا حکم حکم ہو کہ ان پوشیدہ زخموں پر آہ کی ہی مجال نہیں ہے۔
قاصدہ کلیہ ہے کہ تکلیف پر کراہا کرتے ہیں لہذا خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ یا رب یہ کیا قدرت ہے کہ باوجود اس اندرونی تکلیف اور زخموں کی بھی ہم کراہنے کی مجال نہیں رکھتے۔

و عزت کی طرح نہیں کہ اگر تار شیفٹ ہی گویا ایک قسم کی دولت ہے جسکو دولت عزت کہہ سکتے ہیں۔
 آن پیک نامور کہ رسید از دیار دوست

وہ نامور قاصد جو کہ دوست کے شہر سے آیا
 خوش میدہد نشان جمال و جلال

یار کے جمال و جلال کا اچھا پتہ دیتا ہے
 جان داوشن بھر دہ نجلت ہی برم

اس خوشخبری میں جان دیکر ہی نادم ہوں
 یہ تینوں شعر قطعہ بند ہیں۔ اسلئے ہم ان سب کی شرح ایک ہی جگہ کئے دیتے ہیں۔ مطلب میں پیک نامور

حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ دوست کا اشارہ حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ خط مشکبار سے کلام مجید مقصود ہے
 دوسری شعر میں یار سے کنایہ خدا کی طرف جمال سے صفات رحیمہ جیسے آیات کریمہ ان اللہ عفویم رحیم

و ان اللہ لذو فضل علی الناس اور جلال سے صفات قہر جیسے آیات ان اللہ شدید العقاب
 و یوم یوحدا بالنواصی و الاقدام عز و وقار کا اشارہ ان آیات کی طرف ہے ان اللہ لقوی عزیز

و لا الہ الا وہ اکثر ایاء فی السموات و الارضیں۔ مطلب یہ کہ جبریل علیہ السلام جنہوں نے درگاہ حضرت
 سمیت سے نزول فرمایا وہ اپنی ساری مکر و نفس شیطان سے پناہ پاسنے کا تعویذ جان یعنی قرآن لائے

پس وہ قرآن جمال و جلال رب العزت کا بہت عمدہ پتہ دیتا ہے۔ اور اس کے عز و وقار کی دلچسپ حکایت
 سناتا ہے۔ تیسری شعر میں حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس خوشخبری سن کر اپنی جان تک حوالہ

کر دی۔ لیکن پہر ہی شرمسار ہوں کہ ایسی خوشخبری کا کوئی معاوضہ مجھے نہ ہو سکا کیونکہ میری جان بہت ہی
 قیمتی ہے اس لیے اس سے پاس تھا جو میں نے اس پر نثار کر دیا۔ واضح ہو کہ پیک نامور کا اشارہ جبریل

کی طرف ہے وہ بہت اوصاف پر اور رسید از دیار اس کی صفت د اور دوسرا مصرع اس صفت کی
 بھر کہنا چاہئے۔ پس اس صورت میں جمال و جلال کا نشان دید والا اور حکایت کرنا والا جو دوسرے

شعر میں آیا ہے وہ کلام مجید ہی۔ تیسرے میں حافظ صاحب اپنی بے بضاعتی کا حال بیان فرماتے ہیں
 کہ گو میں نے جان تک دیدی تاہم شرمسار ہوں کہ مجھے کچھ نہیں دیا گیا۔ جسے بھیجے

ایسی خوشخبری تھی کہ جس کے سننے کا معاوضہ جان عزیز تک دیدینے سے ہی نہ ہو سکا۔

ہرچہ بہت از قامت نامساوی اندام است **ورد تشریف تو بر مالای کس کو تازہ نیست**
 جو کہ ہر وہ ہمارے قد کی نازیباں اور غیر موزونیت کے در و نیز اظہار کسی شخص کے جسم پر تنگ نہیں ہے
 یعنی تیرا لطف عام اور فضل و کرم سب کے واسطے یکساں ہے۔ یہ ہمارا ہی قصور ہے کہ ہم عمل سے اپنی آپک اور سکا
 سزاوار بناؤں یا نہ بناؤں یہ نفع و نقصان محرومی استحقاق لغو و اسلام۔ خیر و شر جو کہ واقع ہوتا ہے بندہ کی
 ہی استعداد پر منحصر ہے اس میں خدا کے عام الطاف کا کچھ قصور نہیں۔ چنانچہ وہ خود کلام مجید میں فرماتا ہے۔
 وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ فَلَا تَلُمُوهُنَّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفُسَكُمْ يَعْنِي اللَّهُ نَمَائِرِ
 ظلم نہیں کیا بلکہ خود ان کے نفسوں نے اوپر ظلم کیا نہ اللہ تعالیٰ نے اوپر ملامت کی مگر وہ ا۔ پنے نفسوں
 ہی سے ملامتی بنے۔

برور میخانہ رفتن کار یک رنگان بود **خود فروشان را یکوی می فروشان راہ**
 میخانہ کے دروازہ پر جانا یک رنگوں کا کام ہے **می فروشوں کے کوچہ میں خود فروشوں کا کیا کام**
 مطلب یہ کہ میخانہ عشق کے دروازہ پر جانا اور اسکی طلب کرنا اونکا کام ہے جو خودی اور خود بینی ہو گذر کر
 سلفاق و ریاسے پاک صاف ہو گئی ہوں اور بہت ذہنت کے رنگ میں یک رنگ ہوں۔ خود پرست و
 خود میں لوگ کوچہ عشق میں نہیں جاسکتے اس واسطے کہ اظہار کرامت اور دعویٰ خودی کرنا فاشقان کامل کا
 کام نہیں ہے۔ اس کوچہ میں وہی قدم رکھ سکتا ہے کہ جو ان سب عیبوں سے پاک و صاف ہو۔
بندہ پیر خراباتم کہ لطفش در ایم است **ورد نہ لطف شیخ و زاہد گاہ بہت و گاہ نیست**
 میں پیر خرابات کا بندہ ہوں کہ اسکی ہر بات میں **ورد نہ شیخ و زاہد کا لطف تو کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا ہے**
 پیر خرابات سے مراد مرشد کامل ہے۔ مطلب یہ کہ میں مرشد کامل کا بندہ ہوں کہ جبکہ لطف ہمیشہ مسترشدوں کے
 شامل حال رہتا ہے۔ یہ شیخ و زاہد کا لطف نہیں ہے کہ کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ یعنی ان کے وعظ
 و نصیحت کبھی اثر کرتی ہے اور کبھی نہیں کرتی۔

حافظ ارباب صدر پر نشین ز عالی ہمتی نیست **عاشق دروی کش اندر حب مال جاہ نیست**
 اگر حافظ صدر پر نشین نہیں ہوتا یہ اسکی عالی ہمتی ہے **ورد کش عاشق کو مال و جاہ کی طمع نہیں ہوتی**
 یعنی اگر حافظ مشیخت کو صدر پر نہیں بیٹھتا اور دعویٰ کشف و کرامت نہیں کرتا تو یہ ناقص ہونے کی دلیل نہیں ہے
 صرف اسکی عالی ہمتی ہے اس واسطے کہ وہ عاشق درد کش ہے۔ اور درد پایا ہوا عاشق کبھی دولت

ما تم استماد عشق سر نیاز
تا عذاب خوش گراں اندک نار و دست
ہم را در آستانہ عشق اور سر نیاز
دیکھنا چاہئے کہ عذاب خوش گراں دست پہلو میں ہو
اس شعر میں لفظ "دیدہ باید" محذوف ہے۔ مگر دوسرے مصرع کے آتے سے اس کا پتہ چلتا ہے مطلب صرف
یہ ہے کہ ہم میں اور آستانہ عشق سے اور ہمارا سر نیاز حمزہ یکے کے عذاب خوش دست کے پہلو میں بغیب
ہوتی ہے یا ناہد کو۔ ہوا سے کہ زاہد کو اپنی عبادت پر گھنڈ سے اور ہمارا سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں کسی
والا سوز بہت ہے ۛ

دشمن بقصد حافظ اگر دم زند چاک
سنت خدائے را کہ خم شمسار دست
دشمن اگر حافظ کے قتل کا قصد کرے تو کیا خوف
خدا کا احسان کہ میں دوست سے ٹکرا رہا ہوں
اس میں لفظ کشتن محذوف مانا جائے گا۔ یعنی اگر دشمن میری ہلاکت کا ارادہ کرے تو میں دشمن دڑتا ہوں مگر
دوست ایسا قصد کرے تو بھی پرواہ نہیں کہ اس کی ہفاجیے عزیز ہے اس کے احسان سے شرمسار ہوں
زلفت ہزاروں کی تار مو بہ بست
راہ ہزار چارہ گراں چار سو بہ بست
تیری لبت ہزاروں کی ایک تار سے باندھ
ہزاروں عقلمند کی راہ چار طرے سے ملے
زلفت سے جذبہ عشق یا عالم دنیا مراد ہے۔ یکے تار سے جن بات الفت کا کوئی جذبہ یا صفات دنیا کی
کوئی لذت معصومہ ہے۔ چارہ گر کے معنی ہوشیار کے لئے کہ میں۔ مطلب یہ کہ اسے محبوب میں ہی تنہا تیرے
جذبہ عشق میں گرفتار نہیں ہوا ہوں بلکہ ہزاروں عافان کو تو نے اپنے ایک اشارہ سے والہ و شہدا
بنایا ہے۔ یا یہ کہ ایک میں ہی دنیا کے چندے میں نہیں پہنچا ہوا ہوں بلکہ بہت سے صاحبان دل
اور ہوشیار کی نعمتوں میں سے ایک نعمت کے لئے دنیا کے چندے میں پہنچے ہوئے ہیں جن میں کہ
ہزار رہیں اگر میں سے کٹنے کی موجود ہیں۔ مگر وہ نہیں ٹٹکتے۔ یعنی دنیا کو چھوڑ کر معرفت و حقیقت پر غور نہیں
کرتے اس لئے اور نہ گواہ وہ سب مابین تیرے ہیں ۛ

تا عاشقان جو نیش و ہر جان
نکشود نافہ و در ہزار زو بہ بست ۛ
تا کہ عاشق اس کی خوشبو پر جان دین
نافہ کو کہولا اور ہر آرزو کا دروازہ بند کیا
نافہ سے مراد تجلی جمال ہے جو اولیٰ دل سالک کے اوپر نازل ہوتی ہے۔ اور مطلب یہ کہ اسے محبوب
حقیقی نے اہل اول تو اپنے جمال کی تجلی سے عاشقوں کو سرفراز فرمایا عبدانان اس سے چھپایا۔ اس

دگر دوش اندر حسب اختیار دوست

سیر سپرد و رفترا چہ اختیار

اختیار دوست کے بوجہ گردش میں ہیں

آسمان کو گردش اور چاند کو چکر پر کیا اختیار

مطلب یہ کہ اسے سالک کمال اور مصیبت دریغ نہ جو اہلکاک کی گردش سے پیش آتی ہے مخوف ہونا
 نہیں چاہیے۔ اس واسطے کہ سیر سپرد اور چاند کی گردش اور کئے اپنے اختیار سے نہیں ہے بلکہ ان کی
 تمام حرکات اس قادر مطلق کے اختیار میں ہیں۔ کیونکہ تمام ستاری اسی کے محکوم اور تابع فرمان ہیں
 اس واسطے اگر کوئی جو آسمان کی شکایت کرے تو گو یا وہ اس کی بیثبات کرتا ہے جسکے اختیار میں خود
 آسمان ہی نہیں گویا علم نجوم کا رہا ہے +

بر حسب عاست ہمہ کار و بار دوست

شکر خدا کہ زہد و بخت کا ساز

دوست کے تمام کاموں کو حسب عا پانا ہوں

خدا کا احسان کہ بخت کا ساز کی مدد سے

الحمد للہ کہ یہ میرے بخت کا ساز کی امداد سے دوست کے تمام کام میرے مدعا کے موافق ہیں۔

ما و چراغ چشمہ انتظار دوست

گرایا فتنہ ہر دو جہان باہم زند

تو ہی ہم اور سہا چشم و دست کی این انتظار کر رہے ہیں

اگر فتنہ کی آند ہی دونوں جہان کو اولٹ دے

چراغ کے واسطے باؤ کا لفظ لائے ہیں اور زمانے میں کہ اگر جو اوقات و آفات دونوں جہان پر حاوی
 ہو جائیں تو بھی ہم ایسے بکے عاشق ہیں کہ اسکی پروا نہ کریں گے اور ہمارے چشم کا چراغ جو دوست کا انتظار

زان خاک نیکبخت کہ شد یگذازد دوست

کحل الجواہر میں آراے نسیم صبح

اوس خاک نیکبخت سے کہ جو دوست کی بھلائی ہو

اسے نسیم صبح کحل الجواہر مجھ تک لا

کحل الجواہر میرے کہتے ہیں دیگر زبان اوس سے حقایق الہی کی باتیں مراد ہیں۔ نسیم صبح مرشد کے لئے
 آریاسے اور خاک نیکبخت عاشق کے واسطے۔ مطلب یہ کہ اسے نسیم صبح دوست کی ملاقات سے پہلے
 وہ خاک نیکبخت جیسے ہو کہ اوس نے گداز کیا ہو تو اپنے ہمراہ اور کلاما کہ میں اپنی آنکھوں میں اوس کا سرنگھاروں
 یعنی اسے مرشد کمال معشوق کی لطافت میں رہتا ہوں کہ جو عاشقان صادق کے تھے اوسے فرمانی جہن
 مجھے کہتا کہ میں خوشی سے اوس کے عشق میں مل رہا ہوں۔ اوس خاک کو جیسے ہو کہ محبوب گذرے
 نیکبخت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے

مراجی سے سالک کا وجود اور خون خم سے شراب بخت مراد ہے۔ نغمہ مشہور لفظ قلقل اس آواز کو کہتے ہیں کہ جو شراب لٹکاتے وقت تیشہ کنگے سے ٹکلتی ہیں۔ مگر یہاں فصاحت و بلاغت کی طرف اشارہ ہے۔
یعنی میری محبوب میں نہیں آتا کہ اس محبوب حقیقی نے یا اس کے عشق سے وجود عاشق کیسا عجز کر دیا ہے کہ
باوجود ایسی فصاحت و بلاغت اور ہر طرح کی زبان دانی کے عارف جب مرتبہ عرفان پر پہنچتا ہے تو گونکا
ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کو اسرار حقائق بیان کرنیکی مجال نہیں ہوتی۔

وانا چو دید بازی این چرخ حقہ باز ہنگامہ باز چید و در گفتگو بہ سب
مردمانے جب اس چرخ حقہ باز کی طرف دیکھا ہنگامہ باز چید اور دروازہ گفتگو کا بند کیا
اور انا سے سالک مراد ہے اور وہ ہی چپ ہونیکا مضمون ہے جو شعر مذکورہ بالا میں بیان ہو چکا۔
یعنی جب سالک نے اس شعبہ بازی آسمان کو جس سے حالت دنیا کا تغیر تبدیل نظم و نسق مقصود ہے
ملاحظہ کیا تو اس نے کچھ کہنا سنا موقوف کر کے اپنے دہن پر خاموشی کی مہر لگائی۔ حقہ باز یعنی
شکوئے چہوڑنے والا۔

مطرب چہ نغمہ ساخت کہ در زمرہ سماع براہل وجد و حال ذریعہ ہو بہ سب
مطرب نے کیا نغمہ کیا کہ حلقہ سماع میں اہل وجد و حال پر مائے ہو کا دروازہ بند کر دیا
مطرب کا اشارہ مرشد کامل کی طرف ہے نغمہ ساخت سے مقصود تلقین کیا یا بیان فرمایا اہل وجد و عاشقان
صادق اور نادر ہوسے مراد اظہار اسرار عشق میں۔ مطلب یہ کہ امر شد کامل تو نے کان میں کیا پہونکدیا
کہ عاشقوں کے حلقہ میں اونپر دروازہ مائے ہو کا بند ہو گیا۔ یعنی اسرار معرفت سے کوئی بہرہ بھی
وہ نہیں بتلا سکتے۔ اور وہ چپ ہوئے ہیں کہ گویا نہیں زبان مونہ میں۔

حافظ ہر آنکہ عشق نور زید و وصل صحت احرام طواف کعبہ دل بی وضو بہ سب
ای حافظ جس کسی نے عشق تو نہ کیا اور وصل چاہا طواف کعبہ دل کے لئے بے وضو احرام باندھا
اسے حافظ جس شخص نے عشق نہ کیا اور وصل کی امید رکھی یعنی معرفت کو بلا عشق کے حاصل کرنا چاہا تو
گویا اس نے اسکی طرح محض فضول اور بے ڈھنگا کام کیا کہ جو شخص کعبہ کے طواف کے لئے
بے وضو احرام باندھے۔

مطلب یہ کہ بلا عشق کے معرفت نہیں مل سکتی۔

استغنائے گو یا دروازہ آرزو کا بند کر لیا ہے۔ شاید یہ ظاہر کر کے پوشیدہ کرنا اس واسطے ہے کہ عاشق کو بھی طلب ہو جاوے اور وہ ذوق شوق مشاہدہ سے اپنی جان شیریں کو تجھیر فدا کر دے۔

شیدا از آن شدم کہ نگاری چو ماہ نو ابرو نمود جلوه گری کرد ز رو بہ بست

میں اس لئے شیدا ہوا کہ ماہ نو کی نگاہ نے ابرو دکھلایا جلوه گری کی سونہ چھپا یا

یعنی میری شیفگی کا سارا سبب یہ ہے کہ اوس محبوب حقیقی نے مانند ہلال کی اپنی تجلی کو ظاہر کر کے اظہار کیا اور ہر اپنا مونہ چھپا لیا اس دکھانے اور چھپانے میں سوائے اس کے کوئی مطلب نہ تھا کہ محکوم مجھے

از خود رفتہ بنا کر عشق میں سرگشتہ و خیران بنا دیا ہے۔

ساتی بخند رنگ می اندر پیالہ رخت این نقشہ بانگر کہ چہ خوش کرد و بہ بست

ساتی نے کئی طرح سے شراب پیالہ میں بوٹی ان نقوش کو دیکھ کہ کیسے چھو کہ دین بانہ میں

مَعْقُودٌ بِهَؤُلَاءِ أَبَا طَلْحُودٍ اَللّٰہِ کے اعتبار سے ساتی کا کتنا یہ محبوب حقیقی کی طرف ہے۔ می خود تجلی

مراد ہے جو سالک کی بخود ہی کا سبب ہوا کرتی ہے۔ پیالہ کا اشارہ دل کی جانب۔ این سے تجلیات جمال

اور کہ وہ سے سالک کا وجود مقصود ہے۔ مطلب یہ کہ شاہ حقیقی نے انوار متلونہ کے ساتھ دل عاشق پر نمود

فرمایا۔ ان نقوش کو کہ جو تجلیات گوناگون کے سبب سے کہ وہ نقش وجود یا دل سالک پر نمود ہوئی ہیں

دیکھ کہ کیسے چھپے معلوم ہوتے ہیں۔ اس طور پر گویا حافظ صاحب اوس حالت خاص کا اظہار فرما رہی ہیں

جو سالک کو باطنی کیفیت میں پیش آتی ہے۔ اگر پہلے مصرع کو یوں پڑھیں کہ یہ ساتی بخندہ رنگ می اندر پیالہ رخت

اور اسوقت ساتی سے وہی شاہ حقیقی مراد لیں۔ خندہ سے تجلی رنگ می سے پر نمود وجود جو تمام اعیان ممکنہ پر

محیط ہے مقصود سمجھا جاوے اور پیالہ سے اعیان ثابت تصور کریں تو یہ مطلب ہوگا کہ ساتی نے اپنے

پر نمود وجود سے ممکنات میں گوناگون پیرایوں میں اپنا جلوه دکھایا ہے۔ اور تمام یہ نقش جس سے

طرح کی شکل میں مراد ہیں عارفان کامل کے دلوں پر ماند ہے میں یعنی ان کو ہر نقش سے اوسے کا جلوه

دکھائی دیتا ہے اور سب میں وہی نظر آتا ہے۔

یار بچہ سحر کرد صراحی کہ خون خم بانغمہای قلقلش اندر گلو بہ بست

یار سحر صراحی پر کیا جادو کر دیا کہ خون خم نے قلقل کے فنون کو اس کے گلے میں باندھا

یار بچہ کلمہ تعجب۔ صراحی بزرگو کرنے کا فاعل ساتی ہے جس سے وہ ہی شاہ حقیقی مقصود ہے

می نوشتم نامہ از شرح حال خود و لے . و در سہر با عشق نمودن مجزل این برہم دوست
اپنے حال کی شرح کا خط تو لکھتا ہوں لیکن اس سے زیادہ دوست کو تکلیف دہتا درود ہے
یعنی میں اپنا حال تو دوست کو خط میں لکھے دیتا ہوں لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ یہ دوست کی تقدیر
کا باعث ہو گا۔

بیل من ہو وصال و صد سو فراق ترک کام خود گرفتہ تا بر آید کام دوست
میری خوش وصال کی طرف اس کا قصد فراق کی جانب میں اپنا مطلب چھوڑا ہوں تاکہ تو کا نصیب رہا ہو
مطلب یہ ہے کہ ہم جب عالم اطلاق میں تھے تو گویا ہمکو وصال محبوب حاصل تھا اور جب عالم کسرت
میں آئے اور قلوب غصہ کی دیندہ میں مبتلا ہوئے تو فراق ہو گیا۔ لیکن یہ فراق اوس کی مرضی
کے مطابق تھا یعنی اوس نے جب ہمکو اپنے آپ سے جدا کر کے یہاں بھیجا تو اس سے معلوم ہوا
کہ محبوب کا قصد فراق کی جانب تھا۔ گو مجازی خوش وصال ہی کی تھی یعنی یہ پاس تھے کہ اصل
سے الگ ہوں مگر چونکہ عاشق ہر حال میں محبوب کی مرضی کا جو بان رہتا ہے۔ ہلکے ہلکے قاب
کہ قبضہ کر لیا اور اپنے مطلب کو اوس کے مقصد کے مقابل میں ترک کر دیا۔ بعضوں نے اس کی شرح
اس طرح کی ہے کہ جب عارف خلوت و مراقبہ میں جو کہ منزلہ وصال کے ہونا ہی مستحول ہوا اور اسوقت ہون
اذان دے تو اوسکو چاہئے کہ خلوت سے بھٹک کر نماز ادا کرے۔ اور تمام لذات مشاہد کو چھوڑ دے
اس طرح کہ با اوس سے وصال کو ترک کر کے فراق کو گوارا کیا۔

گردہ دستم کشم در دیدہ بچو تو تا خاک راہ کان مشرف گرد و از اقامت دوست
اگر میرے ہاتھ میں آج بھی تو آنکھوں میں نہر لگاؤں . . . خاک راہ کی جو دوست کے قدموں کی مشرف ہوتی ہو
خاک راہ سے مراد عاشق کا ادق۔ اقامت جمع و جمع جس سے کیا یہ فضل کی طرف ہے مطلب یہ کہ جو عاشق
فضل شاہد حقیقی سے سرفراز اور اوس کے فضل سے متاثر ہوا ہو اگر میری نظر پر چاہے یعنی مجھے
مل جائے تو اوس کو آنکھوں میں جھانوں اور ایک دم بھی الگ نہ کرنے دوں۔

حافظ اندر در غم میوز و با دران ساز زانکہ در مانے ندارد در دران دوست
اگر حافظ در غم میں جلیا اور اس کا علاج نہ کرے اس لئے کہ یا رکنا لا علی درد کوئی علاج ہی نہیں رہتا
یعنی اسے حافظ تو دوست کے غم میں جلیا اور اس کا کوئی علاج نہ کر اس واسطے کہ غم کا کچھ علاج

دہلا

مرحبا ای شاکان ہر پیغام دوست ناکہ جان از دست فدای نام دوست

ای شاکان کے قاصد شاہاش دوست کا پیغام ناکہ مہنہ آجان کو غنبت سے دوست کر نام پر کران

پیک شاکان سے وارد غنبتی یا موت مراد ہے مطلب یہ کہ اسے وارد غنبتی یا موت تو میرے محبوب کا پیغام

نہ کہ کما دل نے میرے حق میں کیا کہا ہے یعنی میری طبیعت کب ہوگی اور کب وصال نصیب ہوگا تاکہ

میں خوشی سے جان کو اس کے نام پر قربان کر دوں۔ اس سے حالت ہوش ظاہر کرنا مقصود ہے۔

والہ شیدا است ایم محو بلبل در عشق طوطی طبعم بر شوق شکوایا دام دوست

مہیش بلبل کی طرح قفس میں بیقرار و شیدا ہے میری طوطی طبع کی شکر اور با دام غرق مہن

لفظ طوطی طبع اضافت نام ہے جس سے مراد ہے شکر سے نہ تصور کرنے چاہئے جس سے لطف

دوست کی طرف اشارہ ہے با دام چشم کیلئے آیا ہے لیکن اس سے مقصود شاید ذات مہن۔ مطلب یہ کہ

میری روح دوست کی ہر بات اور مشاہدہ ذات کی شان ہے جو اس کو عالم اطلاق میں حاصل تھا۔

پس وہ اس حبید غفیری میں اسی طرح میرے پاس پہنچنے کے لئے بھڑا رہا ہے کہ مہی طبع بلبل

بھڑہ میں گل کے پاس پہنچنے کے واسطے بیابان ہو گئی ہے۔

زلف او دام آو خاش دانہ آن امن بر امید دانہ افتادیم اندر دام دوست

اوسکی زلف خال ہے اوس کا تل دانہ اور میں پرند ہوں دانہ کی امید سے ہم بار کے دام میں پہنچ چکے

زغایت لفظی ظاہر ہے زلف سے جذبہ مراد ہے اور دانہ سے چھال۔ قاعدہ ہے کہ پرندوں کو دھوکہ

دینے کے واسطے خال کے نیچے دانہ ڈال دیتے ہیں لہذا مطلب یہ ہے کہ میں نے محبوب کا عشق

وصال کی امید پر کیا ہے اور اسی دانہ کی بدولت دام میں گرفتار ہوں۔

بہر زبستی رنگہ تا صبح روز شہد ہر کہ چون میں ازل ایک عہد ز ارجام دوست

میری روز شہر کے قریب تک سر نہ اٹھاؤں تب جو شخص کہ میری طرح ازل میں ایک گہوے اور جام آپ

ازل یعنی روز الست۔ جرہ کا اشارہ ذوق مشاہدہ کی طرف۔ جام سے مدی محبوب مراد ہے۔ مطلب یہ کہ

جس کسی نے میری طرح ازل میں روئے محبوب کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ اور اوسکی کیفیت کو محسوس کیا ہے

وہ قیامت تک بھی اس سستی سے جس سے عشق مراد ہے کبھی سر نہ اٹھا سکا یعنی ازل کا شوق

دہلار قیامت تک بھی کم نہ ہوگا +

بہنی اوس پر سچو کے دھڑ جانے پریری دریا سے چشم سے آب سو وکی رو جاری ہوئی ۔ اور
اوس رو سے بنا کا طوفان آیا

از بایں فنا دم جو آمد شب حیران در درو بماندیم حجاز دست دوار

بہر بیت ہی منوم ہوئے جب شب حیران آئی در دست ہو گئی جب دو انا تھ سے جاتی ہی
از بایں افادق ۔ فارسی محاورہ گرفتار غم راندہ شدن ۔ روا سے مراد شاہدہ محبوب کہ عاشق کے
در پیشی اس سے اچھی کوئی دوا نہیں ہوتی ۔ حبوت سے کہ شاہدہ محبوب حقیقی نے مجھے عرض
کیا ہے میں بڑی مصیبت میں گرفتار ہوں ۔

دل گفت وصال بدعا باز تو انیاست علم سیت کہ عمر ہم مرد کار و عار

دل نے کہا کہ اوسکا وصال عاسی ہو سکتا ہے مدت ہوئی تمام عمر دے کے کام نہیں فرم گئی
یعنی ایک وزیر سے دل نے مجھے کہا کہ تو دعا مانگ شاید کہ وہ سے وصال ہو جائے پس مدت ہوئی
کہ میں برابر عانے وصال کئے جاتا ہوں یہ مانگ کہ دعا مانگتے مانگتے ہو گزر گئی ۔ مگر چونکہ اوسکی بات
بے نیاز اور اوسکی جناب مستغنی سے میرے دعا کا کچھ اثر نہوا ۔

احرام چہ بندیم کہ آن قبلہ نایں است و سعی چہ کوشیم کہ از مر وہ صفارت

سہم کیا احرام باندہ ہیں کہ یہ جگہ قبلہ نہیں ہے سعی میں کیا کوشش کریں مر وہ صفائی حضرت علی
احرام باندہ تھا ۔ کسی نیک کام کی نیت کرنا ۔ قبلہ جاسے نماز میں سے یہاں ذات شاہد حقیقی مراد
مر وہ و صفات کہ مخطیہ میں دو پہاڑ ہیں ۔ مگر صفا کے معنی صفائی کے بھی ہو سکتے ہیں ۔ لہذا حافظ صفا
زمانے میں کہ ہم مجھ معشوق حقیقی کے طواف کے واسطے کیا احرام باندہ ہیں اور کیا سعی کریں کہ ہم
دوسرے صفائی تجلیات کی مفقود ہو گئی سے گرد بان مر وہ سے دل عارف مقصود ہو گا ۔

وی گفت طبل از سر حیرت چو بادید بہات کہ در دو توار قانون شفا رشت

کل طبیب نے حیرت محو دیکھ کر کہا کہ اس قانون و شفا یہ دو دون نام طبیب کی کتابوں کے ہیں جو بوعلی سینا نے علم طب میں لکھی ہیں ۔ اور قانون
شفا کے معنی قاعدہ شفا کے بھی ہیں ۔ اس شعر میں یہ دونوں لفظ دو ملتے ہیں ۔ طب یہ کہ کل جہ میں
مرشد طریقت کے پاس جو طبیب ہے گیا تو اوس نے ۔ ۔ ۔ ۔ بڑی حسرت سے افسوس کر کے

دین

ی نہیں۔ اور دعا علیحہ راحت ہوتی ہے۔ مگر عاشق کو راحت و آرام کہاں کہاں ہے جاری کی دوا
کرنا یعنی راحت و آرام جانتا ایسی ہی غیر ممکن ہے جسے کہ اخوت گو گند پر رکت کی کوشش کرنا۔

آن ترک پرچہ کہ دوش از پرست : آیا چہ خطا دید کہ از راہ خطا رفت
وہ خوبصورت ترک کھل میرے پہلو سے چلا گیا۔ آیا کیا خطا دیکھی کہ خطا کی راہ سے گیا۔

یہ غرض قیصر و ازومات کے وقت کہی گئی ہے۔ پرچہ سے کہنا بہ تجلیات صوری لیطرف ہے۔ براہ خطا
اضافت بیانہ۔ ترک کی قوم جو کہ خوبصورت ہوتی ہے اسلئے ترک سے مراد عشق حقیقی ہے۔

مطلب یہ کہ وہ شاہدہ تجلیات صوری کا کل منقطع ہو گیا نہیں معلوم کہ مجھے کہا خطا ہوئی جس کے شبہ
محبوب حقیقی نے اپنے شاہدہ تجلیات کو منقطع فرمایا۔ خطا یا نہا ایک لایت کا نام بھی ہے۔ مگر اس موقع پر

اس سے عشق کی دوری اور اوکی کلمہ تعافی معصوم ہے۔ اگر راہ کے معنی سب کے لئے جائز
نہر دو خطا کے معنی گناہ کے ہونگے۔ اسلئے کہ خطا کہہ دینے گناہ ہے۔ یہ عاوجہ صاحب شاعر

من صفت ہے کہ وہ دوستی الفاظ لستے ہیں۔

تافت مرا از نظر آن چشم جهان بین : کس واقف مانیت کہ ز دیدہ چہارفت

جب میری نظر سے وہ چشم جهان بین دور ہوا : کوئی واقف نہیں کہ میری آنکھوں سے کیا کچھ دیکھا

چشم جهان بین یا نور جهان بین۔ نو چشم جس سے جہان نظر آتا ہوا اور اس سے مراد وہ ہی محبوب ہوگا۔
کہ جسکے سبب عاشق کی آنکھوں میں روشنی ہوتی ہے۔ یعنی حقیقت سے کہ میرے عشق و نظر کے

آگے سے غائب ہو گیا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کے جوہر میں نے کس قدر گرہ و زاری کی
میں کیا کچھ آنکھوں سے گرایا۔ یا یہ کہ اوکی روشنی جاتی رہی ہے۔

ہر شمع نرفت از گذر آتش جا بسوز : آن دود کہ از سوز جگر بر سر مارفت

ہر شمع بر آتش جا بسوز کی گند سو وہ تکلیف پہونچی : جو سوز جگر کے دھوئیں سے ہر پہر پیش آتے

تبی عشق کی آگ سے جو کہ سیرے سوکھ پہونچی بھگو اس سے وہ تکلیف ہوئی کہ جو شمع کو بھی نہون
ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ آتش عشق نے مجھے ہرے جگر تک کو جلا دیا۔

دور از رخ تو دم بدم از گوشہ چشم : سیلاب سرشک آمد طوفان طاف

میری آنکھ کے گوشہ سے تراخی دور ہو جا بہ دم : سیلاب خشک تھا آبا اور بلا کا طوفان گنا

کے سینے سردار تخت کے ہیں۔ لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ بھی شاگرد کی کہہ سکا نہیں خدا
کا شکر کہ میں ان ظاہری بادشاہ یا فقیر سے علاقہ نہیں سمجھتا۔ میرا بادشاہ صرف دوست کے در کی
خاک ہے اور اس کی مرشد کال مراد یا حاکم جگہ بادشاہ کے معنی سردار تخت کے عزم کر رہے
غرض رجبہ تیا نام صبا ل شہاست جرائن خیال ندام خدا گواہ منت
میری سجد اور بیخاندہ سے غرض تیرا وصال ہے خدا گواہ کہ سواری خیال لکے میرا کوئی خیال نہیں
مطلب صاف ہے جو صرف یہ کہ آیا سجد ہو یا بیخاندہ مجھ کو سبکدہ میرے ہی صبا ل سے غرض ہی یہی ہے
بھی تو ہی ہے۔ اور بیخاندہ میں بھی تو ہی کعبہ دیرس میں ایک ہی ہنم کا جلوہ ہی اس بات کا خدا شاہد ہے
کہ میری غرض ہر دو جگہ وصال محبوب سے ہے نہ کسی اور چیز سے۔

مرا کہ اسے تو یوں رسلطنت خوشتر کہ دل جو روح ہا کی تو غرو جاہ منت
مجھے تیرا فقیر نہ رسلطنت کی اچھا معلوم ہوتا کہ تیری جو روح ہا کی لذت میری عزت اور عظمت کی عطا
یعنی ای محبوب حقیقی میرے لائق تیری در کی گدائی دنیا کی سلطنت سے بہتر ہے اس واسطے کہ تیرے جو عطا
کی لذت ہی میرے واسطے عزت اور عظمت ہی کا باعث ہوگی۔

مگر یہ تیغ اہل خمیر پر نسیم ورنہ رمیدن از در دولت رسم و راہ منت
ان تیغ اہل سے عینہ او کہ پیرنا ہوں ورنہ در دولت کی بھاگنا میرا طریقہ نہیں ہے
مطلب یہ کہ صرف تیغ اہل ہی میرے عینہ کی جس سے حالت عصری مراد ہی ڈھلان کا ثقی ہے
در نہ عاشقوں کا دستور نہیں ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ معشوق سے جدا ہوں۔

از ان زمان کہ بر آستان ہما دم رو مرا رسد خورشید کی گاہ منت
اور وقت کی جب ہی کہ میں تیری پہنچ پونہ کر گیا، مسد خورشید کی بلندی میری تکی گاہ ہے
یعنی جب سے میں تیرا عاشق ہوا ہوں تب سے آفتاب کی بسند بلندی میری تکی گاہ ہو گئی ہے اس سے
عاشق حقیقی کا رتبہ ظاہر کرنا معصوم ہے۔

گناہ اگر نہ ہو اختیار ما حافظ تو در طریق ادب کو شوق گو گناہ منت
اے حافظ اگرچہ گناہ پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا تو طریقہ ادب میں کوشش کر اور کہہ کہ میرا مقصود
ظاہر ہے کہ کوئی فعل بلا ارادہ و معنی فاعل حقیقی کے نہیں ہوتا تو کی برگ نہ خند درخت بظہار

کہا کہ تیرا درد شفا کے قانون سے باہر ہے یعنی تجھے آرام نہیں ہوگا۔
 اسی دوست پر سیدن حافظ قدمی نے زبانِ پیش کہ گوید کہ از درِ وفاست
 اسے دستِ حافظ کا حال پوچھنے کو اوس سے پہلے آ کہ لوگ کہیں نہ تو جہان گذر گیا
 اوس قبض و ارادت کی طرف اشارہ ہے کہ اسے دست یعنی اسے مشاہدہ بجلی تو حافظ کو اوکل
 مرنے سے پہلے اپنا جلوہ دکھا اور جب وہ مر گیا تو پھر کیا ذائقہ

مہم کہ گوشہ میخانہ خانقاہِ مہینست دعا ی پیرخان و روح بجاہِ مہینست
 مین ہون کہ مہینہ کا نوہری خانقاہ ہے پیرخان کو دعا دینا میرن کا وظیفہ ہے
 میخانہ سے مراد عالمِ عشق۔ پیرخان مرشدِ کمال کے واسطے آیا ہے اور مطلب یہ کہ مین زہد و ریاضت
 برہیز کر کے اور خانقاہ سے جو کہ عبادت کا ظاہری لوازم ہے جدا ہو کر مقامِ عشق میں پہنچ گیا ہوں
 اور میخانہ کو خانقاہ سمجھ کر اس میں سکونت پذیر ہوں۔ میرا وظیفہ مرشدِ کمال کی دعا گوئی ہے۔
 جو میرے ساتھ بنائے عشق میں سلوک ہوا ہے۔

گرم ترانہ چنگ و صبحِ نیستِ خاک نوا میں سحر آہِ عذر خواہِ نیست
 اگر میرے پاس ترانہ چنگ و صبح کی کہ نہیں گویا نہ سحر کے دفت آواز آہِ میری عذر خواہ ہے
 ترانہ چنگ سے مراد زہد و پارسانی اور صبح سے مقصود معشوقِ مجازی ہے۔ یعنی اگر میں ناہد
 و متعلق نہیں بنا ہوں۔ اور نہ میں نے مجازی عشق قبول کیا ہے تاہم مجھے کچھ خوف نہیں اسلئے کہ
 سحر کے دفت جس سے فردا سے قیامتِ ابدی میری آہ جاسوز میری عذر خواہ ہوگی۔ غلامِ صبح
 میرا عشق ہی اس روز کسی زہد و عبادت تکبے کی عذر خواہی میری طرف سے کر لیا۔ نظم
 جو مجھوں شد بخلوت خانہ خاک نما آمد برد از حضرت پاک
 کہ اسے مجھوں نہ آوری بدرگاہ برآمد از دل مجھوں بکے آہ

کہ جہنمِ شوریلے در سرم بود کجا برد اسے کار دگر گرم بود و نیست
 ز بادشاہ و گردا فاعظم محمد صلیہ گداسے خاک در دولت بادشاہ
 احمد صلیہ کہ مین بادشاہ ابدیقر سے فناغ ہوں دوست کو دروازہ کی خاک میری بادشاہ ہے

لفظ بادشاہ دو معنوں سے مرکب ہے باد سے نخت اور شاہ یعنی سردار اس لحاظ سے بادشاہ

ناشکری جوئی لا مغرض سے علام کے اوس کو کروا نہ بتلایا کیونکہ سمجھے خرپوزہ کے گروے
میٹھے سے سخت : تھی بلکہ اوس عنایت محبت سے غرض تھی جو آپ مجھ پر مہذول فرما رہے تھے اگر میں
کروا بتلاتا یا موندتا تو یہ سب ادب کئے حلفات اور اوس مہربانی سے بہت ہی بعید تھا جو آپ سے
اوپر کرتے ہیں۔ بادشاہ نے آیا زکو سینہ سے لگا لیا۔ ہمارا مطلب یہ کہ اگر کما زکو بندہ خدا کے طریقہ
ادب میں اتنی ہی کوشش کرے جتنی کہ ایاز محمود کے ادب میں کرتا تھا تو کچھ شک نہیں ہے کہ وہ خدا کے
نزدیک رسکا اتنا ہی پیارا ہو جائے جتنا کہ محمود کو ایاز پیار ہو گیا تھا۔

لعل سیراب خون تشنہ لب مرین است انیسے دیدن او دادن جان مرین است
لعل سیراب خون کا پتہ بیری یار کا لب ہے اس کے زکینے کو اسے جان دینا پر کام ہے

یعنی لعل سیراب خون کی پیاسی کیا چیز ہے۔ وہ میرے یار کا لب ہے جس کے دیکھنے کے واسطے جان
کہو دینا میرا کام ہے۔ اسی وجہ سے لب یار کو لعل سیراب اور خون کا پیاسہ کہا گیا کہ جب عاشق
اوس کو دیکھتا ہے تو جان کہو دیتا ہے۔ اس تقریر سے گویا لب معشوق عاشق کے خون کا
پیاسہ ہے۔

شرم از ان چشم یلہ دیش و شرکان دہ باز ہر کہ دل دن نوید در انکار مرین است

اوس چشم سید اور شرکان دراز او کو شرم ہو جو کہ جس شخص نے اس کا دل لیجا مار لیا اور بھلا کیا
مطلب یہ کہ جس کسی نے اوس محبوب کی دلربائی کو پالیا ہے اور باوجود اس کے مجھے انکار کرتا ہے
یعنی بیری حالت موجودہ کو بجا دیتی سمجھتا ہے تو اس کو اسی چشم سید اور دراز شرکان کی شرم ہوتی
چاہے یعنی اوس محبوب کی جب یہ صفات میں تو اسے کس طرح کوئی بے سلکیا۔
اردو محاورہ میں جن موقعوں پر منکوار بیکشی کے لئے یہ لفظ کو سیمین کہ اسے فلان تجھے اوی چہر
کا حوالہ ہو وہی مطلب اس جگہ لفظ شرم سے سمجھ لیجئے۔

سایبان حیرت بندر قازہ سیرکان سرکوه شاہرہ سیرت کہ منہ لگہ دل درشت

اسی شان اسباب و دارہ سیرت سیرکان سرکوه ایک شاہراہ ہے جو کہ بیری محبوب کے ہیرنگی جگہ ہے
سیرت میں سے مراد سالک ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اسے سالک اوں حضرات اور خیالات کا
ساب کہ جو محبوب کے حضرات اور خیالات کے علاوہ ہیں۔ دروازہ دل سے نہ بجا کہ وہ

تھے اچھے اور بڑے کام مذہبی سرزد ہو تو یہ وہ سب ادیب کی ارادہ اور اختیار ہی ہوتے ہیں جس صاحبِ فضل نے
 کہ اگرچہ کوئی شاہ ہاں ہی اختیار ارادہ نہیں ہوتا تاہم ادیب کا مقصد یہ ہے کہ ہم بڑے کام کو اپنی طرف منسوب کریں
 اور چھوٹے کام کو دیگر طرف منسوب کریں جو کہ جو اپنی خطا کا اقرار کر دے اور سمجھے کہ یہ برائے فعل ہیں تے نہیں کیا بلکہ یہ سمجھ
 تو بہ کرے کہ بڑے فعل کا فعل میں ہی ہوں۔ یہ اقرار جرمِ طریقہ ادیب کا ہے جو عبودیت کی جس دلیل اور گناہوں کی غفلت
 کا سبب ہوگا۔ محمود و ایاز کا عشق مشہور ہے مگر یہ عشق بوجہ تھا محمود ایاز پر صرف اس کی فرمانبرداری اور سکر
 گزار ہی عاشق تھا۔ چونکہ عوام انسان اس عید سے خبردار نہ تھے اس لیے وہ اس مجمع کو بادشاہ کی محبت کا سبب
 جانتے تھے۔ ان کے تہذیبی سلطنت نے بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ آپ کے بہتے غلام ہیں اور ان میں
 دروازہ ہر ایک قسم کی مصیبتیں ہو جاتی ہیں۔ ایاز کہ جو خیر سے خوبصورت بھی نہیں ہو حضور ان کو اس قدر کیوں پسند کرتے
 ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ جو ایک صفت میں ایاز ہیں پاتا ہوں وہ ہے کہ تمام غلام حتیٰ سب صفوں کو مل کر بھی اس کی
 برابر نہ کر سکیں گے ان کے لیے کہا کہ میں اس کا خیر خبر بہ دلا سکتا ہوں۔ بادشاہ نے سب غلاموں کو اور ایاز
 کو بھی مل کر کہا کہ ہر غلام اپنے ہاتھ میں ایک ایک پیالہ پانی کا لے لے چنانچہ سب نے اس کی پیالہ کی۔
 بادشاہ نے حکم دیا کہ ان پیالوں سے سب پانی پیتے سب نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ
 ہر شخص اپنا پانی اپنے پیالہ میں پر دے چکے۔ یہ حکم بھی سب نے بجا یا اب بادشاہ نے ہر ایک غلام سے
 الگ الگ پوچھا کہ تو نے پیالہ کیوں توڑا سب نے کہا کہ حضور کے حکم سے توڑ دیا۔ مگر جب ایاز سے
 دریافت کیا گیا کہ تو نے پیالہ کیوں توڑا عرض کیا کہ حضور ہوا۔ ان سب کو حشت کر کے بادشاہ
 نے ان لوگوں سے کہا کہ تم نے دیکھا ایاز میں ہی صفت ہے جس میں عاشق ہوں۔ یہی طریقہ ادیب ہے
 جس کا اس شعر میں مذکور ہوا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے۔ ان کے تہذیبی محمود کی پاس کابل سے غنیمت میں خزانہ آئی
 بادشاہ نے ایک ٹوکری میں سے ایک خزانہ اٹھا لیا۔ چونکہ ایاز پر خاص محبت تھی اس لیے چھری سے
 کاٹ کر پھینکے اس کو کہلانا شروع کیا۔ ایاز نے اس خزانہ کی قاس کو جو بادشاہ نے اس کو دی تھی وہ
 کہا ہا۔ بادشاہ برابر خزانہ کہلانے سے ایاز اس کو اتنی چٹا کر کہا تاہنا کہ بادشاہ کا بھی اس کی
 کہانے کو چاہا۔ مگر سب سے پہلی قاضی اپنے منہ میں ہی تو معلوم ہوا کہ وہ بہت ہی بد مزاج اور تلخ تھا۔
 اس کی تلخی ایسی ناگوار گذری کہ ڈراؤں لگ گیا اور متحجب سے کہا کہ ایاز تو برابر کہانے چلا گیا اور تو نے
 یہ نہ کہا کہ یہ خزانہ کڑوا ہے۔ ایاز نے عرض کیا کہ خزانہ بیشک کڑوا تھا۔ مگر ایسا کہنے میں بادشاہ کی

باغبانِ بہنویمِ زورِ خوشِ مران

کابِ گلزارِ تو از اشکِ گلزارِ منت

انہو باغبانِ بہنویم کی طرح مجھ پر وارہ دینے لگا

کہ تیرے گلزار میں پانی میرا شکِ گلزارِ سانس ہو

باغبانِ بہنویم نے محبوبِ حقیقی جو تمام عالم کا صانع ہوا اور مطلب یہ کہ اسے محبوبِ بکونسیم کی طرح

اپنی بارگِ وجود سے محروم نہ رہے کہ اسے تیری معشوقیت میری عشق سے پیلیے بلا مخلوق کو خالق

یا بغیر مرہوب کر رہ نہیں ہو سکتا یا بالفاظِ دیگر بوبیت اپنی مرہوب کو اور خالقیت اپنے مخلوق کو

چاہتی ہو اسی دلیل سے تیری صفتِ معشوقیت اپنی عاشق کو بھی ضرور چاہیگی۔ پس بے اپنی بارگِ

وجود سے محروم نہ کر۔

شربتِ قند و گلابِ لبِ یارِ مفرود

زرگس او کہ طبیبِ دلِ بیمارِ منت

قند و گلاب کا شربت میری یارِ لب سے فرمایا

اوسکی زرگس چشم میری دلِ بیمار کی طبیب ہے

لب کا کنا یہ لطف کی طرف ہر زرگس سے مراد زرگس چشم بیمار کا لفظ اسکی رعایت سمجھنا چاہیو۔ اسے مرشد

کامل مقصود ہو پیتے ہیں نئے دل بیمار کو اپنی مرشد طریقیت کی مہربانی و اللطاف کو سپرد کر دیا ہے

سوائے لطفِ محبوب کہ جس سے نفختِ فیہ من روحی کی طرف اشارہ ہوا اور کوئی چیز نہیں

جو کہ عاشق کو گشتِ شکی اور سراسیمگی ہجر سے نجات دے۔

آنکہ در طرزِ غزلِ نکتہ بہ حافظِ آمخت

یارِ شیرینِ سخنِ نادرِ گفتارِ منت

جس نے کہ طرزِ غزل گوئی میں حافظ کو نکتہ سکھلایا

(وہ) شیرین اور منتِ گفتار میرا بار ہی ہو

یعنی صرف محبوب کی توجہ اور لطافت سے حافظ کو غزل گوئی اور شیرین گفتاری کا ڈھنگ

آیا ہے اسلئے کہ اوسکا محبوب ہی ایسا ہی نادرِ گفتار اور شیرین سخن ہے۔

روزگارِ رست کہ سودا کو تباہِ بنِ منت

غمِ این کارِ نشاطِ دلِ عکینِ منت

زمانہ ہوا کہ میرا دینِ تبوئی کا سودا ہے

میرے دلِ عکین کا کام اس خوشی کو کہ این غمِ گناہ ہے

یعنی مدتِ گزری کہ معشوقہ ان کا عشق کرتا میرا مذہب ہوا اور عشق بازی میری دل کی تفریح ہو گئی ہو اگر

تبوئی سے عارفانِ کامل مراد ہیں تو یہ مطلب ہو گا کہ مدت ہوئی جبے میں عاشقانِ کامل کی

طلب میں ہوں اور گویا ایسے لوگوں کا طلب کرنا میں نے اپنا شیوہ کر لیا ہے پس جو کچھ غم و درد اس

طلب میں مجھ پر پہنچتا ہے وہ میری دل کی عین تفریح کا باعث ہے۔

شاہراہ ہے اور کیسی شاہراہ کہ میرے محبوب کی گزرگاہ یا منزل گاہ سمجھا جاتا ہے۔ دلچسپ ہو کر دل ہی
عشق کا مقام ہے اس اعتبار سے اس کو دوست کی منزل گاہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ رفت سے ہستی
کو جو ہم مضبوط ہو۔ اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ اسے میرے نہایت کے تھلنے دلبے یعنی اسے
ساکل راہ طریقت ہستی ہو جو ہم کو برے اعمال کی آلائش سے بچا کہ یہ مقام تجلیات دلدار ہے۔ این
یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاہراہ اسی کا نام ہے جس میں سب لوگ چل سکیں۔ دیکھو شاہراہ قرار دیکر اس میں
ہو کر اسباب لیجائے کی ممانعت کیوں کی جانی ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ شاہراہ میں جب حاکم یا شاہ
گزرے تو عام لوگوں کو اس وقت چلنے کی ممانعت کر دیتے ہیں۔ پس خواجہ صاحب کا مطلب یہ
ہے کہ شاہراہ نفس ہے لیکن اس منہم کی جیسے جہیں بادشاہ یعنی محبوب گزر کر رہتا ہے۔ اس واسطے
بادشاہ کو گزر کرنے کی شاہراہ میں سے عام کے گزرنے کی ممانعت کر دیجی۔

بندہ طاع خویشم کہ درین محظوظا عشق آن لولی مرست خریدارین است
ایسے نصیب کا غلام ہوں کہ اس محظوظا میں اس عشق کا عشق میرا خریدار ہے۔
لو ال ایک قوم کا نام تھا اور حافظ صاحب کی معشوقہ "شیرخانات" بھی اسی قوم کی تھی مگر اسکا
قریب معشوق کیا گیا ہے۔ اور معشوق سے مراد محبوب حقیقی ہے مطلب صاف ہے۔ یعنی
نفس نصیب کہ اس محظوظا میں محبوب کا عشق ہی خود میرا خریدار ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ
میرا کامین رہا ہے۔

طبلہ عطر گل ورج عنبر افشانش فیض یک شمع زبوی خوش عطارین است
طبلہ گل کا طبلہ اداس کا عنبر افشان ڈتہ یک شمع زبویں میرے عطار کی خوشبو کا ہے
عطار کا کتاب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ کتب سیرین مر قوم ہے گل شمع
حضرت کے عرف مبارک سے پیدا ہوا ہے۔ طبلہ عطر گل ورج عنبر افشان سے مراد
معشوقان مجاہدی ہیں جن میں مطلب یہ ہے کہ محبوبان ظاہری جو حسن جمال میں کمال کہتے ہیں۔
اور دنیا کے میں سے آراستہ ہر سستہ میں ان میں ایک شمع برابر ہے اس میں سے عطار کی خوشبو
آتی ہے کہ جو تمام کائنات کی پیدائش کا سبب ہے۔ یہ تمام خوبصورتی حسن اوی خوشبوتی اور حسن کا
سبب کہ جزو سمجھا جاتا ہے کہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی۔

امی بار الہا وہ کعبہ مقصود کہ جس سے محبوب اور تجلیات مشاہدات مراد ہو کسی زیارت گاہ ہو کہ اوس
راستہ میں یعنی راہ طریقت پہنچو کا سنئے ہیں وہ میری لئے پھیلنے کے پھولوں کی مانند ہیں مطلب یہ کہ
جو تکلیفیں طاع عشق میں ہیں وہ زیارت محبوب کر شوق میں میرے واسطے سدا سدا آرام بخش
کا حکم رکھتی ہیں۔

یار ما باس کہ زیب فلک زینت دہر انصرو کی تو واشک چہ پروین مست
یار ہمارا ہو کہ آسمان کی زیبائش زمین کی زینت تیرے چاند کی مکھی اور میری واشک پروین ہو کر
مطلب یہ کہ امی محبوب میرے ساتھ موافقت کر اور ہم دونوں ہو کہ آسائش فلک اور زیبائش
دہر تیری حسن رخ کے طور سے اور میری اشکباری محبت سے جو تیری فراق میں ہے وہی ہے
اس سے حافظ صاحب نے معشوق سے آسمان کی زینت اور عاشق سے زمین کی زیبائش ثابت کی ہے
حافظ از حشمت پرویز ذکر قصہ مخوان کہ لبش جرعه کش خسرو شیرین مست
عاطف پرویز کی حشمت کا اور حال بیان کر اوسکال جرعه کش میری خسرو شیرین کا ہو
پرویز نوشیروان کو پوتے کا نام تھا اور اوس کو خسرو بھی کہتے ہیں۔ یہ بڑا الو الغرم بادشاہ ہوا ہے
شیرین اوسکی معشوقہ تھی مگر اسمو قح پر خسرو شیرین سے محبوب بنتی مراد ہے اور مطلب ہر وہ ہو کر
کہ احمول تو پرویز کی حشمت کا زیادہ حال بیان کر اوسکی کچھ حقیقت نہ تھی اس واسطے کہ پرویز
میرے خسرو شیرین کا جرعه کش تھا۔ لفظ شیرین خسرو کی رعایت سے لائی ہیں جرعه کش اوسے کہتے ہیں
جسکے پاس خود شراب پی کر تو کچھ نہو مگر خانہ میں پینے والی توڑی سی اوسکی ہی چکھا دین۔
امی شاہ قدسی کہ گشت بند نقابت دی مرغ بہشتی کہ وہد دانہ وایت
امی شاہ قدسی کون تیرا بند نقاب کوئے اور امی بہشتی چڑیا کون تجھ دانہ پانی ہے
شاہ قدسی سے مراد محبوب حقیقی یا مرشد کامل ہے اور مرغ بہشتی سے بھی یہی مقصود ہے اور
یہ غزل حالت قبض و ادرات میں یا جدائی مرشد میں کی گئی ہو یعنی امی شاہ قدسی تو مجھ سے کہہ رہا
اور مونہ چھپانے لگا وہ کون ہے کہ جو تیری رکاوٹ اور کچا وٹ دور کرے اور تیرے
رخ سے نقاب اٹھو دوسرا مصرع پہل کی توضیح ہے۔ مطلب یہی ہے جو عرض کیا گیا بعض مالک
قول ہے کہ یہ غزل خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی زوجہ منکوحہ کو چلو جانے پر جب کہ وہ حافظ

وین کی مرتبہ چشم جان منست
وین کی مرتبہ چشم جان منست
نیر کی رخ کردینے کو دل کی آنکھیں دکھائیں
نیر کی رخ کردینے کو دل کی آنکھیں دکھائیں
یہ دیکھ کر محبوب کو چشم حقیقت میں ہونی چاہئیں میری آنکھیں جو کہ جان میں ہیں
یہ دیکھ کر محبوب کو چشم حقیقت میں ہونی چاہئیں میری آنکھیں جو کہ جان میں ہیں
کثریت اور وہم و خیال پر لگ رہے ہیں اور انکو یہ مرتبہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے محبوب حقیقی کو تو
وہ ہی آنکھ دیکھ سکتی ہے جو مرتبہ وحدت پر پہنچی ہوئی ہو۔

تاما عشق تو غلبہ سخن گفتن کرد
تاما عشق تو غلبہ سخن گفتن کرد
جس کو کہ تیرے عشق نے ہم کو خدائی کی تعلیم دی ہے
جس کو کہ تیرے عشق نے ہم کو خدائی کی تعلیم دی ہے
مطلب یہ کہ جس کو تیرے عشق نے ہم کو شعر و سخن کی تعلیم کی ہے جب سے تمام خلق میری توصیف
مطلب یہ کہ جس کو تیرے عشق نے ہم کو شعر و سخن کی تعلیم کی ہے جب سے تمام خلق میری توصیف
اور تعریف کرنے لگی اس اعتبار سے یہ میری تعریف جب تیرے عشق کی بدولت ہو رہی ہے
اور تعریف کرنے لگی اس اعتبار سے یہ میری تعریف جب تیرے عشق کی بدولت ہو رہی ہے
تو گویا تیری ہی تعریف و توصیف میری نہیں۔

دولت فقر خدا با من ارزاں فرما
دولت فقر خدا با من ارزاں فرما
فقر کی دولت کو اگر خدا میری واسطہ ارزاں کر دے
فقر کی دولت کو اگر خدا میری واسطہ ارزاں کر دے
یعنی اگر خدا انہی کسی اور فقر کی دولت کو میری واسطہ سے سنا کر دے اس واسطے کہ یہ کراست یعنی
یعنی اگر خدا انہی کسی اور فقر کی دولت کو میری واسطہ سے سنا کر دے اس واسطے کہ یہ کراست یعنی
فقر ہی میری شمت اور مرتبہ کا باعث ہے دنیائی توانگری نہیں چاہئے جبکہ میں فقر ہی
فقر ہی میری شمت اور مرتبہ کا باعث ہے دنیائی توانگری نہیں چاہئے جبکہ میں فقر ہی

واغط شمع شمس این عظمت کو فروغ
واغط شمع شمس این عظمت کو فروغ
شمع شمس این عظمت کو فروغ دینا ہے
شمع شمس این عظمت کو فروغ دینا ہے
وہ غلط ہے مراد نفس ہے شمع یعنی کو توال یا حاکم شہر کا اشارہ عقل کی طرف سمجھنا چاہئے
وہ غلط ہے مراد نفس ہے شمع یعنی کو توال یا حاکم شہر کا اشارہ عقل کی طرف سمجھنا چاہئے
سلطان سے مقصود محبوب حقیقی شمع شمس این عظمت کی صفت ہے۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ اسے
سلطان سے مقصود محبوب حقیقی شمع شمس این عظمت کی صفت ہے۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ اسے
نفس نصیحت فروش نہ بنے بلکہ عقل پہنچتی ہو اور تیری منزلت کرنی ہے پس تو مغرور مت ہو
نفس نصیحت فروش نہ بنے بلکہ عقل پہنچتی ہو اور تیری منزلت کرنی ہے پس تو مغرور مت ہو
اس واسطے کہ دل حق سبحانہ تعالیٰ کا منزل گاہ ہے۔

یار باین کعبہ مقصود زیارت کیست
یار باین کعبہ مقصود زیارت کیست
کہ مغیلاں طریقش گل و زین منست
کہ مغیلاں طریقش گل و زین منست
یار بیکم مقصود کسا زیارت گاہ ہے
یار بیکم مقصود کسا زیارت گاہ ہے
کہ اس کو راہ کی خار میری پھلی کر گول ہیں

یعنی جو تیر کہ تو نے دل عاشق کی طرف مارا وہ غمزہ کی بدولت خطا کر گیا (شانہ پر نہ لگا) دیکھنے کہ تیری عقل اب کہاں تدبیر اسکے واسطے سوچتی ہے۔

ہزاراں و فریاد کہ کردم شنیدی پیداست نگار کہ بلند است جنابت
جوناں و فریاد میں نے کیا وہ تو نے نہ سنا اس کی معلوم ہوا کہ تیری بارگاہ عالی ہے

مطلب صاف ہو کہ جو کچھ تالہ فریاد عاشق نے تیری حضور میں کیا او سکو تو نے بلین سنا اس سے ظاہر ہے کہ تیری درگاہ بڑی اونچی ہے اور وہاں تک اس کی گریہ و زاری کی صدا نہیں پہونچتی۔

ای قصور دل افروز کہ منتر نگہ اُن سے یارب نکنا ذآفت ایام خرابت
ای قصور دل افروز تو محبوب کا منزلی گاہ ہو خدا کر کہ ایام کی آفت سے خراب ہو

قصور دل افروز سے محل محبوب کی طرف گناہ یہ ہے جس سے منکر نے اپنا دل مراد لیا ہوا اس سے معنی محبوب یعنی امیر سے دل تو محبوب کی مقام کی جگہ یا اس کی منزل گاہ ہے اس لئے میں پہنچتا ہوں کہ خدا کو لایزال زمانہ کی غل اندازی سے کوئی آفت بچہ نہ لائے اور تجھ کو ہمیشہ پیش آباد رکھے۔

دورست سر آبِ مین باد یہ ہمدار تا غول بیابان تقریباً سراب
ہوشیار رہ کہ اس میدان بچانی دور ہے تاکہ غول بیابانی تجھ کو سراب سے دہو کہ ندی

غول بیابان جنون کی قسم کو ایک جن ہوتا ہے کہ مسافر کو راستہ سے ہکا یا کرتا ہی سراب و سکو کہتے ہیں کچھ اسے مسافر کو دور سے ریت مثل پانی کے نظر آدے اور جب اس کو پاس پہونچیں تو معلوم ہو کہ یہ پانی نہیں اس کو سراب بولتے ہیں یہ مشہور لفظ ہے یعنی اس باد یہ معرفت میں منزل مقصود دور ہے ہوشیار رہ کہ میں ایسا نہ ہو کہ غول بیابانی (جن سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جن کا ظاہر درست اور باطن بد ہو) تجھے سراب کا دہو کہ ندی اذکر کہ اس غول بیابانی کو نفس و شیطان مقصود ہوں اس صورت میں ہی قریب قریب وہی مطلب ہوگا یعنی اگر عاشق راہ عشق میں قدم رکھ کر حاصل پر قناعت نہ کر اس لئے کہ اپنی منزل مقصود دور ہے چونکہ اس راہ میں مکر و نفس اور شیطان وغیرہ کثرت سے آفتیں ہیں بہادار و مستحق دعا و فریب سے دہو کہ دین اور تکمیل معرفت سے باز رہیں۔

صاحب کو کسی بات پر ناراض ہو کر اپنی والدین کے گھر کو چلی گئی تھی مگر یہ ہے اور اس خوشامد نے طلبی کو
 اس غزل کا سب سے اخیر مصرع ظاہر کرتا ہے جو یہ ہے کہ
خواہم بشد از ویدہ درین فکر جگر سوز کاغوش کہ شد منزل آسایش و خواب
 اس فکر جگر سوز میں میری آنکھوں سے نیند اور گئی کہ کون سے آغوش تیری منزل آسایش ہوئی ہے
 یعنی اگر محبوب جس درد سے کہ توجھے دور ہو گیا میری آنکھوں سے نیند اس فکر میں جاتی رہی کہ کونسے
 آغوش میں تو نے قیام پکڑا ہے اور کہاں تیری جائے آسایش ہے یعنی مجھے جدا ہو کر تونے
 کس جگہ غمور کیا ہے۔

درویش نمی پرستی و رسم کہ نباشد اندیشہ بیمارزش و پروائی صواب
 توفیق و نگو نہیں پہنچتا ہے ڈر ہے کہ تجھے فکر بخشش اور ثواب کی پروا نہیں ہو
 مطلب یہ کہ توفیق و نکی حال کی پریشانی نہیں کوتاہی کی حال زار کی طرف توجہ نہیں ہے۔ من
 دڑتا ہوں کہ شاید تیرے دل سے فکر بخشش اور پروا اور ثواب بر طرف ہو گئی ہے کیونکہ ثواب
 کا نیا والے فقہ و نکی حال پر مہربانی کیا کرتے ہیں۔

راہ دل عشاق زوان چشم خماری پیدا است ازین شیوہ کہ مست شراب
 دل عشاق کی راہ کو اسی چشم مست کو چاہیہ اس شیوہ سے ظاہر ہے کہ تیری شراب مست ہو
 دوسری مصرع کے معنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شراب جب خود مست نہیں ہوتی بلکہ مست
 کر خوالی ہوتی ہے تو شراب کو مست کیوں کہا اس کا جواب یہ ہے کہ شراب سے بہانہ وہ ہی چشم
 مست ہوتا ہے جو پہلے مصرع میں آیا ہے چونکہ چشم محبوب میں ایک طرح کی نشی پائی جاتی ہے
 اس لئے اس کو مست کہا گیا علاوہ اس کے کہ شراب خود مست نہیں ہوتی مگر اس میں چشم کی خاصیت تو یہ
 پس باعتبار اس کے کہ کسی چیز کا ملک خود اس کے قائم مقام سمجھی جائے شراب کو اس صورت میں
 ہی مست کہنا چاہو گا کہ جب اسی چشم ہی مراد نہ لیجائے۔ راہ دل عشاق زوان سے
 بقرار ساختن دل را۔

تیر کہ زدی بر دلم از غم خطا رفت تا باز چہ اندیشہ کہ شد را کی صواب
 وہ تیر کہ جو تو نے میرے دل پر مارا غم کو خالی کیا تو اب دیکھو تیری سائب را کی گاتی ہے

بائیں کر کے مشوق کے خیال میں مستغرق ہو جا اس واسطے کہ ان تفکرات دنیا کا ہوائی اسکر کوئی علاج نہیں یہ وہ دوا ہے کہ عشق محبت کے بندوں نے تجربہ کر کے اس مرض کیلئے مقرر کر لی ہے اور اس کی ساتھ جکی موثر بھی ہوتی ہے۔

ایک قصہ میں نیست غم عشق و این عجیب
از ہر کسی کہ می شنوم نابکر رست
غم عشق کا ایک قصہ ہی زیادہ نہیں تعجب ہے
جس کسی سے کہ سنتا ہوں مکر نہیں ہوتا

یعنی غم عشق وہ ہی ایک قصہ ہی مگر تعجب یہ ہے کہ جس کسی سے سنتا ہوں وہ دوسری طور پر بیان کرتا ہے اور ہرگز تکرار نہیں پائی جاتی ورنہ قاعدہ یہ ہے کہ ایک ہی قصہ کو اگر دو شخص بیان کریں تو وہ مکرر ہو جائے گا گوشت نشین گوشہ میں صومہ دار صومہ میں عابد لوگ مسجد میں عاشق خرابات میں اپنی اپنی دریافت کو ترجیح دیکر ہی ایک قصہ عشق مختلف طور پر بیان کرتے ہیں چاہے تو یہ تھا کہ بیان میں تکرار ہوئی مگر جس سے سوادس سے نیا ہی مضمون معلوم ہوتا ہے۔

از آستان پیرمغان حسرت پر اشتم
دولت درین سر او کشایش درین دست
پیرمغان کو آستانہ سو میں کئے سر کینچون
اسی گہر میں دولت اور اس درین کشایش زونچہ

یعنی جبکہ دولت کو میں وسعت دارین پیرمغان کے در سے کہ جس سے مرشد کامل یا معشوق حقیقی مراد ہے وابستہ ہو تو کس لئے اس دروازہ سے الگ ہو کر محروم سعادت نہوں بلکہ بیکو لازم ہے کہ اپنا رخت اس در پر رکھ کر بہین کا ہو رہوں۔

دی عہدہ داد و صلح و در شراب داشت
امروز با چہ گوید و باز مش چہ در سر است
کل بسود عہدہ وصل کا کیا اور سر میں عشق کتنا تھا
(دیکھو) آج کیا کہتا ہوں اور او کو خیال میں کیا آتا ہے

دی یعنی روز گذشتہ جس سے بیان روز پیشانی مراد ہے۔ وعدہ وصل ان سے الجنتہ لقاء اللہ للمومنین حق امروز سے مقصود نشاء دنیا مطلب یہ کہ مجھے محبوب حقیقی نے روز ازل میں جبکہ عشق کا سودا رکھنا تھا وصل کا وعدہ کر لیا ہے اب نہیں معلوم کہ دنیا میں او سکا ارادہ کیا ہے آیا وہ حسب وعدہ اپنے دیدار سے فیضان فرما کر اپنے وعدہ کو پورا کرتا ہے یا نہیں جبکہ سعادت شقاوت اوسیکر اختیار میں ہے پس اہل سعادت و بیدار سے فائز ہوتے ہیں اور اہل شقاوت محروم میں نہیں جانتا کہ حالت غصہ میں وہ بھکواہل سعادت میں سے قرار دیا جائے اہل شقاوت میں سے ہے۔

تا در رہبری بچہ آئین و کرامی دل باری بغلط صرف شد ایام شبابت
ایدل دیکھیں کہ نورِ ہلال کو راستہ میں کس طریقہ سے چلے گا
دل کرے تمیز سے یعنی ایدل تو نے ایامِ جوانی کو غفلت اور سستی میں گزارا اب بڑا پاپا یا ہے دیکھیں

توان ایامِ پیری کو گیسو گزارنا ہے اور کیونکر بسر کرنا ہے
حافظانہ غلامی ست کہ از خواجہ گرزو لطف کن و باز کہ خسرا بزمِ عتابت

حافظ عنایام نہیں ہے کہ مالک سے ہلے گے مہربانی کر اور لوٹ آگے تیری غصہ خرابی ان رہا ہوں

مطلب صاف ہے تشریح طلب نہیں شعرِ ہذا کی تخریج کا سبب اسی غزل کے مطلع میں گذر آؤں میں

باغِ مرا چہ حاجتِ سر و صنوبر است شمشاد سایہ پرور من از کہ کمتر است

میرزا باغ کو سرور اور صنوبر کی کیا حاجت ہے میرا شمشاد سایہ پرور کس سے کم ہے

باغ سے وجود خود اور سر و صنوبر سے معشوقانِ مجازی مراد ہیں۔ شمشاد سایہ پرور سے مقصود شکرِ کمال

یا شاہِ حقیقی ہے مطلب یہ کہ مجھ کو معشوقانِ مجازی کی کیا ضرورت ہے جبکہ میرا شاہِ حقیقی یا شاہِ کمال

اوپر کی طرح کم نہیں بلکہ ہر آئینہ باعتبارِ ثبات غلبت پاکیزہ اور جمالِ دلربائی کے بدرجہا بہتر اور خوشتر ہے

پس او شکرِ مقابلہ میں باغ وجود کو کسی سر و صنوبر کی حاجت نہیں۔

ای نازنین پس تو چہ مذہب گرفتہ کت خون ماحلال تر از شیرِ نادر است

ای نازنین لڑکھونٹے کون مذہب اختیار کیا ہے کہ تجھے ہمارا خون شیرِ نادر سے زیادہ حلال ہے

یعنی ای محبوب میری تو نے کون سا مذہب اختیار کیا ہے کہ تو ہماری قتل کے دھپے ہو اور وصال

نہرِ نازنین کرتا۔ گویا ہمارا قتل تجھے شیرِ نادر سے زیادہ حلال ہے کہ اسطور پر میا کا نہ عشاق کا خون

کرتا ہے جبکہ کسی مذہب میں خونِ حلالی نہیں قرار دیا گیا۔ نیز ممکن ہے کہ نازنین پسری بطور

ابستہ نازنا صغیریت کو مراد ہو اور خون کہنے سے اس کا نصیب کرنا تصور کیا گیا ہو اگر یہ مان لیا جائے

تو ادھر کے شعبے اس کا ربط قائم ہو جائے گا اور مطلب یہی ٹھیک نکل آئے گا۔

چون نقشِ غم ز دور بینی شراب خواہ شخصِ کردہ ایم و مدد او مقرر است

جبکہ غم کو دور کی نظر سے شراب مانگ بہتر شخص کر لیا جائے اور اس کی یہی مدد مقرر ہوگی

یعنی ای عاشق اگر تجھ پر حوادثِ غم و الم اور تعلقاتِ دنیوی هجوم کر آئیں تو مجھ کو چاہیے کہ عشقِ محبت کی

نہ نوالا ہی اور کسی فنا نہوگا۔ اس اعتبار سے جب عشوق کو فنا نہیں تو عاشق کو ہی فنا نہوگی۔
 درکوی ہاشاکستہ دلی میخیزد نہیں بازار خود فروشی از ان سوی دیگر است
 ہمارے کوچہ میں صرست شکستہ دلی ہی خریدی جا سکتی خود فروشی کا بازار یہاں سے اور طرف ہو
 انہو نفس کو ہدایت ہو کہ اگر عاشق بیچارہ تو ہر وقت اگر مجبوشی عشق سے عظمت کا اظہار کیوں کرتا ہے
 کوچہ عاشقی کو وہ ہی لوگ خریدنے میں یعنی عشق و محبت کرنے میں کہ جو شکستہ دل ہوں اور دل ہی
 زکیم ہوں خود فروشی کا بازار اور طرف ہو بازار عشق میں عاشق سوائے شکستہ دل کے اور کچھ نہیں خرید
 سکتا۔ خود فروشی کی گنجائش یہاں نہیں ہے۔

نقل ہے کہ کسی بادشاہ کی بیوی کا ہاتھ ٹوٹ گیا اور اسکے پانہ بننے کو اسے جراح کو بلایا گیا خیر سہ
جراح ایسا خوبصورت تھا کہ گواہ سے ٹوٹے بازو کو تو پٹی باندھ ہی مگر شہزادی کا عضو عضو اپنے
عشق کی ضرب سے ٹوٹا ایسی تھوڑی سی چیز تھی کہ اسے ہاتھ کو آرام نہ ہو گیا
تو جراح نے آٹا ہند کر دیا۔ اس پر کچھ بھڑکے اور پھر ٹوٹی۔ جب کو کچھ عشاق ہی سمجھ سکتے ہیں
اچھا ہاتھ کو آرام ہوا کہ دلہن کی صورت کو ترس گواہ اور خیم بھل کی طرح ٹپنے لگی مجبور لاپی زو
دا کہ کو لگا کر اور چھو بیٹھ گیا۔ یہاں کیا اور اس کا علاج بھی پوچھا۔ اس نے کہا کہ اسکا علاج
اگر ہو سکتا ہے تو یہی ہے کہ اپنے ہاتھ کو چھو کر لے آئے اور اسے ہاتھ توڑ لیا اور
تب اپنی بیوی کا دیر دیکھ کر ایک شل بھنی پانی کہ ہاتھ توڑ کر عشق پایا۔ لہذا دل جو تمام
اضحاو کا باو شام ہے اگر دیکھیں اس اول توڑ تو کہیں جا کر دسل محبوبہ کی تمنا کے ور نہ
دماغ ہو وہ نہایت خیال باطل بیٹھ دیا کہ عاشق صادق کی بہت شہزادی کی بہت سے کی طرح

حافظی طرفه شاخ نبات است نکلتی کش میوه ولید پیر از شهر و شکر است

ما فطریر افندی کی عجب شانیں ہوتی ہیں کہ اور کایہ وہ شکر و زیادہ دل پسند ہے

قلم کا صنفی شاخ نبات جو نواں ہے۔ صاحب کو محبوب کا نام تھا شاخ قلم کا میوہ یعنی اشعار جو بہت کم
و دلچسپ ہیں مطلب یہ کہ یہ قلم تیرا قلم ہے وہ اشعار کلام ہیں کہ جو شہر و شکر سے زیادہ
شیرین ہیں۔

ما ابروی فسترفاعت عیسبریم باپا دشت گوی کہ روزی مقدرست
 ہم فقر و فاقعت کی ابرو نہیں کہو سنے بادشہ سے کہو کہ رزق تو تقدیر کا ہے
 کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اوس زمانہ کہ بادشاہ نے حافظ صاحب کو بلا یا تھا۔ حافظ صاحب خود تونگ
 لکڑی شعلہ لکڑی بیچ دیا کہ ہم فقیر بادشاہ ہو کر پاس جالو سوا ہر فقر و صبر کی ابرو نہیں کہو تے جبکہ روزی رازق کی
 ہاتھ پر تو ہیں بادشاہ کی کچھ پر وائیں۔ شعر درپہ شاہون کہ نہیں جائز فقیر اللہ کے ہر جہان کہ تو ہیں

سب ہم دان قدم رکھتے نہیں عیش کن کہ حال رخ ہفت کشت
 شیراز آب کنی و آن باد خوش نسیم اوسکو عیب دلگا کہ ہفت اقلیم کرخ کا حال ہو
 غلامی طور پر تو حافظ صاحب اپنی وطن شیراز اور کن آباد نامی نہر جو اوسین ہتی اوسکر کنارہ کر
 شندھی شندھی ہوا کو ہفت اقلیم کے رخ کا حال بتلاتے ہیں گویا اپنی جائز سکونت کی تعریف
 کر رہے ہیں کہ وہ سائون ولایت کرخ کا تل ہو مگر باطنی اعتبار پر رکتا بادوسو عشق اور حال ہو
 زیبا ہو ہفت کشور ہو تمام عالم مراد ہے اور مطلب یہ کہ اسی میری وجود کو منکر میں ہو عشق محبت
 کی نہر جاری ہے اور وہ انفاس جو کچھ ہی ہوا کی طرح اوس سے نکل رہی ہیں تو ایسی شکر کو
 وجود کی حقارت سے نہ دیکھ گودہ حقیر ہے تاہم اوس سے تمام عالم کی زیبائش ہوتی ہو اور گویا
 وہ ہفت کشور کے رخ کا حال ہے۔

فوق است آب خضر کہ ظلمات عمارت با آب ماکہ فیج اش اللہ اکبرست
 آب خضر سے فوق ہے کہ اوسکی ملک ظلمت ہے ہمارو آب ہو کہ اوسکا مخرج اللہ اکبر ہے
 آب سے عشق اور خضر سے مجازی عاشق مراد ہے ظلمات سے عبارت قابل غصہ کی کہ جو
 حقیقتاً کیفیت ہے۔ اللہ اکبر شیراز میں ایک پہاڑ کا نام ہے کہ اوس سے چشمہ جاری ہے
 بعض نے لکھا ہے کہ اللہ اکبر اوس چشمہ کا اپنی نام ہے غرض کہ اس سے مقصود ذات بیچون
 یا لطیف زبان ہو کہ جو دل سے نکلتا ہو اور مطلب یہ کہ ہمارا اور عاشقان مجاز کے عشقوں میں بڑا
 تفاوت ہے اسلئے کہ مجازی عاشق صورتوں کے عاشق ہونے میں جو محض کیفیت شے ہو
 مبنی ہیں اور آخر میں سرگل کر خاک ہو جانوالی ہیں اور ہم ذات ایزد بیچون پر عاشق ہیں جو سب کا

مقام عیش میسر نہیں ہو سبے رنج بلی بکرم بلا بستہ اندر وز است
 بغیر رنج کے درجہ عیش کا میسر نہیں ہوتا بلی کا عہدِ بلا کے حکم پر روز است باندھا تھا
 یعنی مقام عیش جو کہ وصل ہی بغیر رنج اور ٹھٹھے میسر نہیں ہوتا بمقدار اس مثل کے عشق تمام المعنۃ
 والہ علاء عشق تمام محنتوں اور مصیبتوں کا سبب ہے لہذا وہ بلا کہ جو روزا زل کو قالوٹی کر اقرار سے

اختیار کی گئی تھی مقام عیش تک پہنچا سکی بلا سے بلا عشق مراد ہو۔
 بہت نیست مرغانِ ضمیر خوش میباش کہ نیست سست سر انجام ہر کمال کہ بہت
 موت حیات سر رنج نہ کر خوشدل رہ کیونکہ انجام ہر کمال کا جو کہ موجود ہی نیست ہی ہے

بہت نیست یہ غنایا فقر نیست باسوت مراد ہیں اور دوسرا مصرع بھی صعود و ہبوط کے اعتبار پر کہ جو چیز پیدا
 ہوئی ہو وہ مرنے کے لئے ہے اس بات پر دلیل ہے کہ کسی مخاطب کو بھی کسی خوشی اور موت کا غم نہ کر بلکہ ہر وقت
 خوش رہے کیونکہ یہ ضرور ہو بوالی ہیں اور عارت وہ ہی ہے جو ان باتوں کی پرواہ نہ کرے

شکوہ آصفی واسپ باد و منطق طیر بیاد رفت و از ان حج اجہیج طرف نہ
 دیدہ آصفی ہوا اگر گوز می پسریوں کر بولی بیکار گئی اوس سے خواجہ کی کوئی فائدہ نہ اٹھایا

آصف حضرت سلیمان علیہ السلام کو وزیر کا نام تھا مگر اسبگہ شکوہ آصفی سے خود حضرت سلیمان کی طرف
 اشارہ ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کہ جب کا تمام عالم میں دیدہ بہ تھا ہوا کی گوز می پر سوار ہوتے
 پرندوں کی بولیاں سمجھتے تھے نتیجہ میں سب برباد ہو گیا اور خواجہ کو یعنی سلیمان علیہ السلام کو
 اوس سے کچھ نہیں حاصل ہوا۔

بال و پر مر و از رہ کہ تیر پرتابی ہوا گرفت زمانی ولی بنجاک شست
 بال و پر سے راہ میں نہ اور کہ تیر چھوٹا ہوا کچھ دیر ہوا پر رہتا ہی لیکن پھر خاک پر آ پڑتا ہے

بال و پر سے دنیا کا مال و جاہ مراد ہے پر تاب یعنی پوری قوت سے تیر پہنکنا یعنی دنیا کے اسباب
 شوکت میں گمراہ اور مغرور اور اپنی عمر حیات فانی پر فریفتہ ست ہو گیا تو نہیں دیکھتا کہ پر تاب کیا ہوا
 یعنی زور سے پہنکا ہوا تیر اگرچہ کچھ دیر ہوا میں بلند پروازی کرتا ہی لیکن آخر کار ہر خاک ہی پر آگرتا ہی
 یہی تو اپنا حال سمجھ کہ چند روزہ جوانی اور شوکت و نیروی جو تجھے مغرور کر رہی ہے ایک دن یہی تیر کی طرح
 خاک پر آ پڑے گی اور موت تجھ کوٹی میں ملا سکی۔

بشگفتہ شد گل حمر او گشب بلبل مست ضلای سرخوشی ای عاشقان بادہ پرست
گل سرخ کھلا اور بلبل مست ہوا ای عاشقان بادہ پرست یہ خوشخبری کی علامت

معنوی طور پر گل حمر سے ظہور صنوعات و مشاہدات تجلیات مراد ہے۔ بلبل سرخ عاشق کامل مطلب
یہ کہ عشق و محبت کا گل سرخ کھلا پس ای عاشقان بادہ پرست یہ خوشخبری سنو اور دوزد و ڈاکر شراب
محبت پوینے بلبل وارا اپنی گل چرس سے طلب حقیقت مقصود ہر تار ہونے کو موجود ہو جاؤ

اساس تو یہ کہ در محکمہ چو سنگ نمود بہین کہ جام زجاجی چگونہ اشکست
تو بہ کی زیاد کہ جو مضبوطی میں پتھر کی طرح تھی دیکھ کہ جام شیشہ زاد کو گس طرح توڑ ڈالا

جام و صراحی سے شراب یعنی ذکر سبب و لہر ادہ سبب جس سے عشق مراد ہے اور مطلب یہ کہ میری توبہ
جو مضبوطی میں تپ سے کم نہ تھی۔ اور سیطرہ نہ ٹوٹی دیکھ کہ وہ شیشہ کی مٹی کے ذریعہ جس کا کنا عشق کی طرقت
آسانی سے ٹوٹ گئی یعنی میں نے شراب محبت پہنچی شروع کر دی ہر شیشہ سو پھر کا توڑنا قابل لحاظ ہے
یار بادہ کہ در بار گاہ استغنا چہ پاسبان چہ سلطان چہ ہوشیار و چہ

شراب لاکہ بنے پیر و پاسر کارین کیا چو کدرا کیا شاہ کیا ہوشیار کیا ست (سبب اہلین)
یعنی اس حافظ شراب نوشی میں جس سے عشق و محبت کی طرف کنا یہ ہر کوشان رہ وہ عشق حقیقی ہو یا مجازی
عشق کنو جا کیونکہ محبوب کی استغنا کو سامنیوں و کافر فرمان بردار گناہگار نیک و بد سب برابر ہیں
کہ مذکورہ کسی کا محتاج نہیں موافق آیت کریمہ إِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ پس جس کو سرفراز کرنا ہے
بلا کسی سبب علت کو سرفراز کرنا ہے اور جس کو کمزور کرنا ہے اس کے واسطے ہی کسی ظاہری سبب کا ہونا
فوری نہیں یہ صفت و کلی شان استغنا ہی و کبر بانی ہے چاہے دم بہرین فقیر کو بادشاہ کر دے چاہے

چشمزدن میں شاہ کو گدا بنا دے رواق طاق معیشت چہ سر بلند و چہ
ازین رباط و در چون ضرورت چیل تو ایوان معیشت کیا اور سپ کیا بچا

اس دور کر سا فرمانہ چیکہ کچ کی ضرورت ہے
رباط مسافر خانہ رباط و در سے دنیا مراد ہے کیونکہ اس میں ایک دوسرا دوسری سی جانا ہوا کرتا ہے
یعنی جبکہ بہان سے جانا ضروری ہو تو آرام سے گزریں یا تکلیف سے دونوں برابر ہیں اس واسطے کہ اس
آرام و تکلیف کو جو جہاں اس کو کہ دنیا ناما پندار ہے کچہ پنداری نہیں۔

باندھا ہوا اور سب تصورات جو عاشق کی آرزو کا مرکز ہو زمین ایک جگہ بیان کر دئے ہیں۔
 پروا نہ پڑا ہر دور و درگشان خود گیر کہ نہ ادا نہ خبر این تحفہ ہمار و زراست
 ایڑا ہر جا بلا کشون پر عیب جوی نکر کہ ہر روز ازل میں اس تحفہ کو اور کچھ نہیں بایا
 یعنی اس عارف نے اپنے اس صبح جا اپنا کام کر عاشقوں اور مصیبت زدوں پر عیب نہ لگا کہ ہر روز ازل میں سوئے
 اس عشق و محبت کی تحفہ کی اور کچھ عطا نہیں فرمایا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عاشقوں کو بلا کشی اور مصیبت
 روز میثاق کو ہی لے لے کر تیری عیب جوی سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

انچہ اور نیت بہر پیمانہ مانو شیدیم اگر از خم بہشت ست و راز بادہ ست
 جو کہ اور نہ پیمانہ مانو شیدیم اگر شراب طور ہو تو کیا اور شراب ست ہو کیا
 اس لیے کہ اگر شراب بہشت جس سے عشق حقیقی مراد ہوا تو ہمارے ہمارے (استعداد) میں اونڈیل دی تو پئی
 گئی اور اگر شراب بہشت یعنی عشق مجازی دیا تو لیا نہیں جو کچھ مانوس نہ دیا اور اولی سے دیا ہر
 ہم نہ اپنی طرف سے کوئی بات قبول نہیں کی۔

خندہ بام نہی و زلف و کر گہر نگار ای بسا تو بہ کہ چون تو بہ حافظ شکست
 جام شراب کی تھی اور مشوق کی زلف گر گہر نے ای مخاطب بہت کو گوئی تو بہ کو حافظ کی یہ کیلیج توڑ دلا
 خندہ بام نہی جام نہی روی محبوب زلف گر گہر جذب عشق سے تھلی ایزدی اور حال سردی کو جذب عشق
 طرف جھک دی بہت کم تر عشق نہیں کیا بلکہ جہاں سے بہت کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔

نور اچھو ہر شہر و کوہ و دریا تو بہت کشاد کار من اندر کر شہنا تو بہت
 یکا نہ تیری ابرو کی صورت پیدا کی تو تیری کرشمہ نشی میری کار کشادگی کو بہت کیا
 دل را کہ تیری ہر صفت ہم سے ہے جس روز کہ خدا کی تیری دل را ابرو کی صورت بنائی تو وہی صورت
 میری ہر صفت کا ہے جس روز کہ خدا کی تیری دل را ابرو کی صورت بنائی تو وہی صورت
 کہ آفت سے تیری ہے جس روز کہ خدا کی تیری دل را ابرو کی صورت بنائی تو وہی صورت

ہزار ہا سر و پہاڑ را چو نگار کشاد زمانہ تا قصبے کش قبا تو بہت
 ہزار ہا سر و پہاڑ را چو نگار کشاد زمانہ تا قصبے کش قبا تو بہت
 سر و پہاڑ سے ہزار ہا سر و پہاڑ را چو نگار کشاد زمانہ تا قصبے کش قبا تو بہت

زبان کلمات حافظ چہ شکر آن گوید کہ تحفہ سخنش میسر بدست است
حافظ تیر زبان قلم او سکا کیا شکر کرے کہ بزرگ او سکر سخن کا تحفہ ہاتھوں ہاتھوں لکھتا ہو
مطلب صاف ہو کہ اسی حافظ تیر قلم کی زبان خدا کا شکر کیا ادا کر سکتی ہو کہ اسکی لکھو ہو ہر اشعار
شائق ہاتھوں ہاتھ لجاتے ہیں یعنی قدر کرتے ہیں۔

زلف پریشان عرفناک مستہم لب اور ست
پیرن چاک و غزل خوان صراحی درد
زگش عریضہ جو و لبش افسوس کنان
پیرن چاک غزل گاتا ہوا ہاتھ میں صراحی
آنکھیں لڑائی گریوالی اور او سکر افسوس کر نیوالے
نیم شب مست بہالین من آمد نیشست
اوی رات کو مست میر کی سر سے آن کر بیٹھا
سفر گوش من اور دہا و از حزمین
گفت کامر عاشق شوریدہ من خوابت
سہرے کان کو پاس لایا اور نگین آواز سے
عاشقی را کہ چنین بادہ شبگیر دہند
کہا کہ اسی میر پریشان عاشق تجھ کو بند آگئی
جس عاشق کو کہ ایسے شبگیر شراب دین
کافر عشق بود گریو و بادہ پرست
اگر شراب نوش نہ تو کافر عشق ہے

ہم ہر چار شعر سلسلہ وار میں لکھا ہم سب کا مطلب ہی جگہ بیان کرتے ہیں یعنی میرا محبوب زلف
پریشان کہ ہوئی چہرہ پر عرق مستے مستہم لب پیر میں دیکھو متا جہا متا ہاتھ میں صراحی غزل گاتا ہوا
مخمر سر مرگین آنکھیں لب کو افسوس کرتا ہوا غرض کہ جننی باتیں معشوقوں کو متعلق ہیں اون سب کو
ساتھ آدھی رات کو کہ جو عارفوں کے مشاہدہ کا وقت ہوتا ہے میرے سر ہانڈا کر بیٹھ گیا اور
اپنا ہونہ میری کان کے قریب لاکر اوس ملول آواز سے جو عموماً ایسے وقت معشوق بنالیا
کرتے ہیں کہنے لگا کہ اسی پرانے عاشق تجھ کو ہمارے عشق کا ریت سو دعویٰ ہے اور اسوقت غافل
سوتا ہو معشوق کو نیند نہیں آئی او کی آنکھیں دیر اور محبوب کو انتظار میں ہمیشہ گہلی زہی میں پھر
تو کیوں ہو گیا جس عاشق کو بادہ شبگیر جس سے مشاہدات نیم شبے مست و ذہن پلا دین اور وہ نہ
پے نوبت ہو کہ وہ کافر عشق ہے یہ جس عاشق کو ایسے مشاہدات میر ہون اور وہ اگر
عشق میں سامی نہ تو سمجھنا چاہئے کہ شکر عشق ہے مطلب یہ کہ عشق ہے محروم ہے اسکو
بوری عشق نہیں پہنچی۔ ان شعروں میں حافظ صاحب نے بھاری کے ہر ایہ میں حقیقی مشاہدہ کا سماں

اور اس کے حالِ زار پر توجہ فرما۔

تو خود حیاتِ گرہودی کی زمانِ وصال خطا نگر کہ دل امید در وفای تو بست

اس زمانہ وصال تو خود دوسری زندگی تھا اس خطا کو دیکھ کہ دلی تہمتے وفا کی امید باندھی

مطلب یہ کہ اس زمانہ وصال تو زندگی کی طرح یوفا تھا جسے جس طرح کہ زندگی یوفا ہوتی ہے
اسی طرح تو بھی یوفا نکلا تھوڑی دیر رہا تو اس اعتبار سے گویا خیالِ یوفا کی تو خود دوسری
زندگی تھا پس دلی قصور پر غور کر کہ اس نے تہمتے وفا کی امید رکھی ہے دل نے غلطی کی دیکھو
تہمتے ایسی امید نہ رکھنی چاہی تھی۔

ہم از نسیمِ توروزی کشا میباید چون غنچہ ہر کہ دل خویش در ہوا کی تو بست

تیرے نسیمِ فصلِ سو کسی روز کشائش پائے گا جس کسی غنچہ کی طرح دل کو تیری جھڑکا بند کیا
ہے ایہ ذاتِ پاک خدا جس عاشق نے کہ اپنا دل تیری عشق کی خیال میں غنچہ کی طرح باندھا وہی تہمتے
تیری نسیمِ صفتِ سحرور شگفتہ ہو گا۔

ز دستِ جو تو گفتم ز شہرِ خرامِ فرست بخندہ گفت و حافظا کہ پام کی تو بست

میں نے کہا تیری ظلم کی وجہ سے شہرِ چوڑ و ننگا ہنس کر جواب دیا کہ اس حافظا تیری ہر تہمتے ہر تہمتے
ظاہری مطلب تو صاف ہی باتنی میں جو رہے محرومی وصال لیا جائے گا جو کہ عاشق پر یہ تہمتے ظلم
کی ہی سمجھنا چاہیے اگر اصلی سنے جو کہ کے لئے ہا میں تو شاہدِ حقیقی کی واسطی ایسا لفظ نہیں کہ نہیں ہو گا
دوسرا مصرعِ معشوق کی زبان سے ہے۔ یعنی جب میں نے کہا کہ اسے محبوب میں تیری وصال کی
محروم ہوئی علت میں شہرِ چوڑ و ننگا تو اس نے جواب دیا کہ جا تو کہاں جاے گا تیری باؤں عشق کی دسی کی
بند ہی میں۔ یہ گویا بطور استغنا کے ہے جو معشوق کی خاص صفت سمجھنی چاہی۔

ای ہر صبا بسا بے فرستمت بنگر کہ از کجا بکھا بے فرستمت

ای ہر صبا میں تہمتے شہرِ صبا کو بھیجتا ہوں دیکھ کہ تہمتے کھان سے کھان کو بھیجتا ہوں
حیف است طہرِ جو تو و خالہ ان دہر و شجا با شیان و فاسے فرستمت
افسوس کہ تہمتے طہرِ اور یہ خاکہ ان زمین اس جگہ میں تہمتے آشیانہ و فاکو بھیجتا ہوں
ہر صبا کی پیغام بر صبا مراد ہے۔ کہا کہ خواجہ علیہ الرحمۃ کا کوئی دوست بہت زوردار از غلام پرست

نرسین قبا ایک قسم کی قبا کو کہتے ہیں جس پر ہل بوتے بنے ہوتے ہیں اور قصب نرسین قبا سوات مبارک
 حضرت کی طرف کنا ہے۔ یعنی جس روز سے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات مبارک کو مسح فرمایا ہے
 دوسرے روز سواروں کا طریقہ جو آنجناب کی امیدوار ہیں آپ کی خاک راہ پر بھی ہو رہے ہیں
 مرا و مرغ چمن راز دل بہر آرام
 سحر گمان کہ دل بہر دوزخ تو بہت
 میرے اور مرغ چمن کو دل کو آرام لے گیا
 صبح کی بوقت دنوں کی دلوں کو تیرا آواز نے باندا
 یعنی میری اور مرغ چمن کی جس سے مرشد طریقت مراد ہو دنوں کو صبح کی بوقت تیری آواز نے
 بفرار کیا یہ آواز اسی اسی کی تھی جس سے عشق پایا جانا تھا پس اسی محبت نے ہمارے دلوں کو دنوں کو

اپنا مستحضر کیا ہے
 زکار ما و دل غنچہ بس گرہ کشود
 نسیم صبح چو دل در رہ ہوا تو بہت
 غنچہ کر دل اور ہمارے کام بہت سی گرہیں کھین
 صبح کی ہوا کی جھل تیرے حرم کی راہ میں باندا
 مطلب یہ کہ جب ہمارے مرشد طریقت نے تیری محبت میں اپنی دلوں کو باندا ہے یعنی تیرا عشق کیا تو ہمارا
 اور ہمارے دل کا کام بن گیا۔ بہت سی غم و الم مثل خوف خاتمہ اور مشر و شر کہ ہمارے دل پر طاری تھی
 اور جس سے ہم ڈرتے اور کانپتی تھی سب جاتی رہی۔ اور بہت سی دہشتوں سے چمکا رہا ہوا۔
 مرا بہ بند تو دوران چرخ راضی کرد
 ولی چہ سود کہ سرشت در رضا تو بہت
 بلکہ گردش چرخ تیری پابندی پر راضی کیا
 لیکن کیا فائدہ کہ میرا سلسلہ تیری رضا میں باندا
 مطلب یہ کہ گردش چرخ نے میری تعلق کو دین نبوی کی مضبوطی سے جکڑ دیا لیکن اس کے
 کچھ فائدہ نہیں یہ بے سود بات ہے اس واسطے اصل کار و بار کو خدا کی رضا سے تعلق ہے اور بلا
 اس کو مرضی حاصل کر ہوئے کہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں شعر اکلاوردی بہبود
 نداشت + دین زوئی سود نداشت

چونافہ بر دل مسکین من گرہ مفکن
 کہ عہد سزلت گرہ کشای تو بہت
 میری دل مسکین پر نافہ کی طرح گرہ نہ ڈال
 کہ عہد سزلت گرہ کشای تیری سے باندا
 یعنی میری دل پر نافہ کی طرح گرہ نہ ڈال اور پیچ و تاب کشمکش ہجران میں نہ کر کہ کیونکے اس بیچارے
 تیری زلف سے جبکہ اشارہ جذبہ عشق کی طرف ہے عہد دوستی کر لیا ہے اس پر اپنا فضل و کرم کر

عالم پر چلتی رہتی، اپنی دعاؤں خیر کا قافلہ تیری پاس روانہ کرتا ہوں تاکہ تجھ کو عاشقِ کمال پر رحم آوی
اور اپنی پاس بلا کر۔

در روی خود و تفرج صنع خدا کن کاغذِ خدا سے نہا میفرستمت

اپنی چہرہ میں خدا کی صنعت کو دیکھ کہ یہ آئینہ خدا نما میں تیری پاس بھیجا ہوں

گویا حافظ صاحب فرماتی ہیں کہ اسی مخاطب یعنی عاشقِ دلیر اگر تو چاہتا ہو کہ اس کی معرفت کو
پہنچے تو مجھے چاہئے کہ اول اپنی معرفت کو پہنچ کر تیرا وجود جمع الہیات والصفات ہو
اور جو کچھ دنیا میں ہو وہ اوسے دم میں نفسکے افلا بنصرون اور اس مضمون کی کلام کو
گویا میں بے آئینہ خدا نما کے تیری پاس بھیجا ہوں یعنی تجھے بتاتا ہوں یاد دلانا ہوں کہ
من عرف نفسه فقد عرف ربه۔

تا لشکر غمت نکند ملک دل خراب جان عزیز خود لبِ اسی فرستمت

تاکہ تیری غم کا لشکر ملک دل کو برباد نہ کرے اپنی جان عزیز کو تیری نذر کیلئے بھیجا ہوں

یعنی محبوبِ اسو اسطین اپنی جان نذر کر دیتا ہوں کہ تیرا لشکر غم جس سے ہجرانِ یاد و عشق مقصود ہے
میرے ملک دل کو برباد نہ کر ڈالے گویا عاشق کی ہجر جان بمنزلہ فدیہ کرے کہ جسکو لیکر لشکر غم بربادی
دل کو دست بردار ہو جائے۔

ہر دم غمی فرست مراد بگو بناز کاہن تحفہ از پیرِ خدا میفرستمت

ہر دم مجھے غم دے اور ناز سے کہو کہ خدا کیلئے یہ تحفہ تیری پاس بھیجا ہوں

مطلب صاف ہے تشریح طلب نہیں معشوق کی غایت کا اظہار ہے کہ وہ ہر وقت نیا غم دیتا اور اسکو
تحفہ بنا کر قبول کرانا ہے۔

ای غائب از نظر کہ شدی منشین دل میگوییٹ دعا و ثنا میفرستمت

اے نظر سے غائب کہ تو دل کا منشین ہوتا ہو میں تیری تعریف کرتا ہوں اور تجھ کو دعا و ثنا

یعنی اگر وارِ عینی جب تو اس خاکدانِ کبریا میں عاشقِ سوستان وفا کی طرف کہ جو معشوق کا
مقام ہے پہنچے تو اس دعا کو گنجائش سے عرض کرنا کہ اے نظر سے دور اور دل سے قریب میں ہر حال میں
تیرا ثنا خوان اور دعا کنندہ ہوں کوئی دم تیری یاد سے خالی نہیں گذرنا۔

اوس سے ملاقات نہونی تھی تو آپ نے یہ غزل اوس دوست کو لکھی تھی اور چونکہ وہاں تک پہنچنے والا کوئی
 قاصد نہ تھا اسلئے صبا کو پیغام پر بنایا اور بعضی تواریخوں میں ہے کہ یہ غزل بہمنیہ خاندان کو بادشاہ ہون
 سے کسی بادشاہ کیواسطے لکھ کر بھیجی تھی جو آپ کی ملاقات کا نہایت شائق اور آپ کا معقد تھا۔ مگر
 سنوی اعتبار سے یہ ہر صبا مرشد کی طرف اشارہ ہے اور یہی ممکن ہے کہ اس سے کنایہ واردات نصیبی
 کی طرف ہو۔ شمس بلقیس کو شہر کا نام تھا جسکو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فتح کیا تھا اور ہر ہر نے
 اوس شہر اور بلقیس کو حال سے حضرت کو مطلع کیا تھا جسکا مفصل قصہ تفسیر و تہذیب مذکور ہے۔ لیکن
 بیان سے باہر عالم معشوق مراد ہے اور مطلب یہ کہ اسی مرشد میں سچے معشوق حقیقی کے عالم میں پہنچنا
 تاکہ اوسکو حال سے تو مجھے آگاہی دی اور دیکھ کہ میں تجھے کہاں دکھان کو بیٹے عالم لطیف و عالم
 لطیف کو پہچان ہوں پس وہاں باہمین تانیہ تکجیب تو ہمارا حال محبوب سے عرض کر گیا تو شاید وہ ہم
 رحم فرما کر ہر سال سے سرفراز کرے پھر کہیں کہ تجھے طائر بلند پرواز کا اس خاکدان دہر میں ہونا نصیب
 کی بات ہے لہذا میں تجھکو اس خاکدان سے آشیان و فاک کی طرف کہ میں سے عبارت و اشتیاق ہے
 بہتر ہوں و یا معشوق کو آشیان و فاک اس عرض سے کہا گیا کہ وہ جگہ عاشقوں کی و فاک کا مزع ہے
 واضح ہو کہ خواجہ صاحب حالت جذبہ محبت میں مرشد کامل کو ہر ہر سے قرار دیکر بطور تصور عالم اول کو
 عالم اعلیٰ کی طرف پہنچتے ہیں اس سے مرشد کی سوز ادبی خیال نہیں کی جاسکتی بلکہ عاشق کا اشتیاق کا پستہ
 چلتا ہے کہ ہر طریق محبت محبوب حقیقی کا اس سے زیادہ حال بیان کرے جیسا کہ کرتا ہے

دراہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست می بنیت عیان و وعامی فرست

براہ عشق میں منزل دور و نزدیک نہیں ہے میں تجھکو عیان دیکھتا ہوں اور وعادتا ہوں

یہ منزل عشق میں ظاہری طور پر کچھ قرب و بعد نہیں ہے پس کہ محبوب میں تجھکو صاف طور پر دیکھتا

ہوں اور وعادتا ہوں اگرچہ عالم جسمانی کی قید میں تیری جناب سے دور ہوں لیکن باطنی طور پر

جہاں ہوں تیری ساتھ ہوں اور تجھے دیکھتا ہوں

صبح و شام قافلہ از وعاسے خیر در صحبت شمال و صبا سے فرست

صبح و شام کو وعاسے خیر کا فائدہ باد صبا اور باد شمال کہ ساتھ تیری پاس کو پہنچاتا

صبح و شام یعنی علیٰ ابد و ام۔ یعنی میں ہوا اگر ہر جگہ اطراف

نیسے خراب و ننگا تیرا دامن کہی نہ پھوڑو ننگا۔
 گریبا یم شدن ہو کر باروت باسے صد گونہ ساحری کہنہ تا بیمار مست
 اگر میرا جانا باقی کی طرح باروت کر پاس ہو تو سو طرح سے ساحری کروں تاکہ تم کو لاؤں
 بابل شہر کا نام ہے۔ حل لغات میں لکھا ہے کہ اس جگہ غرور و ذی ایک عظیم الشان محل طیار کر لیا تھا
 کہتے ہیں کہ اسکی بلندی پانچ ہزار گز تھی اسکا اونچا بنانے سے غرور کی یہ غرض تھی کہ وہ ابراہیم کے
 خدا سے جنگ کرے۔ اتفاق سے ایسی تند ہوا چلی اور زلزلہ آیا کہ وہ بلند محل اور صدمہ سے
 گر کر نیست و نابود ہوا اسی بابل کے کنوئین میں باروت و باروت دو فرشتے بھی اسیر ہوئے
 سمجھتے تھے کہ واسطے انکو تھوڑا زرہہ پر عاشق ہو کر قید کر دیں گے۔ مگر اس شعر میں باروت سے
 مرشد کامل اور بابل سے اس کی جا کے سکونت مراد ہے۔ اور حافظ صاحب نے معشوق سے خطاب
 فرمائی ہیں کہ اگر میں بابل میں باروت کی پاس ہو چوں تو اس سے سمجھ سکے کہ تم پر ایسا جادو کروں کہ
 تو میری پاس آ جاؤ یعنی مرشد کامل کو ذریعہ تیری ملنے کی تدبیر کروں۔

محراب پروان بہ نمانا سحر کی دست دعا بر آرم و در گردن آرمست
 ابرو نگہی محراب دکھاتا کہ صبح کے وقت ہاتھ دعا کیلئے اٹھا کر تیری گردن میں ڈالوں
 ابرو کا کنا یہ شاید تجلی کی طرف ہے اور مطلب یہ کہ اے محبوب اگر تو مجھ کو اپنی وصل کی مرتبہ کو نہیں
 پہنچا تا تو ذرا اپنا جلوہ تجلی ہی دکھا دی تاکہ صبح کو مشاہدہ کیوقت کہ جو دعا کا وقت ہوتا ہے
 میں دعا مانگوں اور بذریعہ اس دعا کو اپنا دعا حاصل کروں۔

خواہم کہ پیش میرست امیوفا طیب بیمار باز پرس کہ در انتظارست
 امیوفا طیب میں چاہتا ہوں کہ تیری سامرو بیمار کو بونچھل کہ تیری انتظار میں ہے
 مطلب کہ امیوفا طیب میں ہمیشہ اس قصد میں رہتا ہوں کہ تیری قدم پر جان دوں پس تو اپنی بیمار کا حال پوچھو
 کہ واسطہ قدم رنج و فراق ہے کہ انتظار میں ہے کہ کب طیب ہو گا اور کب مریض ہو گا اسکا منہ میری واضح ہو کہ اگر یہ پوچھا
 کا لفظ ادب سے درج ہے لیکن چونکہ معشوق کا کار و بار عاشق کے موافق نہیں ہوتا اس لحاظ سے اسکا لانا برا نہیں۔
 صد جو کر آب بستام از دہدہ در کنار پر تو کی تم مہر کہ در دل بکارت
 سو ندبان پانی کی آنکھ سے بنائی ہیں تم نعمت کے باعث جو کہ میں زدن ہو جاؤ

تا مہربان ز شوق منت آگہی دهند قول و غزل بساز و نوا میفرستمت
 تاکہ مطلب تیرے شوق سے تجھے مطلع کریں کلام اور غزل ساز و نوا کیساتھ بھیجتا ہوں
 اس جگہ نوامنی نوشکر آیا ہو یا آواز کے معنوں میں ہو کہ پیدا لکھتے کلمات اور اچھی اچھی باتیں جو سلسلہ نظم کی صورت
 میں ہیں تیری پاس بھیجتا ہوں تاکہ میرے ہر نیکو بعد جو لوگ آئندہ اس فن کو قائم مقام ہوں وہ ان اشعار کو
 چڑھ کر میرا شوق تیرے سامنے اظہار کریں اور تجھے میری یاد دلا دیں۔

ساتی بیا کہ ہالت غنیمت بڑھ گشت باد و صبر کن کہ دوا میفرستمت
 اس ساتی آگہی ہالت غنیمت غنیمت غنیمت غنیمت غنیمت غنیمت غنیمت غنیمت غنیمت غنیمت
 ساتی سے مراد مرشد ہے اور مطلب یہ کہ ایسے مرشد تو کس واسطے مجھ سے غافل ہو کر شراب عشق حقیقی پلا کیونکہ ہالت غنیمت
 مجھے خوشخبری سنائی ہو کہ میرے جلد تیرے مرض کی دوا بھی جاتی ہے چونکہ اس دوا سے مراد تو ہی ہے پس جلد
 اور احوان مشوق حقیقی بیان کر کر کہ مجھ کو بادہ محبت سے سیرور فرما۔

حافظ سرو مجلس ماذکر خیر نست قجیل کن کہ اسپ قبا میفرستمت
 اس کا مانتا ہمارے مجلس سرود میں تیرا ذکر خیر ہے جلد ہی کر کہ گھوڑا و چوڑا تیرے واسطے بھیجتا ہوں
 اسپ قبا سے دوا کی وصل یا نامہ پیغام مراد ہے اور مطلب یہ کہ اس حافظ ہم انہی مجلس سرود میں تیرا ذکر خیر ہمیشہ
 کر رہے ہیں تیری لہو دوا کی وصل یا نامہ پیغام بھیجا جاتا ہے جلد آ اور اس مجمع حقانیت میں شریک ہو
 یہ شعر محبوب حقیقی کی زبان سے بیان کیا گیا ہے اور اس سے عاشق کی طلبی درگاہ حقیقی میں مقصود ہے۔

ای غائب از نظر بھد امی سپارست جانم بسختی و بدل دست ارمیت
 اس کے نظر سے دور میں تجھ کو سوچتا ہوں تو نے میرا دل جلا یا میں تجھ کو در دست کہتا ہوں
 یہ قول فیض و ارادات باجدا ہے مرشد میں لکھی گئی ہے اور مطلب صاف ہے کہ اس کے نظر سے غائب میں تجھ
 کو اس واسطے سوچتا ہوں کہ میری جان تو انہی فراق میں سوختے کو دیتا ہے در حالیکہ میں تجھ کو بے تائے
 زیادہ عزیز کہتا ہوں یہ تو تیری بھو فانی سپر و خدا کروں تو کیا کروں۔

تا دامن کفن ناشر ز پامی خاک باور کن کہ دست و امن بد ارمیت
 جب تک کہ میں خاک کر کے کفن نہ پہنوں یقین سے کہ تیرے دامن کو چوڑ دوں گا
 یعنی اسے محبوب تو کہی یقین نہ کر کہ میں تیرے دامن کو مرزئی پہ چوڑ دوں گا جب تک کفن کا دان نہ پڑو گا

بجان خواجہ وحی قدیم و ہمدوست کہ یونین و دم صبح دعا کی دولت مست
خواجہ کی جان حق قدیم و ہمدوست کی قسم کہ صبح کو تیری دعا کی دولت یونین ہمیں ہو

بجان کی بسمیہ ہے خواجہ سمراد حضور سرور کائنات حق قدیم یعنی صبحت عالم اطلاق۔ عہد
درست سے مقصود قالوہ پہلے پایہ کہ روز ازل کو اللہ تعالیٰ نے ارواح سے کہا کہ گلشن جاننے
میں جا کر صفات لیزوی کو ملاحظہ کرو اور ہماری جدائی سے غمگین مت ہو کہ ہم ہر وقت تمہاری ہمراہ
ہو گئے دم صبح وقت صبح جو دعا کا وقت ہوتا ہو۔ اور مطلب یہ کہ رسول مقبول کی روح پر فوج
اور اوس صبحت قدیم کی قسم کہ جو عالم اطلاق میں ہم تیرے ساتھ رکھتے تھے اور نیز اوس عہد درست کی
قسم کہ جو مجھے کیا تھا اور جس پر اب تک قائم ہیں کہ ہر صبح کو ہماری یونین تیری دعا کی دولت ہی ہوتی
یعنی ہم قسم کھاتے ہیں کہ ہر روز صبح کو ہم ہوتے ہیں اور تیری دعا گوئی

شک بن کہ ز طوفان نوح دست ہر
سیرا شکشیم کہ جو طوفان نوح سے بازی لیگا

یعنی میرا شک جو طوفان نوح سے بھی بڑھ گیا اوس تیری نقشِ محبت کو جو میری نوح دل پر لکھا ہوا ہے
نہ دھوسکا یعنی وہ نقشِ محبت اتنا پاک ہو کہ اس کو طوفان نوح بھی نہ دھوسکے گا۔

بکن معاملہ و این دل شکستہ بختر کہ ہا شکستگی از زو بعد نزار دست
سودا کر اور اس شکستہ دل کو خسرید کہ شکستگی کو ساتھ سو ہزار دست تو ہستای

یعنی محبوب میں شکستہ دل کا سودا کر اور اسے خرید لے اس لئے کہ یہ ہمارا ٹوٹا ہوا دل لاکھ سالم دلون سے
بھی سستا ہو چونکہ ثابت دل قابلِ قدر یا لالین تعریف نہیں ہوتا اس لئے ایک شکستہ دل کو مقابلہ میں
لاکھ ثابت دل از ران بھیجے جاسکتے ہیں۔

شدم ز عشق تو شیدا ہو کوہ شوق منور
میں تیری عشق کی بدلت کوہ شوق شیدا ہوا ہوں

نطاق یعنی کمر بند و گنڈی۔ یعنی اے محبوب میں تیری عشق کے ہاتھوں کوہ و بیابان میں شیدا ہوا
پھر تاملوں ابھی تو سلسلہ بندش کو نہیں ٹوٹا یعنی مجھ کو اس بند سے آزاد نہیں کرتا مقصود اس
شعر کا موت کی طلب ہے۔

یعنی ایسی محبوب حقیقی تیری بحرین میری گریہ وزاری حد کو پہنچ گئی گویا نوبیان پانی کی اویں کر
جاری ہیں اور یہ سب دسکوا باعث ہے کہ تیری محبت کا تخم میں ڈالو مگر عدل میں بدلے لیا ہی نہیں ہے

مشق پیدا کیا ہے

خونم پر زلف از غم بجرم خلاص کن منت پذیر غم نہ خیر گذار مست

میرا خون کر کہ غم بجر سے رہائی پاؤں میں تیری غم نہ کر خیر کا منت پذیر ہو جاؤں

میگر یہ مجھ و مرادم ازین چشم اشکبار تخم محبت است کہ در دل بکار مست

روتا ہوں اور میری مراد اس چشم اشکبار سے تخم محبت کا سینا ہے کہ جو میں در دل میں بویا ہے

یعنی میری مراد اس گریہ وزاری اور اشکباری چشم سے صرف اس تخم محبت کی سرسبزی کرنے ہے
جو میں در دل میں بویا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس گریہ سے مراد گریہ محبت ہے کہ جو میری دل میں معشوق حقیقی

کی ہر وقت خوش زدن تھی ہے

گر دیدہ و ولم کنز آہنگ دیگری آتش زخم دوران دل و دیدہ بر آرمست

اگر میری آنکھ اور دل دوسری کا قصد کرے تو انہیں آگ لگا دوں انہیں اور دل کا لکڑی تیرا ہوں

یعنی اگر میری آنکھ دوسری تیری کسی دوسری کو دیدار کی خواہش کری یا دل اور کسی کی محبت کا دم بہری تو میرا دوسر
آنکھ اور دل کو کا لکڑی تیری پاس بھیج دوں مطلب یہ کہ میں صرف تیرا ہی عاشق صادق ہوں۔

بارم وہ از گرم بر خود تا بسوز دل در پات و مہدم گہرا ز دیدہ بار مست

اپنے گرم ہی مجھ ہی فریب یاد کر تا کہ سوڑ دل تیری قدیم پر دمدم لگا لگا آنکھ میری برباؤں

یعنی ایسی محبوب دلنواز کسی روز تو مجھے اپنی فریب آنکی اجازت دے تا کہ دمدم سوڑ دل کی گہرا سے
اشک تیری قدموں پر تار کروں

حافظ شراب شاہد زندگی وضع مست فی الجملہ میکنی و فر و نسب گذار مست

ای حافظ شراب شہر معشوق پسندی اور زندگی کو فریاد کر رہا ہے تو جو تو میری بہت کرتا کہ میں تجھ معاف کرتا ہوں

مطلب یہ کہ ای حافظ شراب خاری اور معشوق بازی اور زندگی تیری وضع کے مناسب نہیں ہے
مگر چونکہ تو ان باتوں میں حد سے نہیں بڑھا ہے اور کمر کرتا ہے لہذا سبقت رچنے سے غصہ
کا اعتبار سے میں تجھے معاف کرتا ہوں۔

میں نے حفاظت اور برہان و فائدہ جو ہے گیادہ بلوغت پر باشد جوان گیادہ رست

ایہ جملہ مشنوں پر نوبیہ ہوا اور فرما کہ تم ذہب و ندرہ

یغما کی خاطر اگر تم کو دعویٰ عشق ہو تو معشوقوں سے وفا کی امید نہ رکھنا اور نہ ان کی اس بات سے نچیدہ ہو کہ تو تکہ بلغ
مین جہان عمدہ عمدہ پہل ہی ہوتی ہے وہاں کہاں ہی ہوتی ہے اس طرح معشوقوں میں جہان تمام خوبیاں

تھی بن وہاں بیوقوفی ہی ہوتی ہے اسکی کچھ شکایت نہیں کرنی چاہئے۔ خلوت گزیرہ رہا تماشہ حجابت سے۔ چون کوئی دوست بہت بھرا چہ حجابت

خلوت گزین کو تماشہ کی کیا حاجت ہو جب کوئی بار موجود ہو تو صحرای کی ضرورت ہو

مطلب سیمہ کہ چشتیہ تبارک الدنیا ہو کر گوشہ نشین ہوا ہلو کو جیسا کہ ناشہ سکھ اسرار کا درویش سب سے قطع تعلق کر کے باطنی مطلب نور کو فی محبوب کا مجاور بن گیا اور اس کو اپنا مسکن قرار دیا کہ انوار سے بھگی میں حیران و سرگردان نہ رہے کی کہ ضرورت نہیں۔

جانا بجا هستی که ترا هست با خدا می
آخرد می سپر که مارا چه حاجتست

ای جان اوس حاجت لی کہ جو خدا سے رشتہ دار
آخر صیوت ہو پوچھے کہ ہمارے حاجت کیا ہے

یعنی اگر جان میں تیرا اسی حاجت کی قسم دیتا ہوں جو تو خدا کے غرض کی درگاہ میں رکھتا ہوں کہ کسی مجاہد سے ہی تو پوچھ لے
میں تجھ سے کیا اتنا رکھتا ہوں۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ چاہت مند کی حاجت کو چاہت مند ہی خوب جان سکتا ہے۔

ای بادشاہ حسن خندار ابو نعیم

اور شاہ سن خدار اہم غلے جا بے دین بھی لو پو پھہ لہ عیبر کی لیا جا بے دین

ارباب حاجتیم زبان سوال نیست
در حضرت کریم تقاضه چه حاجتست

ہم اہل حاجت ہیں مگر زبان سحر سوال نہیں کر لے۔ درگاہ لایم میں نقاشہ لی لیا جا جسے

جنت دکنی تھانگو لو اگر دھماکی سے کئی تہائی بن جھوٹا بن حضرت کریم سید مراد رسولی کریم بن۔

جام جهان نماست ضمیر منیر دوست
دوست کار و شش دل جام جهان نما ہے

طلب کرد و سقّی نمود و پیر و ده سکر و دوزخا حال او را و انکی حاجتین جانها می بردند و در مس حاجت ظاهر گردیدگی ضرورت نمید

لما تم بحرابی مکن کہ مرشد عشق

حوالتم بحرابات کرد روز نخست

بجو خرابی پر ملامت نکر کہ مرشد عشق سے
روز ازل میں جو خرابی کا حوالہ کر دیا ہے
نما طلب اسکا نام نصیحت گوہر مرشد عشق اللہ تعالیٰ مراد جو خرابات کا کہ یہ زندگی کی طرف سے سمجھنا چاہیے اور اس کا نام نصیحت
جو عشق پر ملامت نکر اس واسطے کہ مرشد عشق روز ازل میں ہی جو عشق و محبت کو حوالہ کر دیا ہے۔

ولا طمع مبر از لطف بر نہایت دوست

چولا عشق زدو کسر باز چابک دست

اکو دل دوست کی بر ایان لطف کا لالچ نکر
جو نو عشق کا دم بہر تازی تو چستی کی سر پر کسبل جا
مطلب یہ کہ اکو دل تو لطف محبوب تو اس پر منقطع نکر کہ لا یقتنوا من رحمۃ اللہ بلکہ حب تو معشوق کی خوشی کا خواہاں
اور دعویٰ عشق کرتا ہے تو سر کو مردانہ وار ادب کی راہ میں فدا کر دے۔

زبان مور بر آصف دراز گشت از ان

کہ خواجہ خاتم جم یا وہ کردو باز نخست

چونٹی کی زبان آصف پر اسلئے دراز ہوئی
کہ خواجہ زبمشید کی لگوٹی کو دی اور پڑو سکونڈ ہونڈا
چونٹی حشرات الارض میں ہے ایک ضعیف ترین مخلوق جو جسکا اشارہ اس جگہ نفس کی طرف ہوگا۔ آصف حضرت
سلیمان کو وزیر کا نام تھا جسکا کنایا اس موقع پر روح کی جانب ہے۔ اور خواجہ خاتم جم ہی مراد ہے جم حضرت سلیمان

کی واسطے آیا ہے اور اس سے مراد حق سبحانہ تعالیٰ۔ خاتم سے عبارت معزتا الہی۔ اور مطلب یہ کہ نفس کی زبان روح پر
اس واسطے چلی کہ روح کو معرفت الہی کو اس قالب غصری میں آن کر اتمہ سے کہو دیا اور پھر اسکی تلاش میں حیرانی

نہاں ہوئی۔ ظاہری مطلب صاف ہے کہ چونٹی نے بگڑ کر آصف وزیر پر زبان طعنہ دراز کی کہ اکی آصف تو نے
حضرت سلیمان کی پیش قیمت لگوٹی اپنی غفلت سے کہو تو دی اور پھر اسکو ڈھونڈہ لڑکی کی قیمت ادا نہ کی اسکا مفصل

کتاب میں اور نیز تفاسیر کلام مجید میں لکھا ہے ہم سمجھا کہ اسکی تلمیح کی تمام کمال طور پر ضرورت نہیں سمجھتے۔
یصدق کوش کہ خورشید زاید از نسبت

راستی میں کوشش کر کہ تیرے دم سے خورشید پیدا ہو
کہ صبح کاذب دروغ غمی سے رو ہوتی ہے
مطلب کہ راستی اختیار کر جو ٹھٹھ نہ بول تاکہ تیرے دم سے خورشید پیدا ہو صبح صادق کی طرح کہ صدف کی سبب و کمر سائے

آفتاب نکل آتا ہے بر غلاف صبح کاذب کہ اکو سکڑ جھوٹ کر باعث اسکا چہرہ سیاہ ہوتا ہے جسے صبح کاذب کہ
بعد پیرانہ سیر ہو جاتا ہے اور صبح صادق بعد سوچ نکل آتا ہے پس یہ جھوٹ اور سوچ کی شناخت ہو دیکھنا چاہیے
کہ صبح کی تشریف کر دو دنوں لفظ کیجئے اچھی آئی میں۔ صبح تخت صبح کاذب کو کمتر میں۔

ہر وقت خوش کہ دستِ مہرِ معتمد شام

ہر وقت خوش کہ ناتھہ آوے غنیمت جان

مطلب یہ کہ کسی کو اپنی انجام کار کی خبر نہیں کہ کیا ہوگا۔ پس ہر شخص کو لازم ہے کہ خدا کے الطاف سے بے نیاز

نظر رکھے کہ ہر وقت اور ہر حال میں خوش رہے جو کچھ بھی فراغ دلی نصیب ہو اور سکونیت سمجھتی حالت ہم دور جائے

طلب کو متفکر ہونے دے۔

پیچوند عمر بستہ بموئیت ہوشدار

ہوشیار ہو کہ عمر کا پیوند بال سے بندنا ہو

اپنی غمخواری کر زمانہ کا غم کیا چیز ہے

عمر کا جوڑ بال سے بندنا ہو جس کے ٹوٹنے کا ہر وقت احتمال ہے یعنی زندگی بالکل قابل اعتبار نہیں پس

تجلیو چاہئے کہ عقل کو کام فرما کر صرف اپنا غم کہا اور حصولِ معرفت میں سعی کرے تیرے لئے زمانہ کا غم کہانا

بیفائدہ ہے سب سے پہلے اپنی فکر کرنی چاہئے۔

راز و رول پرودہ زردان مست پرس

پرودہ کے اندر کار از مست رندوں سے پوچھ

ای مدعی نزاع تو با پرودہ دارِ حقیقت

اے منکر پرودہ دار سے کہنا جھگڑا کرتا ہے

مست رندوں سے عاشقانِ کامل اور پرودہ دار سے اہل ظاہر مراد ہیں۔ مطلب یہ کہ ای منکر تو اہل ظاہر سے

معرفت الہی کا حال پوچھنے میں کیا ردِ قبح کرتا ہے۔ حال اہل باطن یا عاشقانِ کامل سے پوچھ۔ یعنی

رازِ معرفت کو سوائے عارفوں کے اور کوئی کیا جانے۔

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند

زائد و مست دونوں جبکہ ایک خاندانِ سمین

مادولِ عشوہ کہ دیم اختیارِ حقیقت

ہم کسکی اور دل میں ہمارا کیا اختیار ہے

مستور بمعنی عابد و زاہد جبکہ عابد و زاہد صوفی و مست عاشق اور رند سب ایک قبیلہ سے ہیں یعنی سب

اوسے کے طالب ہیں پس ہم کسکے طریق پر چلیں اور کسکو اختیار کریں۔ اور جب یہ بات ظاہر کرے کہ اولیٰ کاملین

قسمت پر موقوف نظر آتے ہیں کہ ہمارا کیا اختیار ہے یعنی ہمیں بھی اوسے کو اختیار ہے ہم بالکل مجبور ہیں۔

سہو و خطای بندہ جو گزند اعتبار

اگر بندہ کی سہو و خطا پر اعتبار کرتے ہیں

معنی عفو رحمت پروردگارِ حقیقت

تو عفو رحمت پروردگار کے کیا معنی ہیں

یہ شعرا و حدیث کی تلمیح ہے اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوِزُ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَاۃَ وَالْاَسْثِيَاۡتِ و فرمایا رسول خدا صلی اللہ

ان شد کہ باز منت ملای بر دے او سر خود دست او بدر با چه حاجت

وہ وقت گیا کہ ملای کا بار احسان او ٹھاون جب گوہر ہاتھ آگیا تو دریا کی گہر حاجت

ملای مراد قریب گہر مقصود مرشد کمال دریا بغیر دریا پر مشق مطلب کردہ زمانہ گیا جبین مرشد کمال کو دریا کیلئے قریب کا بار احسان
اور لکنہ اب غیب میر کا تہہ ہر مقصود گیا ہی بغیر دریا پر مشق بن مرشد کمال بلکہ انور قریب کا بار احسان و ثنائی کی ضرورت نہیں۔

اگر مدعی پرو کہ مرا با تو کار نیست احباب حاضر اند با جدا چه حاجت

اگر دشمن جا کہ میرا سب سے کچھ کام نہیں دوست حاضر بن دشمنوں کی کیا ضرورت

اسلامی اور مشرقی و اسلامی مقصود ملای کو جگہ جس کا لفظ آیا ہے لیکن اس سے مفہور اوہو کی اسلئے کہ مثلاً اگر کسی شخص کو پاس ایک دوست یا ایک دشمن
ہو تو وہ کو کچھ اور دیکھو گا اور دشمن کو کچھ نہیں دیکھو گا اور وہی کی دشمن اور وہی کی دوست گاہے نہ اس مطلب یہ ہو کہ اس مدعی ملای کو کچھ دیکھو
کچھ غرض نہیں میرا دوست میری پاس موجود ہے جبکہ دوست کو کسی کو دشمن کی ضرورت نہیں ہوتی۔

محتاج جنگا نیست گرت قصہ خون بات چون رخت از ان تست یغما چه حاجت

دشمن کی احتیاج نہیں گرت ہمارے خون کا ارادہ کر جب یہ رخت تیرا نیا ہو تو توڑ کی کیا ضرورت

یغما کی محبوس بن تو اگر میری جان لینا چاہو تو یہ موجود ہے اور ایسا کہ نہیں جنگ کی جس کو کنگھو اور ضرورت نہیں کہ میں یہ تمام کرنا
چاہتا ہوں کہ کچھ بچان نہ ہو تو کچھ نصرت با نہیں ہر اور میری پابند نہیں ہو کر تو اس پر کیا کمانہ طور پر تو اسکی تانتی مارا میں کون کوشش کر کر۔

اگر عاشق کہ دلچوب روح بخش یار مسدا نعت و طیفہ تقاضہ چه حاجت

اگر فقیر عاشق جب یار کالب جان بخش تیرا ذکر کرتا ہو تو تقاضہ کی کیا ضرورت ہو

میرا اور فقیر عاشق جب یار کالب جان بخش جس سے لطف و کرم مقصود ہے کچھ جاننا اور تیرا ذکر کرتا رہتا ہو تو تیرے
تقاضہ طلب کی کیا ضرورت اور یہ بے قراری سے کیا نفع دیگی۔

حافظ تو ختم کن کہ ہر خود عیان شود بامدی نزاع و محابا چه حاجت

حافظ قصہ ختم کر کہ ہر خود خود عیان ہو جاتا ہے دشمن سے جھگڑا اور بڑائی کی کیا حاجت

مسیحی ظاہر کہ حافظ مسکرت ہو کچھ قصہ کہ نکلی ضرورت نہیں ہر ہر خود خود عیان ہو جاتا ہے تیرا نہیں تیری شہرت کیواسطے کافی ہے۔

خوشتر عیش و صحبت باغ و بہار چیست سانی کیاست کو سب انتظار چیست

صحت باغ و بہار کہ عیش و بہار کیا چیز ہے سانی کمان ہو سلاؤ کہ انتظار کی وجہ کیا ہے

بار کاں پل کیلن ہے بہار گل جس سے شہادت اذن سانی مرشد کمال ابو عدنانی باغ عیش مقصود ہے مطلب یہ کہ
صحت باغ جس سے مراد پل اور باغی بہار جس سے شہادت مقصود ہیں اس سے زیادہ کون عیش کر کہین جسکو دریا ہوں دو چہ کہ عیش
شربت عیش اور شربت عیش با سانی کی مدد ممکن نہیں اسے سانی کمان ہو اور سلاؤ کو کچھ انتظار کی وجہ کیا ہے۔

یعنی ایسی عورت خلق و کرم کے لئے ہر شہر میں بلکہ تمام عالم میں شہور ہو کر افسوس کہ غریب عاشقوں کے کام میں عجب تاخیر کرتا ہے اور علاج اور کئی طرف متوجہ نہیں ہوتا تاخیر تری ذات والاصفات سے عجب معلوم ہوتی ہے۔

میسکہ شیر منور از لب بچون شکرش
گرچہ در عشوہ گری ہر شرداش نیست

لب شکرشان سے ایسی رودہ ہی ٹپکتا ہے اگرچہ عشوہ گری میں انکی ہر ایک قاتل ہے

قاتل اسم فاعل اور قتال صیغہ فاعل التفصیل ہے یعنی ہر قاتل کو موالا۔ ظاہری مطلب صاف ہے باطنی اعتبار

شیر لطف رحمت و عشوہ گری کمال استغنا کے معنی استعمال ہو کر میں مطلب یہ کہ شیر لطف و رحمت اور کے

لب شکران سے ٹپکتا ہے معنی ظاہر ہوتا ہے کہ ان اللہ لکھ و فضل علی الناس۔ و ان اللہ لغفور

و اللہ غفور و رحیم و سبقت درختی علی فضلی اگرچہ کمال استغنا سے اور کی ہر شے جس سے صفت مراد

ہو سکتی ہے قتال ہے معنی اور سکا ہر شدہ سالک کی فنا پر دلالت کرتا ہے۔ ان اللہ شکران العقاب

و اللہ شکران العذاب و اللہ مغنی عن العلیین و اللہ الواحد القہار یہ سب ان کی

کمال لطف و مہربانی ہے۔

بعد ازین نم بود شائبہ در جو ہر فرد
کہ دران تو درین نکات خوش استعلاست

بعد ازین مجھے جو ہر فرد میں شک نہیں رہا کہ تیرا دین اس تار پکی کی ابھی دلیل ہے

جو ہر فرد اس جز سے عبارت ہے کہ جسکو مشکلیں جز لا تجزئی کہتے ہیں۔ جز لا تجزئی کے معنی یہ ہیں کہ وہ ٹکڑا

نہیں کرے اور ٹکڑے ہو سکیں مثلاً سرمہ کہ بہت باریک ہو کر جب آنکھ میں لگانا چاہیے تو کہا جائیگا کہ

اوسکے اجزا لا تجزئی ہو گئے یعنی اور کی ہر جز تہی باریک ہو گئی اب پس کی قابل نہیں رہی۔ پس فلا سقر و نہ کا

ایک فرق اس بات پر ہے کہ اب سرمہ کے اجزا کے اور جز نہیں بن سکتے۔ دوسرا کہتا ہے کہ اوسکے اور جز بھی

بن سکتے ہیں لیکن دراصل جاری آئے او کو اس سے زیادہ باریک نہیں بنا سکتے۔ ان آئوں کا کام تو اس قدر

باریک کر دینا تھا اب وہ او کو ان کمال سے آئین کہ جو ان باریک ریزوں کے زیادہ باریک ریزی بنا سکیں

یہ ایک ایسی بحث ہے جو کبھی ختم ہی نہ ہوگی۔ حقیقتاً اول الذکر قیاس کے تقسیم جز لا تجزئی محال ہی صحیح معلوم ہوتا

کیونکہ اکثر علماء اس طرف ہیں۔ چونکہ شعرا دین کو باریک نقطہ سے تشبیہ و بیکرتے ہیں لہذا خواجہ صاحب

فرماتے ہیں کہ اب جو ہر فرد کے غیر تقسیم ہو نہیں سکتے نہیں رہا اسلئے کہ تیرا دین اس باریکی کو ثبوت کی پوری

دلیل ہو اگر وہ دکھائی دیکھتا تو جو ہر فرد میں تقسیم ہونی ممکن تھی پس یہ شعور کو یا معشوق کی تنگی اور ہی کے

عبدیہ سلم نے کہ شکر اللہ تعالیٰ میری امت کی خطا و قصور سے درگزر کرتا ہے۔ پس اگر عاشق کی خطا و قصور سے
مشتوق کے نزدیک اعتبار نہیں ہے تو بتلاؤ کہ غفور رحمت اور آمرز گاری کے کیا معنی ہیں۔

زادہ شراب کو شر و حافظ پیالہ خواست تا در میانہ خواستہ کردگار بہت
خواہد شراب کو شر کو اور حافظ پیالہ کو چاہتا ہے لیکن دیکھئے کہ کردگار کی مرضی کیا چاہتی ہے

پیالہ سے مراد پیالہ شراب عشق و محبت ہے اور مطلب یہ کہ زادہ زہد و تقویٰ اور صلاح کاری کو پسند کرتا ہے اور
حافظ عشق و محبت کا دلدادہ ہے و دونوں یہ کام وصال الہی کے واسطے کر رہی ہیں مگر دیکھئے کہ اوسکی کیا مرضی ہے

اور وہ کس کو پسند کرتا ہے یعنی نہیں معلوم کہ وصال محبوب حقیقی زادہ کو ہو گا یا حافظ کو۔
ماہم این ہفتہ شد از شہر ہجیرت سالست حال ہجران توجہ دانی کہ یہ شکل حیات

یہ عاشق شہر سے اس ہفتہ گیا ہے ہجیرت سالست تو ہجران کو حال کو کیا جائے کہ یہ شکل حال ہے
شہر ہجیرت میں مہینہ کو کہتے ہیں اس اعتبار سے شہر ہجیرت میں ماہ اور شہر اور سال ہفتہ کی رعایت میں قابل غور میں

یہ غزل حالت ہجر محبوب میں لکھی گئی ہے اور مطلب صرف یہ ہے کہ میری مشتوق کو اس شہر سے گئی ہوئی ایک ہفتہ ہوئی
مگر میری آنکھوں کو یہ ہفتہ ایک سال کی برابر گزرا جو اصل کے سینے گھڑیوں کی طرح گزر جاتے ہیں اور ہجیرت گزیران

عاشق کے ٹھوس سال معلوم ہوتی ہیں۔ پس یہ مخاطب تجھ کو اس شکل حال یعنی ہجر کے حال کی کیا خبر ہے کہ یہ حال
کیسا شکل ہوتا ہے۔

مردم دیدہ و لطف رخ او در رخ او عکس خود دید گمان کرد کہ شکستہ خاست
آنکھوں کی پتلی نے اس کے رخ کے لطف سے ادھمن عکس اپنا دیکھا اور گمان کر لیا کہ یہ سیاہ تل ہے

یعنی آنکھوں کی پتلی نے رخ معشوق میں جو کہ صفائی اور لطافت رکھتا تھا اپنی عکس کا سیاہ دیکھ لیا اور اس
اپنے عکس کو غلطی سے رخ محبوب پر تل قرار دیا۔ حالانکہ یہ غلطی تھی رخ محبوب پر وہ تل نہیں تھا بلکہ خود سیاہ

پتلی کا سیاہ تھا۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عارف کامل نے تجلیات میں جو کہ صاف اور لطیف تھیں
اپنا ہی عکس دیکھ کر اس کو ذات حق سمجھ لیا دراصل وہ ذات حق نہ تھیں بلکہ خود اوس کا عکس تھا۔

اس صورت میں مردم دیدہ سے عارف رخ سے تجلیات شکین خال سے ذات حق مراد لجاو گئی۔
ایک انگشت نمائی بکرم در ہمہ شہر وہ کہ در کار غریبان عجب است

ای محبوب تو کرم کو اسے ہر شہر میں انگشت نما ہے افسوس کہ غریبوں کی کام میں عجیب تاخیر کرتا ہے

ناکشوده گل نقاب ہنک حلت سازم نالہ کن بلبل کلم گلابانک دل افکار ان ترا
 گل نقاب ناکشوده نے ارادہ رحلت کا کیا ای بلبل نالہ کر کہ دل افکار دنگی فریادچی ہوتی ہے
 گل ناکشودہ نقاب - وہ پہول کہ ہنوز کہلا نہ ہو - گل مرشد بنبل معنی ستر شدہ مطلب یہ کہ ہنوز اوس محبوب سے
 نقاب ہوی نہ کہولی تہی یعنی کما حقہ اپنا جلوہ ہی نہ دکھلایا کہ رحلت کا ارادہ کر دیا ای عاشق بیکس رو
 کیونکہ دل افکاروں کی فریاد سنی جاتی ہے اور ضرور قبول ہوتی ہے شاید کہ اوسکی جانبین توقف ہو
 البکاء و غصہ حاصل ادا ات رونما ہی حصول مرادات کا ذریعہ ہے - کہتے ہیں کہ حافظ صاحب نے یہ شعر
 اپنے پر کے سخت مرض کی حالت میں تصنیف فرمایا تھا -

مرغ شیخو ان را بشارت باد کا ندر راہ عشق دوست را بانالہ شہبائی بیدار ان خوش
 رات کو پڑھنے والی پرند کو خوشخبری ہو کہ راہ عشق میں دوست شب بیدار ہو گا نالہ سو خوش ہوتا ہے
 مرغ شیخو ان سے عاشق شب بیدار - اور دوست کی محبوب حقیقی مراد ہی معنی عاشقان شب بیدار کو خوشخبری
 ہونی چاہئے کہ دوست حقیقی رات کو اُسکی خوف سے رونیوالوں اور شب بیداروں سے خوش ہوتا ہے -
 گرچہ بازار دہر خوشدلی خیر نام نیست شیوہ رندی خوش باشی عیار ان خوشتر است
 اگرچہ بازار دنیا میں نام کے سوا خوشدلی کوئی خیر نہیں عیار ان کا شیوہ رندی اور خوش باشی اچھا ہے
 مطلب یہ کہ اگرچہ دنیا میں خوشدلی کا نام نہیں پایا جاسکتا یعنی خوشدلی عفا صفت ہو رہی ہے لیکن
 عیاروں کا شعار جو کہ رندی اور خوش گزارنے کی ہر ہر چیز ہے -

از زبان سوسن این آوازہ ام کہ گوش کاندرین دہر کہن کار بسکار ان خوش
 سوسن کی زبان سے میری کان میں یہ آواز آئی کہ اس دہر کہن میں بسکار کا کام اچھا ہوتا ہے
 سوسن کا پہول بہت نازک اور مختصر ہوتا ہے مگر یہاں سوسن ہی مراد عارف کامل ہے یعنی عارف کامل
 کی زبان سے میں نے یہ بات سنی کہ اس دنیا کے کہن میں بے تعلق رندا جیسے میں جو تمام جہگڑے
 بکھڑوں سے پاک صاف ہلکے ہلکے سدا رہا جاتے ہیں -
 حافظ انک زبان گفتن جالب خوشدلیت تائید داری کہ احوال چہ انداز ان خوش
 حافظ جہان کو صوفیوں کا طریق ہے کہ میں تو یہ نہ بچو کہ جہان والوں کا حال اچھا ہے
 حافظ ہی توضیح طلب نہیں اس شعر سے ترک دنیا کی پابیت مقصود ہے -

وصف میں ہے اور اسکو جو ہر فرد کی بحث میں صرف اسی فرض سے لائی ہیں۔
 مژدہ داوند کہ بر گدزی خواہی کرد نیست خیر گردان کہ مبارک فالیست
 لوگ مژدہ دیتی ہیں کہ تو ہمدی پاس ہو کر گذرے گا نیک فیتی کو مست بدل کہ یہ فال مبارک ہے
 یعنی لوگ میرے پاس مژدہ لائے ہیں کہ تو آئیگا پس اللہ تعالیٰ اس توفیق کو تیرا رفیق بنائے کہ تو ہم
 غریبوں کے پاس ہو کر گذرے مگر تو اس اپنے ٹھیک ارادہ کو لوٹ نہ دے جیو کیونکہ یہ فال مبارک ہے
 کہیں ایسا ہو کہ تو اپنی ارادہ کو پلٹ دے۔

کوہ اندوہ فراق ت بچہ جلیت بکشد حافظ خستہ کہ از نالہ تشن چون لبست
 اندوہ فراق کا پہاڑ حافظ خستہ کس ہانہ سے اڑتا کہ نالہ کے سبب اسکا جسم مثل نال کے ہے
 نال مشہور لفظ ہے یعنی وہ چیز جو اندر سے خالی ہو اور مطلب صاف ہے کہ حافظ تیرے فراق کے صید ہو کر
 کھٹکھٹا ہو گیا ہے اور آئندہ وہ ان غموں اور رنجوں کے پہاڑ کو کس جسم سے اڑھائی جبکہ او میں بالکل طاقت
 نہیں رہی۔ نال اوس ہار یک رگ کو بھی کہتے ہیں کہ جو قلم کے اندر سے نکلتی ہے۔

صحن بہتان زوق بخش و صحبت یاران خوش وقت گل فروش باد کز وی وقت میخواران خوش
 صحن باغ ذوق بخش ہے اور صحبت یاروں کی اچھی تو گل کا وقت خوش ہو جو کہ اوس میخواروں کا وقت خوش ہے
 ظاہری مطلب یہ ہے کہ صحن باغ سبب گل تر ذوق بخش ہو رہی جس سے یاروں کی صحبت اچھی معلوم ہوتی ہے پس گل کا
 وقت خوش ہو جو کہ جسکے ذریعہ سے یہ سبب حاصل ہوا۔ مگر حقیقی کے اعتبار سے صحن بہتان بمعنی تجلیات اور یارا
 بمعنی نفس جسدا یا ہی گل سے مراد میخواروں سے عاشقان صادق مراد ہیں۔ یعنی مرشد کے دم سے
 یارا ان طریقت کی صحبت اچھی معلوم ہوئی اور اسکا وقت خوش ہو جو کہ جسے عاشقان حقیقی کا وقت اپنی فیض
 نامنابھی سے خوش کیا۔

از صبا ہر دم مشام جان ما خوش میشود آری آری طلیف اس میخواران خوش
 ہمارا صبح ہر دم خوش ہوتا ہے ان دن ہوا داروں کی انفاس کی خوشبو اچھی ہے
 صبا سے مراد طیب بخوشی ہوا داروں سے عاشقان الہی مراد ہیں۔ یعنی صحن سبب حصول صحبت مرشد
 اور نباتات حقایق کو سنو کی ہر وقت خوشی و خرمی ہوتی رہتی ہے کیونکہ عاشقان صادق کی انفاس بخوشی
 اور فرحت سے مملو ہیں ہمدی مشام جان کے لئے ہر دم فرحت بخش ہیں۔

یعنی جب معشوق محفل سے اُدھر گیا تو دوستوں کے دل کی شمع اس کی جدائی سے گل ہو گئی اور جب
 بیٹھا تو دیکھنے والوں کے فغان زیادہ ہوئے مطلب یہ کہ جب معشوق نے جائیکا را وہ کیا تو عاشق
 بخود ہو گئے یا مر گئے اور جب محفل میں جیہ گئی تو غایت خوشی سے عاشقوں میں بتراری اور شور و فغا
 بلند ہونے لگا۔ غرض کہ اسکا جانا ہی مصیبت اور رہنا ہی آفت عاشقوں کو کسی ضرب چس نہیں آتا

شعر دو گونہ رنج و عذاب ست جان مجنون بر آید بلای صحبت لیلی و فرقت لیلی شہ
 گر غالیہ خوشبو شد در گیسوی او آید نیت در و سمہ کمان کش شد با بروئی او پو
 اگر غالیہ خوشبو ہو تو اس کے گیسو میں لپٹا اور جو سمہ کمان کش ہوا اس کے بارہو میں
 مطلب یہ کہ اگر غالیہ اسلام خوشبو ہو کر طالبوں کے دماغ کو معطر بناتا ہے تو یہ اس کے گیسو میں جس
 مراد نشت ہر دنیا سے متعلق ہے اور وہ سمہ جو کہ نیلا رنگ ہونے کے باعث متعلق بے سیاہی کفر سے
 وہ ابرو سے محبوب سے نسبت رکھتا ہے لہذا ہر دو صفیتیں اسی کی طرف منسوب ہو کر منظر جمال و جلال سمجھنی چاہئیں
 باز آئی کہ باز آید عمر شدہ حافظ ہر چند کہ نامد باز تیری کہ بشد از دست
 تو لوٹ آ کہ حافظ کی عمر ہی بہر آوے ہر چند کہ شست نہ گیا ہوا تیر بہر نہیں لوٹتا

فارسی مثل ہے کہ تیر از کمان جستہ و وقت از دست رفتہ باز نمی آید۔ لہذا حافظ صاحب کہتے ہیں کہ ای
 معشوق تو پہر آ تا کہ حافظ کی عمر رفتہ ہی لوٹ آئی باوجودیکہ کمان سے نکلا ہوا تیر اور ماتہ نہ گیا ہو
 وقت پہر نہیں لوٹتا لیکن چونکہ معشوق کو جان کہتے ہیں اس اعتبار سے اگر معشوق لوٹا تو جان آئی
 اور جان آئی تو عمر دوبارہ پہرائی۔

گل و برو می برکت معشوقہ کام است سلطان جہانم بچین روز غلام است
 گل نعل میں شراب ماتہ پر مشوقہ کام میں ہے جہان کا بادشاہ اس روز میرا غلام ہے
 گل و بر سے کنایہ حصول شہادت و تجلیات می برکت کا اشارہ عشق و محبت حاصل کر لینا معشوقہ
 سے مراد مرشد یا محبوب حقیقی۔ باقی مطلب صاف ہے کہ جب میرا تہہ اس قدر بلند ہو کہ تینوں باتیں بھی
 حاصل ہیں تو اگر بادشاہ کو میرا غلام کہا جائے تو کچھ بچا نہیں۔ شاہ و غلام کی رعایت بظاہر ہے۔
 گو شمع میاں دید درین بزم کہ مشب در مجلس طماہ رخ دوست تمام است
 کہو کہ آج کی رات اس بزم میں شمع نہ لادو ہماری مجلس میں یا رکھنا چاند سا چہرہ کافی ہے

عشق

دردِ پریشان آمد یارم قدحِ دروست
دیرِ رخسارِ میرا یارِ پیمالہ ہائیں لہو ہوا
از فعلِ سمند او شکلِ مہ نو پیدا
اوسکے آپ کے فعل سے ماہِ نو کی شکل بنی

امست از می و میخو از ان از زکس مست
شرابِ می مست او میخو از لوگ او کی چشم مست
وز قد بلند او بالائی کشورِ سیست
اور اوسکے بلند قدم سے صنوبر کی فہنی پست ہوئی

ظاہری طور پر پہلا شعر میں تصورات اور دوسری میں عشق کی توصیف بیان کی گئی ہے مگر باطنی اعتبار سے دیرِ رخسارِ تجلی اسمِ الواسع سے عبارت ہے جو فنا کی صورت رکھتا ہے۔ یارِ می مراد محبوب حقیقی قدحِ دروست او سطر ف کو اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ خود عشق کی شراب عاشقانِ صادق کو پلاتا ہے اس لئے بعض مقام پر لفظ ساقی سے بھی تعبیر کیا ہو می بمعنی کبریا کی گرسٹ کی بطور استغنا کے ذاتِ واحد مقصود ہے اور مطلب یہ کہ اگر محبوب عاشق لوگ اوسکے دیکھنے کے خیالی میں والہ و شہید ہیں در حالیکہ ہم حالتِ محبت اور فنا کی طاری ہے۔ وہ ایسا محبوب کہ ہلالِ بادِ ہوا اس حسن و جمال کے اوسکے گہوڑے کے فعل کی طرح ہے اگر نہ صنوبر سے مشتاقان ظاہری مراد لئے جاویں تو یہ مطلب ہوگا کہ معشوقانِ صوری و مجازی اوسکی مقابلہ میں وہ اس فعل کے نقش کی مانند ہیں جو سوا اسکے گہوڑے کے ہم سے بنا ہو۔

آخرِ چہ گیمِ مست از خود خبرِ چون نیست
آخرِ چہ گیمِ مست از خود خبرِ چون نیست
اور کس واسطے کہوں کہ نہیں در لبِ میری نظر اور کس
پہلے مصرع میں مست اور نیست کا اشارہ اپنے وجود کی طرف ہے یعنی کس واسطے کہوں کہ میں اپنے آپ کو جانتا ہوں یا مجھے میری ہرست اور دوسری مصرع کا یہ مطلب ہے کہ میری نظر معشوق حقیقی پر پڑ رہی ہے ہر من کسلے کہوں کہ میں نہیں در خلاصہ کہ اس شعر میں بندہ کی فنا اور خدا کی بقا کا ذکر کیا گیا ہے۔

چون شمع و جودِ شمع تا بھر خود را
چون شمع و جودِ شمع تا بھر خود را
پروانہ کی مانند جلا یا اور ذائقہ تک نہیں گل ہوا
یعنی ہر جود کہ ہو شمع و جود کی محبت و فنا کی شمع ہو سکر بقا کی بھرتی پروانہ وار ہے
جلتارنا اور کہیں گے شمع کو شستن اور پروانہ کو سوختن کے الفاظ سے تشبیہ دی ہے۔
شمع و مسازان شمع چو او بخت
افغان نظر بازان بخت چو او بخت
مسازان کے دل کی شمع گل ہوئی چو او بخت
نظر بازان فریاد کرنے لگے جب وہ پیشیا

یعنی دوستوں سے کہہ دو کہ آج کی رات اس مجلس میں شمع روشن نہ کریں کیونکہ رخ دوست جس
مشاہدات کلیات مراد ہیں محفل کے روشن کرنے کو کافی دوانی ہے۔

در مذہب مابادہ حلال است و لیکن بی روی توای سر و گل اندام حرام است
ہمارے دین میں شراب حلال ہے لیکن ای سر و گل اندام تیرے رخ بغیر حرام ہے
اس موقع پر شراب عشق مجازی مراد ہے اور سر و گل اندام کا اشارہ محبوب حقیقی کی طرف سمجھنا چاہیے
مطلب یہ کہ ای محبوب ہم عاشقوں کے مظاہر حسینہ کا دیکھنا جائز ہے تاکہ او میں تیری اسما و صفات کا
معائنہ کریں۔ شعر میں کہ در صورت خوبان ہمہ روی نیم نہ تو پندار کہ من روی نکومی نیم، لیکن
اگر ان مظاہر حسینہ بغیر تیری معائنہ اسما و صفات کو محض اغراض نفسانی کے خیال سے دیکھا جاوے تو
محبوبان مجازی کا دیکھنا حرام قطعی ہے۔

گو شمع ہمہ بر قول نی و نغمہ جنگ است چشم ہمہ بر لعل لب و گردش جام است
میر و کان تمام بالنسلی اور جنگ کو نغمہ پرین میری آنکھیں تمام لعل لب اور گردش جام پر
سے و جنگ کے نغمہ کا کنایہ بوجہ اختلاف احوال کے مرشد کامل کی طرف ہی اور گردش جام
و لب لعل کا اشارہ مشاہدات تجلیات کی جانب یعنی میر و کان رشد کے تمام اقوال کی طرف
جو بیان حقائق و معارف کے بارہ میں ہیں لگے ہوئے ہیں اور میری آنکھیں تمام تر مشاہدات
تجلیات محبوب حقیقی کی جانب ہیں یعنی میں کانوں سے رشد کی بانیں سنتا ہوں اور آنکھوں سے
محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھتا ہوں۔

در مجلس ما عطریا مین کہ جان را ہر لحظہ ز گیسوی تو خوشبوی مشام است
ہماری آنکھ میں عطریا مین کہ جان کو ہر لحظہ تر سے گیسو سے خوشبو پہنچتی ہے
یعنی ہم عاشق لوگ عطری کی پروا نہیں رکھتے اس واسطے کہ تیری گیسوی معنبر کی خوشبو ہمارے دل کو کافی
جو ہر وقت مشام جان میں پہنچتی ہے۔

از چاشنی قند مگو رسیچ و ز سکر زان رو کہ مرا بال شیرین تو کام است
قند و شکر کے مزہ کا کچھ ذکر نہ کر اس واسطے کہ ہم کو تیرے لب شیرین ہی کام ہے
ظاہری مطلب صاف باطن میں قند و شکر کا کنایہ زہد و اتقا کی جانب سمجھنا چاہئے لب شیرین کی

پس جب تو عشق کر لگا کر جو کچھ اداسکی تفسیر ہے وہ تیری سچ میں آجائیکی : مصحف کے واسطے
کشاف کا لفظ آیا ہے جو مراد ہے ہی ہے۔

عدو کہ منطق معافظ طمع کند در شعر
ہماں حدیث ہمایٰ وطریق خطاف

دشمن کہ زبان حافظ کی شوزین برابری کرے
تو وہ ہی ہماں اور خطاف والی بات ہوگی

ہماں کا سعد ہونا مشہور ہے کہ وہ جسکے سر پر جاوے تو وہ بادشاہ ہو جاتا ہے بخلاف اسکے خطاف بعض نے
وہ تشدید طار ایک پرند کا نام ہے جو سیاہ رنگ اور ہما کے برعکس نحوس خیال کیا جاتا ہے لہذا
مطلب شعر کا یہ ہے کہ دشمن جو حافظ کے کلام کی برابری کرے اداسکی وہ مثل ہوگی کہ جیسے خطاف نے
ہما کی برابری کا دعویٰ کیا تھا۔

ما را از خیال تو چہ پروای شراب است
خم گو سر خود گیر کہ خمخاتہ خراب است

میرے خیال میں مجھے شراب کی کیا پرواہ ہے
خم لئے کہو کہ اپنا کام دیکھ خمخاتہ خراب ہو گیا

خیال بفتح خا و س صورت کو کہتے ہیں کہ جو خواب میں نظر آئے مگر بیان فضل سے عبارت ہے
شراب بمعنی عشق و محبت خم کا کہنا یہ مرشد کی طرف خمخاتہ سے وجود سالک تصور کرنا چاہئے لہذا
مطلب شعر کا یہ ہے کہ اگر محبوب مجھے تیرا دائمی وصال حاصل ہو جانے کے سبب عشق و محبت کی
پروا نہ رہی مرشد سے کہو کہ اپنا کام دیکھو میرا وجود نیستی میں اگر تمہارا محتاج نہیں رہا اس واسطے کہ
عشق کے لئے مرشد بمنزلہ دلالہ کے ہے جب طالب کو مطلوب مل گیا تو اب دلالہ کی کیا ضرورت گئی

گر خم بہشت است بریزد کہ بی دوست
ہر شربت عذیم کہ دی عین عذاب است

گر شراب بہشتی ہو تو ہی بڑو کہ بغیر دوست
جو بیٹھا شربت کہ بچے دو گری عین مصیبت ہے

خم بہشت کو زندہ و درجہ مراد ہے اور مطالب یہ کہ جو عشق مشاہدہ دوست کے لئے ہوا اس سے بچنا چاہئے اس واسطے کہ
بغیر مشاہدہ معشوق کو بہشتی موجب اداسی و بال کا ہے کہو کہ عشق کا حاصل مشاہدہ ہے نہ صرف عشق یا یہ کہ جو طاعت
و عبادات دوست کو حصول رضائی نہ ہو وہ نہ نقصان رسانے اور اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

افسوس کہ شد و لبر و در دیدہ گریان
تحریر خیال خط او نقش بر آب است

افسوس کہ دلبر گیا اور دیدہ گریان میں
اوسکے خیال خط کی تحریر نقش بر آب ہے

یعنی افسوس ہے کہ دلبر میرا چلا گیا اور دوستے ہوئے آنکھوں میں اداسکی تصویر کا خیال باقی رہا ایسا ہی

عشق میں جبکہ مشاہدات تجلیات رونما ہیں تو تو لیکد مہر ہی بلا عشق و محبت یا بغیر صحبت مرشد کے نہ رہا اور اس وقت کو غنیمت جان کر جو کچھ کسب سعادت ہو سکے کر لے۔

اگر بلطف بخوانی مزید الطاف است و اگر بقہر برانی درون ماصاف است
اگر تو مہربانی سے بلا کر تو مزید الطاف ہے اور جو غصہ سے نکالے تب بھی اپنا دل صاف کر

یعنی اگر تو عاشقوں کو مہربانی سے بلا لے تو عنایت پر عنایت فہو المراد اور اگر غصہ سے نکال دے تو یہی ہمارا دل تیری طرف سے صاف رہی گا یعنی اس پر تجھے ناخوش نہوں گے۔

بیان وصف تو گفتنِ خدامکان است چرا کہ وصف تو بیرون ز حد اوصاف است
تیری تعریف بیان کرنا حد امکان میں نہیں کیسے کہ تیری تعریف تعریف کی حد سے باہر ہے

یعنی تیری تعریف تو توصیف کسی بشر کے امکان میں نہیں اس واسطے کہ وہ تعریف کی حد سے گزری ہوئی ہے پس جب اس حد سے باہر ہے کہ جو انسان کر سکتا ہے تو بہر کس طرح کوئی تیرا وصف کر گیا۔ ۱۸ حصہ

ثُمَّ عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَتَيْتَ عَلَى كَذَبِكَ عَ خَامُوشِي اِزْشَمَائِي تَوْحِدُ شَمَائِي نَسْتِ
چوسو سرکشی ای یار سنگدل ازما چہ چشمہا است کہ بر روی ما ز اطرابت است

مثل سرو کی ای سنگدل یا مجھے سرکشی کرتا ہے کیا چشمے میں کہ جو ہماری سونہ پر چارو لطف سے آنکھ
حاصل اسکا استغناء معشوق میں عاشق کی آہ وزاری ہو اور اسکا بیان اس طور پر کیا گیا ہے چشموں

آنسو مراد ہیں کہ جو آنکھوں سے نکل کے چہرہ پر ہر طرف بہنے لگتے ہیں۔
ز چشم عشق تو ان دید روی بشادما کہ نور چہرہ خوابان ز قاف تا قاف است

معشوق کے چہرہ کو عشق کی آنکھ سے دیکھنا چاہئے۔ کیونکہ معشوق کے چہرہ کا نور قاف سے قاف تک نہ
قاف سے کہ قاف مراد ہے اور مطلب یہ کہ معشوق حقیقی کو اگر معرفت کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا

کہ ان کے چہرہ کا نور یعنی جلوہ دنیا کے اس سر سے لیکر اس سر تک پہنچا ہوا ہے۔
و مصحف رخ دلدار آتی ہر خوان کہ آن بیان مقامات کشف کشف است

رخ دلدار کے مصحف سے آیت پڑھ کہ وہ بیان مقامات کشف و کشف کا ہے
کشف ایک شہور پرائی تفسیر ہے کشف اور یکے حاشیہ کا نام ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے ظاہر پرست

مخاطب رخ معشوق سے (چونکہ شعرا رخ کو مصحف سے تشبیہ دیتے ہیں) کوئی آیت پڑھ یعنی عشق الہی کر

در گنج دماغ مطلب جای نصیحت کاین حجرہ پر از زمرہ جنگ باب
میری گوشہ دماغ کین نصیحت کی جگہ نہ ہو نہ کہ یہ کوٹھری جنگ رباب کی آواز سی پر ہے
قاعدہ کلیہ ہے کہ جب برتن کو کسی چیز سے ہر دین میں تو اوہیں دوسری شے کی گنجائش نہیں رہی لہذا
حافظ صاحب فرماتی ہیں کہ میری دماغ میں ناصح کی نصیحت کو لئے جگہ نہیں ہے اس واسطے کہ اوہیں جنگ
ورباب کے نغمے بہری ہوئی ہیں۔ زمرہ کے معنی باتوں کے ہیں اور اس موقع پر جنگ و رباب سے
عاشقانِ کامل راہ میں تو اس صورت میں یہ مطلب ہے کہ ای نصیحت گو میری دماغ میں تیری نصیحت کی نہ ہو جگہ نہیں
اس واسطے کہ اوہیں عاشقانِ کامل کی باتیں اور معرفت حق کی صدا ہیں بہری ہوئی ہیں۔

راہ تو چہ راہ است کہ از غایت تعظیم در یابی محیط فلک کشی سچو جواب است
تیری راہ کیسی راہ ہے کہ غایت تعظیم سے فلک کا دریای محیط اوہیں جواب کی مانند ہے
یعنی ای محبوبِ حقیقی تیری راہ کتنی عالی ہے کہ فلک ہی باوجود اس بلندی اور شان کے اوہیں جواب کی طرح معلوم ہوتا ہے
بی روی دل آرائی تو ای سمع دل افروز دل رقص کنان بر سر آتش چو کباب است
ای دل افروز شمع بغیر تیرے چہرہ دل آرا کے دل میرا آگ پر کباب کی طرح ناچار ہے

کبا کیسے کی غرض ہے آگ پر پیر زنجیر میں لہذا حافظ فرماتی ہیں کہ ای محبوبِ تیری جزمین میرا آگ پر کباب کی مانند ہے
حافظ چہ شد از عاشق و رندست نظر باز بس طور عجب لازم ایام شباب است
حافظ عاشق اور رند نظر باز ہی تو کیا ہے بہت سی عجب طرزِ مانہ جوانی میں لازم ہوتی ہیں

یعنی اگر حافظ عاشق اور رند نظر باز ہی تو کوئی عجب کی بات نہیں ہو اسلئے کہ جوانی میں لوگ اس سے زیادہ اور عجیب باتیں
کرتے ہیں خلاصہ کہ عالمِ جوانی میں یہ عجب و معجزات ہیں کہ بچہ زیادہ نہ سمجھے چاہے لوگ اس سے بڑھ کر عجب کو ہرگز
کنون کہ در کف شکل جام باوہ صاف است بصد ہزار زبان بلہاشع اوصاف است
اب کگل کے ماتھ میں شراب صاف کا جام ہے سو ہزار زبان سے بلبل اس کی تعریف کرتا ہے

کگل سے مراد ساکب جامِ شراب ہے سستی مستعار بلبل سے طالبانِ معرفت مقصود ہیں مطلب یہ کہ اوش مانہ میں جبکہ
ساکب کی جسم میں حیات بانی سے طالبِ لوگ ہر طرف سے نو شاد کرتے ہیں۔ بلبل سے مراد کہ لفظ کو ہی مناسب ہے
بخواہ دفتر اشعار و روزِ بصر اکین چہ وقت مدرسہ و بحث شش شاف
دفتر اشعار کا لے اور صبح کی طرف رخ کر مدرسہ کا اور کشف و کشف کی بحث کا لیا وقت

جیسا کہ پانی پر نگہ کو خفا خلاصہ کہ نقش آب میرج الزوال مچتا ہی پس رخ محبوب کی تصویر دیدہ گریا نہیں نقش آب کی طرح میرج
بیدار شوای دیدہ کہ امین نتوان بود **زیند سل دمام کہ درین منزل خواب**
اگر نگہ پہل جا کہ بفکر مونا نہیں چاہئے **اس سل و مدم سی جوان آنکھوں میں ہے**
سرخ لقمہ یعنی اشکباری و حوادث منزل خواب سی آنکھیں مراد میں۔ اور مطلب یہ کہ اگر چشم بنیا خاک اور بفکر کی
بجائے میرج و افضل نویسیل اشکباری کہ جو تری آنکھ سی ہر وقت جاری ہی مبادا تیرا نقش (وجود) زائل کر دی۔
معشوقہ عیان میگدزد ویر تو و لیکن **اخیار ہی بیند از ان بستہ نقابت**
معشوقہ تری طرف عیان طور پر ہو کر گدزد لیکن **اخیار ہی دیکھ سکتا ہی اسلئے نقابت الی ہو کر**
یعنی اگر غیظ عارف محبوب حقیقی تری سامنی صاف طور پر آسکتا ہی لیکن اگر وہ اسطرح کہ باندون تری پاس آئی تو
شاید اخیار ہی دیکھ لیں اور پہلے بستہ نقابت یعنی ہونہ دکھ کر نکلتا ہی تاکہ سوای عارفو کی اخیار نہ دیکھ سکیں۔
گل رخ رنگین تو تا لطف عرق دید **در آتش شکان غم دل غرق گلاب است**
جب کہ گل رخ نہ تیر در رخ رنگین پسینہ کا لطف کیا **اس شک میں دل کی غم سے گلاب میں ڈوب گیا**
اکل سی مراد مالک عرق بر رخ رنگین ذات جمال بالکل دوسری مصرع کا مطلب شک کا پتہ دیتا ہی کہ جب مالک ذات جمال
بالکل کو واسطہ کیا تو گویا اس شک سی ڈوب گیا جس طرح کہ گل گلاب میں ڈوبا ہوا ہوتا ہی۔
مور بزم دل از روی تو شمع برافروخت **وین طرف کہ خود روی تو بر بستہ نقابت**
تیری رخ می بزم دلین شمعین روشن کر لیں **اور طرف یہ کہ تیرا چہرہ خود نقابت میں پوشیدہ**
مطلب یہ کہ عالم دلین تیری طور کا سطح میں تو مشاہدہ کر لیا اور لطف کہ تیرا رخ خود نقابت میں پوشیدہ رہتا ہی۔
بہرست در دوست بیاتان گذاریم **دست از سر آئی کہ بہان جملہ سراب است**
نہنگ اور بہان سبزیں آتا کہ بخانے دین **ما تہ سراب سی کہ تمام بہان سراب ہے**
بعضی نے نگاریم کو بگذاریم ہی مگر ہم نگاریم کے اعتبار پر مطلب کو مختصر بیان کیجیے کہ بہرست در دوست
میں جو کہ بہرست میں جہاں کا تیرا یا تو طور دین محمدی کی طرف ہی یا عشق و محبت کی جانب پس مطلب یہ کہ
تو خدا کے آگے ہم سراب (مرد) سے تہا و تھا دین یعنی ہو سکو جائی نہ دین بلکہ حاصل کر نہیں
کوشاں بہرست سواست کہ بہرست کائن فی ہذا اخی فکھو فی کالاحراق اخی جو کہ آج اندام یہ کل ہی
اندام کا غار ہی میں پیش ہوں ہی ان کسی کہ مرد ز کار خود شناخت فردا چہ خواہد یافت۔

یعنی خلق کی عفتا کی طرح گھبرا اور جدارہ کہ وہ باوجودیکہ خلق کی نظروں سے پوشیدہ اور پھاڑ نہیں جیسا کہ تمام
 اور کسی شہرت تمام جہان میں عفتا کی رعایت سے گوشہ نشینی اور قاف کی الفاظ آخر میں کیشہور و کیشاکوہ قاف
 رہا کرتا ہے اور کبھی باہر نہیں آتا بعض مقصد میں نے سیرغ اور عفتا کو ایک ہی جانور تصور کیا ہے۔
 حدیث مدعیان و خیال ہم کاران ہماں حکایت زردوزہ بوریاباف
 مدعیوں کا قول اور ہیکارون کا خیال وہی بوریاباف اور زردوزہ والی مثل ہے
 مدعیوں سے زیادہ لوگ اور ہیکاروشی عاشقان مجاز مراد میں اور مطلب یہ ہے کہ لاف زنی کا وہ یہودہ خیال عاشقان
 کی خیالات عاشقان صادق اور عارفان کامل کے بارہ میں اوسطیج کے من جیسے کہ بوریاباف زردوزہ کی برابری
 کر کے پستیا یا تھا ظاہر ہے کہ بوریاباف کو زردوزہ کی کچھ مناسبت نہیں ہوتی۔ چونکہ زیادہ و مجازی عاشق عارفان
 الہی کو اپنی برابر سمجھتے ہیں لہذا یہ مقابلہ اوسطیج کا ہے کہ جسطرح چٹائی بیٹو والوں نے زردوزہ کی مقابلہ کیا تھا۔ زردوزہ
 مالک اور بوریاباف سے لاف گوئی ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

خمش حافظ این نکتہ نای جون بربخ نگاہدار کہ قلاب شہر صراف مست
 ای حافظ چپ اور یہ نکات جو اشرفی کی مثل میں نگاہ رکھ کہ قلاب شہر صراف ہے

یعنی ای حافظ چپ رہ یہ باریکیاں جسے سخنان حقائق و معارف کلمات عشق و محبت عبارت میں زربخ کی مانند
 سمجھنے چاہئیں لہذا دیکھتا رہ کہیں ایسا ہو کہ قلاب جو کہ آجکل شہر کا صراف ہے انکو بدلے۔ بیت
 اگرچہ بادہ فرح بخش باد گلہیز مست بہانگ چنگ خور می کہ محتسب تیز
 اگرچہ شراب فرحت بخش ہے اور ہوا گلہیز چنگ کی آواز پر شراب نپی کہ محتسب تیز
 بادہ فرح بخش سے بادہ عشق و محبت باد گلہیز مراد ہے بانگ چنگ بمعنی علانیہ طور پر کرنا یا ظاہر کرنا
 مطلب یہ کہ اگر بادہ عشق پھر بخش ہے اور دل و سکا خواہش کنندہ ہی ہے اور مرشد ہی موجود ہے تاہم شراب عشق
 علانیہ نپی کہ محتسب جس سے شرع مجرم مراد ہے ان سب پر غالب ہے پس اگر تو شراب عشق محبت پینا چاہتا ہے تو
 محتسب سے چپ کر۔

صراحی و حریفی کرت بدست افتد بعقل کوش کہ ایام فتنہ انگیز است
 صراحی اور حریف اگر تیرے ہاتھ لگ جائے تو عقل سے کام لے کہ زمانہ فتنہ انگیز ہے
 صراحی جو جدوستی اور حریف سے معشوق حقیقی مراد ہے یعنی اگر تیرے جدوستی غرض ہو اور ادھیں نہ سال ہو جائے تو

زقر اشعار و کنایہ ہر معرفت کی کتابوں یا عارفوں کی احوال کے نسخوں کی طرف کشف تفسیر کشف کی شرح کا نام ہے
مطلب یہ کہ اے عارف تو معرفت کی کتاب کا کوئی نسخہ لے اور جنگل کو چل دی چونکہ وہاں خلق سے دور ہو گا اس لیے
اوس سے شغل نہ ہو گا اب مدرسہ میں کشف و کشف کی بحث کا وقت نہیں ہے اس لیے کہ تجھ کو اعلیٰ درجہ کا طالب بننا چاہیے
نہ کہ سفلہ کلا اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کا طالب بننا پست ہمتی کی دلیل ہے یعنی عارف کامل بن عالم و ذرا بہ ہونو۔

فقیر مدرسہ دینی مست بود و فتویٰ داد کہ می حرام ولی بہ زمال و قاف مست

فقیر کل مدرسہ میں مست ہو گیا اور یہ فتویٰ دیدیا کہ شراب کو حرام ہے لیکن مال وقف سے بہتر ہے
مست ہے مست عشق مراد ہے جس کا کنا بہر شد کامل کی طرف بھجنا چاہی یعنی مدرسہ عشاق کے فقیر فرج محمد ہر کل کے
دن جب وہ شراب محبت سے مست ہو رہا تھا فتویٰ دیدیا یعنی حکم کیا کہ وقف کا مال شراب سے بھی بہتر ہے اس واسطے کہ
میں خواجہ شراب کو پڑا جاتا ہوں تو اس کو گنجائش ہے کہ توبہ کر لے مگر وقف کا مال کہ ہا نیوالا اس کو حلال سمجھتا ہے وہ
ہرگز توبہ نہیں کرے گا بلکہ اپنی آپو شرابیوں پر فوقیت دے گا۔ عام کی نزدیک اس میں یہ اعتراض کہ مست شخص کا فتویٰ
جائز نہیں ہوتا محض یہ حقیقت ہے اس واسطے کہ ستون کی مستی ہی کی فتویٰ کی ضرورت ہے نہ ہوشیار کی۔ اور بعض جگہ اس
دیوان میں ظاہری مضمون مراد ہی نہیں ہوتا اس دلیل سے بھی اس پر اعتراض نہیں ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ وہی محبت و معرفت
جس میں ہوا اللہ کی غیر کی محبت تفسیر موحرام ہے یعنی فقیر مدرسہ نے جس وقت عشق و محبت کی مستی کو پالیا اور اس کو
عشق و محبت کو مزہ سے آگاہی ہو گئی تو لاچار اور اس فتویٰ دیدیا کہ اگرچہ محبت مجازی ہی ہوتا ہم مال وقف سے بہتر ہے
اپنی ہوگی اس واسطے کہ وہاں تفرقہ بیان و جمعیت وہاں غریبہاں مسکت اورین خودی اس میں بخودی ہوتی ہے اس لیے

محبت مانگتی ہے در فوجیت رکھتی ہے نہ ہر دو صاف ترا حکم نیست دم درش کہ ہر چہ ساقی مار خست عین الطاف مست

تھپٹ اور صاف ہے تجھ پر غرض نہیں خوش ہو کہ جو کچھ ہمارے ساقی نے اونڈیلا عین نوازش ہے
بدر و صاف سے نیک ہے بدیلاست در پنج مراد میں۔ ساقی کا گناہ تو حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی ای بندہ ناپسند تجھ کو اس
حکم پر کچھ اختیار نہیں نہ اس کو کام میں دم ناز کا ہوتا ہے اور اس طرح جو کچھ اس کی تقدیر میں ہے اچھا یا برا الگ ہوا اور اس کی
برہنہ چاہیے کیونکہ نیکو استحقاق حق سبحانہ تعالیٰ کی عطا عین اس کی نوازش ہے۔ ہمارا حق کچھ ہی نہ تھا۔
بہر ز خلق و ز عین قیاس کار بگر کہ صیت گوشہ نشینان ز قاف تا قاف
خلق سے علیحدہ ہوا و عین قیاس کے کام تو کہ گوشہ نشینوں کی شہرت قاف سے قاف تک پہنچی

عراق و پارس گریختی شعر خود حافظ
 و حافظ تو را بدست سخن و پارس و لیلیا
 بیا که نوبت بغداد و وقت تبریز است
 آ که اب بغداد کا نبل و تبریز کی باری هر
 غایبی نمی تویمین که ام حافظ تو را پی موزون اور لطیف شعار عراق و پارس کی اپنا مطلع بنالیا پس آ که اب بابل بغداد
 اور سائین تبریز کی شجر کا وقت ہر معنی اسو لطیف شعر تصنیف کر کہ بغداد اور تبریز کی لوگ ہی تیری قابل ہوجائیں اور معنی
 مطلب ہو کہ اس حافظ نے بے راہ عشق میں آ یا تو تو بہت منزل اور مقامات طر کر مین گرا نید اس سے غافل نہ ہو کیونکہ ابھی
 بہت باقی ہے اور نیز پلین شش میں۔ او کو طر کر نکر بعد مع منزل مقصود پر پہنچ کر آرام لیجو۔
 یارب آن شمع شب فروز کا شاد کیست جان سوخت پر سید کہ جانا نہ کیست
 یارب وہ شمع شب فروز کے گہ میں ہر جان ہماری حلکی ہو چھو کہ جانا نہ کون ہے
 شمع شب فروز ہم را محبوب بکا شاد نخل کی طرف ہر کا شاد نخل مقام طلبان رحلت تھیں فرادات میں کئی ہیں
 حالیا خانہ بر انداز دل دین من است تا ہم آغوش کہ می باشد و ہمنانہ کیست
 احوال جو کہ سیر دل اور دین کا خانہ بر انداز ہر وہ کس کا ہم آغوش و ہم خانہ ہوتا ہے
 یہ سانس نہ مانہ میں جو سیر دل اور دین کا بر انداز (خانہ) دکھا چا کر کہ او کی بخوبی کسو سیر مونی ہر او وہ کس کے گریہ ہے
 با وہ لعل لبش کرب ما دور مباد راح روح کہ بیان وہ پمانہ کیست
 او کو لب لعل کی شربت یارب سے دور نہ جو کسکی راحت روح اور کسکی پیار میں ہر گریہ کر
 بدو لب لبنا فیک یانہ نہ لبش سے طفت شش ہر او راح یعنی شرب کر بیان آرام کر معنی میں آ یا ہر ان وہ جا نہ زندہ
 درت صحبت آن شمع سعادت پر تو باز پر سیدہ دارا کہ سیروانہ کیست
 اوس شمع سعادت پر تو کی درت صحبت خدا کیلئے پیر ہو چھو کہ کسکا پروانہ ہر
 شمع سعادت ہر محبوب و نخل۔ پروانہ کی تب زائد ہر او پر وہ انہ را عاشق طالب لبنا چاہی مطلب صاف ہو
 سید ہر شش افسونی و معلوم نشد کہ دل نازک او یا لب افسانہ کیست
 ہر شخص او کو فزاید دیا ہر او معلوم نہیں ہوتا کہ او کا دل نازک کسکی کہانی کا مائل ہر
 یہ ہر شخص معشوق بلا سون کر تا ہر ناکا اہر فرب من را و کی لیکن اب تک یہ نہیں ہوا کہ وہ کس کا سانس پرانی ہر او کس پر
 اپنی عنایت ظاہر کر تا ہر باعتبار محبت ہر کس کا اشارہ ممکن ہو کا فاصل طو فاسن۔ عاشق اور زائد کی طرف ہو کتنا ہر افسوس
 مل و خدمت اطاعت کی غمخیز و کبیر کی طرف ہر مائل معنی خواہان۔ افسانہ سے عبارت طاعت و بندگی یعنی مذکورہ
 بالا میں ہر شخص او کی خدمت و اطاعت اپنا پند نیاں میں کر رہا ہے لیکن اسوقت تک یہ نہیں معلوم

دلی

مقل ہو کام لیکر اس میں کوشش کر کہ کوئی امر خلاف شرع صادر نہ ہونے پایا سو اسطرح کہ نگاہِ فتنہ انگیز ہے اور اس
 فتنہ انگیزی سے ڈرنا اور خوف کرنا چاہئے۔ ان اشعار میں عشق و محبت کو خضہ رکھنے کی ہدایت کیجاتی ہے۔
 در آستین مرقع پیالہ پنہان کن کہ بچو چشم صراحی زمانہ خونریز است
 مرقع کی آستین میں پیالہ کو چھپا لے کہ صراحی کی آنکھ کی طرح زمانہ خونریز ہے
 مرقع صوفیوں کے لباس کا نام ہے جسکو زندہ ہی کہتے ہیں یہاں مرقع کا اشارہ صبر و تحمل کی طرف ہے پیالہ سے
 اسرار عشق اور زمانہ سے شرع مراد ہے اور مطلب یہ کہ ایسی محبت و تحمل کے لباس میں اسرار عشق کو پوشیدہ کر لے اور
 کوئی بات متعلق عشق و محبت ظاہر نہ کرے تب یہ شرع جاری ہو جائیگی۔

ز رنگ بادہ بشوید خرقہ با از اشک کہ موسم فرح و روزگار پر ہیز است
 شراب کرنگ سے بذریعہ اشک کو خرقہ نکورنگو کہ موسم زندہ اور زمانہ پر ہیز گاری کا ہے
 بادہ بمعنی بادہ محبت و عشق۔ رنگ بمعنی اظہار عشق خرقہ کا اشارہ وجود کی طرف مطلب یہ کہ ایسا امکان راہ خدا
 جو اسرار عشق و محبت حالتِ اختیار میں سے ظاہر ہو رہے ہیں اور خرقہ وجود و اوستی رنگ گیاہی یعنی عالم میں
 بدنام ہو رہی ہو نکلو چاہئے کہ اس رنگ کو اشک ندانت سے دھو ڈالو اس واسطے کہ زمانہ پر ہیز گاری (صوم شرعی) ختم
 ہو جائے۔

مجوی عیش خوشانہ دور و ازگون سپہ کہ صاف این سرخم جملہ دردی آئینہ است
 ۱۔ زمانہ آسمان و ازگون میں عیش خوش نہ ہونڈا کہ اس خم کی صفائی میں تلچٹ ملی ہوئی ہے
 یعنی آسمان کو ہفتار کے دو میں خوشی و خرمی نہ ہونڈا کیونکہ اس خم کی صفائی میں یہی تلچٹ (گاد) ملی ہوئی ہے
 خلاصہ یہ کہ دورِ چرخ میں سوائے رنج و غم کے خوشی نہیں ہو سکتی۔
 سپہ بر شدہ پرویز نیست خون افشان کہ قطرہ اش سر کسری و تاج پرویز است
 بلند آسمان خون افشان چلتی ہے کہ اس قطرہ کسری کو سر اور تاج پرویز کو اتار دیا
 بر شدہ بلند پرویز چلتی۔ کسری اور پرویز دو ادوارِ الفرم بادشاہ گدڑی میں بہ مطلب یہ کہ جس کسی نے اس
 بلند آسمان کی نیچے جگہ کی اجزا لا مارا سکودہ جگہ چوڑی پڑی کیا تو نہیں دیکھتا کہ یہ سپہ بلند باعتبار نزول عداوت
 مانند خون افشان چلتی کی وجہ سے کسری کے سر اور پرویز کے تاج کو اتار لیا یعنی او کو بھی زندہ نہ چھوڑا
 جو ایسی عظیم الشان اور شاہ ستہ۔

بیار بادہ کہ ز گین کفیم جامہ دلوق کہ مست جام غروریم و نام ہشیار سیت
 شراب لاگداوس سو جامہ ز کد کو ز گین کہ ہم جام غرور کر سیت من اور نام ہشیاری ہر
 بادہ مراد عشق جامہ دلوق سے عبارت پیکر انسانی سے یعنی شراب عشق و محبت ہلا کہ ہم اس وجود سو ہوم
 اور سہتی ستنا سے دگر دین اور حقیقی زندگی تک پہنچیں اس واسطے کہ ہم بادہ غرور کے جس سو غفلت
 کی طرف اشارہ ہو سست ہو رہی ہیں اور اس کا نام نہ منے ہو شیاری رکھ لیا ہو حاصل بن غفلت ہو۔
 نہ بستہ اند در توبہ حالیا بر خیز کہ توبہ وقت گل از عاشق زینکار سیت
 ابی دروازہ توبہ کر بندین ہو یمن او سست کہ توبہ موسم بہار میں عاشق سے بکار ہے
 یہ یعنی مخاطب ابی دروازہ توبہ کا کہنا ہوا ہیں اور توبہ اور شراب لا اس واسطے کہ موسم گل یعنی
 موسم بہار میں عاشق کا توبہ کرنا فصول ہے۔

سحر کر شمع و صلسلہ خواب میدیدیم ہم ہر شب خوابی کہ نہ بیدار سیت
 سحر کو اسکو وصل کا کر شمع خواب میں دیکھتے ہیں خواب کا زہر ہر مرتبہ کہ بیداری سے بہتر ہے
 وقت شب میں سو جوانی مراد بر سینے اس عمر میں گویا ہم سو آری ہوئے ہیں۔ وقت سحر سے
 بڑا پایا معنی اس وقت جاگتی ہیں قاعدہ عام یہ ہے کہ ہر شخص جوانی میں غافل ہوتا ہے اور جب بڑا پڑے
 کی عمر ہوتی ہے تو جاگتا ہے لہذا شاعر کا مطلب یہ کہ آخر وقت میں میں نے اسکو وصل کا
 کر شمع خواب میں دیکھا ہیں اس سحر کی خواب کا کیا کہنا کہ جو جوانی کی بیداری ابھی ہے یعنی جاگتی
 ہیں جس سے شب جوانی مراد ہو وصل حاصل نہوا البتہ سوئے ہیں جس سے بڑا پایے کی
 سحر کی خواب معصوم کو سال اتی ہو گیا۔

خیال زلف تو بختن نہ کار خا مان گزیر سلسلہ رفتن طریق عیار سیت
 تیری زلف کا خیال پکاتا کو نکا کا م نہیں ہے سلسلہ کہ بچر چلنا عیار ہی کا طریقہ ہے۔
 زلف ہم مراد جذبہ عشق اور مطلب یہ کہ تیرے جذبہ عشق کا خیال پکانا اور مصیبتوں بلاؤں کو نہ پنے
 اور پناہ کرنا ہوں اور بولہ ہوں کا کام نہیں ہے بلکہ سلسلہ سے چلنا یہی سحر ہے کہ زمین پر
 ہو بختن چالاکوں کا طریقہ ہے۔ اور اگر زلف کے مشتے نشان دینا کر لئے ہا میں تو کہہ سکتے ہو گئے کہ
 نشان دینا کا خیال پکانا اور اسکو مرزہ آخرت تصور کرنا خام عقولوں کا کام ہے ہر سالک

ہوا کہ او سکون پسند نہ خواور وہ کسی بندگی اور طاعت کا خواہان نہ ہو گا۔
یار باین شاہوش باق ز ہرہ چین
ایک شاہ شاہوش باق ز ہرہ چین
یہاں سے سب صفات مشوق ہیں اور این سے مراد محبوب حقیقی یا تجلی مجہنی چاہئے۔

مطلب صاف ہو
آن می لعل کہ ناخوردہ مرا کرد خراب
وہ شراب شرب کہ جسے بغیر پی ہو خراب کیا
ہم نشین کہ تو ہم کا سر و پیمانہ کیست
کسی ہم صحبت اور کسی ہم پیمانہ تو ہم نوالہ ہو
می لعل سے مراد مشوق یا تجلیات ہیں جو کہ پوری طور پر نظر میں نہیں سماتین۔ یعنی وہ می لعل کس سے

ہم صحبت ہو کہ میں جسکو بغیر کے خراب ہو گیا ہوں
گفتم آہ از دل دیوانہ حافظ سے تو
کہا میں کہ افسوس تیرے بغیر حافظ کا دل دیوانہ ہو گیا
زیر لب ہنس کر کہ کہ کسا دیوانہ ہو گیا تو

حافظ صاحب کتب ہیں کہ میں تو مشوق سے کہا کہ تیری خبر میں مجھ پر وہ سخت حالت طاری ہوئی ہو کہ
جس پر افسوس آتا ہو پس اس سے زیر لب مسکرا کر جواب دیا کہ تو کہہ عاشق سے کہ کسا دیوانہ ہے گویا
انہیں اتیک خبر نہیں کہ آیا حافظ او پر عاشق ہے یا کسی اور پر

بنال بلیل اگر بامنت سر یار کیست
کہا دو عاشق زاریم و کار بازار کیست
اگر بلیل اگر تجھے میرے ساتھ دعوی دوستی کا ہو
کہ ہم دونوں عاشق زار ہیں ہمارا کام ہماری ہو
اس شعر کا مطلب کہ زیادہ شرح کا محتاج نہیں صاف ہے۔

وہاں چین کہ شبی در زطرہ دوست
چہ جامی در دن ناہنای تاتار کیست
اوس چین میں کہ جہاں سیم طرح دوست بھی جلتی ہو
ناہنای تاتاری کو دم مار ڈکی جگہ کیا ہو
چین سے دل عاشق سیم کا کنا یہ جذب کی طرف طرح دوست کا اشارہ عشق محبوب
حقیقی کی جانب سمجھا چاہئے۔ ناہنای تاتاری سے عشق مجازی مراد ہے۔ مطلب
یہ کہ جس دل میں جلاہ لطف الہی جامی پذیر ہو اور عشق حقیقی رکھتا ہو اوسکو مجازی عاشق کی گفٹ
کی کیا ضرورت ہے۔

دشمن نالہ میاں لہو ختم کن حافظ کہ رگوں کی جاوید درگم آزار بیت
 اکی حافظ گفتگو ختم کر لے گا دل نالہ ہو گیا کہ دونوں جہان کی نجات کم آزار میں ہے
 میں نے اکی حافظ محبوب کر دیں کہ جو کہ از بس نازک اور ناز پرور ہو اس گفتگوی بہودہ سے نہ دیکھا
 اور جس پر وہ ناضی رہے وہ کام کر اس واسطے کہ آزاری سے دونوں جہان میں نجات ملتی ہو
 علاوہ اس کے ناضی برضا کی معشوق رہنا عاشق صادق کی خاص علامت ہے۔

اگرچہ عربی ہنر پیش یا ربی ادبیت زبان خموش و لیکن زبان پر از عربیت
 اگرچہ یار کے اگر ہنر بیان کرنا بی ادبی ہے زبان خموش سمجھ لیکن موافق عربی سے ہے
 اس مطلب میں تعقید کلام واقع ہوئی ہے۔ چونکہ بھلا اس کی جائز یا ناجائز بتانے کا کوئی حق نہیں اس لئے
 ہم پیش درگزر کر کے شعر کا مطلب سمجھا دیجئے۔ مگر یہ غرض کرنا مناسب ہو کہ اول مصرع
 اگرچہ دوسرے کے دہان پر عربی سے ملے گا تو سننے یوں ہونگے کہ اگرچہ دہان عربی ہو بہرا
 ہوا ہے یعنی فصاحت و بلاغت جو کہ عربی زبان کا لازمہ ہے دہان میں ہری ہوئی ہے
 لیکن زبان کو خاموش رکھنا چاہئے اس لئے کہ بستنی دوست کے آگے اپنا ہنر لیے عشق ظاہر کرنا
 سو ادبی میں داخل ہے۔ خلاصہ یہ کہ عاشق کو دوست کر سنانے اظہار عشق میں فصاحت
 بلاغت سے کام لینا نہ چاہئے۔

پری ہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز بسوخت عقل حیرت کہ این جو ادبیت
 پری پوشیدہ رخ اور دیو کرشمہ و ناز میں عقل حیرت سو سوخت ہوئی کہ یہ کیا تاثر ہے
 میں نے محبت تماشا ہے کہ دیو جسکو موتہ چپا نا لہم تھا (اس کو سلطان مہر مارا دین) وہ بار کرشمہ کر رہا ہے
 اور پری جس سوخت پری اور نیک نفسی کی طرف اشارہ ہوا اپنا رخ روشن چپا کر پری ہی یعنی
 وہ پوشیدہ رخ ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو ہنر ہونا چاہئے تھا وہ پوشیدہ ہو اور جسکو پوشیدگی
 لازم تھی وہ سرا سر ظاہر ہے۔

سبب میریں کچھ از چہ غلام پرورش کہ کام خمشی اور اہل نہ بے سببیت
 سبب میریں کچھ از چہ غلام پرورش کہ کام خمشی اور اہل نہ بے سببیت
 یعنی میریں کچھ از چہ غلام پرورش کہ کام خمشی اور اہل نہ بے سببیت

تھکو چاہی تو خام خیال نہو اور سلسلہ سے عشق پیدا کر۔ ایسا کرنا چالاکوں کا کام ہے اور خام کاری دلیل بوقونی۔

لطیفہ ایست نہائی کہ عشق از و خیزد کہ نام آن چل لب لعل و خط زنگار نیست
جس سے کہ عشق پیدا ہوتا، وہ ایک پوشیدہ لطیفہ بنا معلوم کیسے ہے
یعنی جس چیز سے کہ عاشق کو دل میں عشق پیدا ہوتا ہے وہ ایک پوشیدہ لطیفہ بنا معلوم کیسے ہے
کہ جو کمزور یا لکھنوی کے لائق نہیں یعنی تحریر و تقریر سے باہر ہے ہر نہ اور سکا نام لب لعل ہر اور
نہ خط سیر بلکہ وہ کوئی اور ہی چیز ہے جو ان صوری مشوفوں کے صفوں میں سے کوئی ہی صفت نہیں
جمال شخص چشم است لعل عارض خال ہزار نکتہ درین کار و بار و دلار نیست
کسی شخص کی چشم کا جمال نہ زلف عارض خال کا ہزار بار یکساں اس کام و دلاری میں ہیں
یعنی اور نہ کیفیت لب و ہنسی کی چشم یا زلف یا عارض و خال کا جمال نہیں ہے بلکہ او میں ہزاروں
بار یکساں دلاری کی ہیں جو دلوں کو کھینچ لیتی ہیں۔

بآستان تو مشکل تو ان رسید آری عروج بر فلک سروری بدشوار نیست
بیری آستان مشکل سے پہنچنا ہوتا ہے یا ان عروج فلک پر سرداری دشوار ہے
یعنی اگر محبوب بیری آستان تک پہنچنا مشکل ہے اسلئے کہ جب تک آپ کو فانی نہ کر دے
و دوست تک نہ پہنچے کو نہ کسی شخص کا عروج فلک پر سرداری کیلئے آسانی سے نہ پہنچنا بلکہ عجیب
نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ بہت دشوار ہے۔

روندگان طریقت بہ نیم چرخ سرزد قہای اس آنکس کہ از ہر عاریت
راہروان طریقت آدمی جو کو بھی منزل نہیں اسکی طلسمی قبا کہ جو ہنر کرے بے ہر ہ ہو
راہروان طریقت سے عاشقان الہی اور قہای اس طلسمی سے ریائی عبادت مراد ہے ہنر سے مقصود
عشق و خلوص مطلب یہ کہ روزہ نماز و حج و زکوٰۃ مراقبہ محاسبہ غرض کہ انفعال محبت الہی سے سرزد
ہوں۔ وہ عاشقان الہی کے نزدیک نصف یا رانی کے دانے برابر ہی قدر قیمت
نہیں رکھتے کیونکہ ایسی طاعت و عبادت میں خلوص دلی اور عشق الہی نہو دین کو نقصان
کا سبب ہے۔

بیم جو خرم طاق خانقاہ و رباط
مین آدھو جو کہی خانقاہ و سا فرخانہ کطلق خیر و نگا
عراق مصطفیٰ النوان پانچم طنبیست
اسلم کہ شراخانہ میرا محل و رخم کی لکھنہ خیرہ شکہ
رباطہ لکھنہ سا فرخانہ طنبیست خیرہ شکہ اور ساری فریج کرے مشکلی نیمہ کرے لہو مین مصطفیٰ شراب خانہ
خلاصہ یہ کہ مین خانقاہ مسافر خانہ کہ محراب کو جو طاہر پر سنون کی عبادت کہ مقام مین اور جن پر
اونکو خیرہ نصف جب کے عوض مین ہی نہیں خرید ونگا اسلم کہ شراب خانہ جس کو منزل مشقی
کی طرف اشارہ ہو اور پانچم (گھر و پچی) جسکا کنا بہ مرشد کی جانب ہو نیز مشکلی نیمہ کرے یعنی مین و شکر
درجہ مین بڑا ہوا ہون کہ ایسی ایسی چیزیں میری مین پس مین اونکی زباط و خانقاہ کو نصف
جو کی بدلہ مین ہی نہ خرید ونگا

ہزار عقل و ادب آسمن امی خواجہ کنون کہ مست خیم صلائی و ادبیت
امی خواجہ مین ہزار عقل و ادب رکشا تھا اب کہ مست خراب ہون یہ بھانہ و ادبی کلمہ ہے
یعنی امی صاحب مین ہزار طرح کی عقل اور ادب رکشا ہون چونکہ فی الحال مست ہون پس مجبور ادبی
بھانہ مل گیا ہو اور کا عدہ کلیہ کہ مجنون کو بڑا ادبی و گناہ معاف ہوتا ہو۔ لہذا مجبور ہی معاف
ہونی چاہیے۔

بیاری کہ جو حافظہ امی استغفار بگریہ سحری و نیاز نیم شبیت
شراب لاکہ حافظ کی طرح ہمیشہ استغفار بھیج کی زاری اور نیاز نیم شبی سے ہو
حافظ سدر حافظ مراد ہو جسکو اسمین مخاطب بنایا ہے یعنی امی مخاطب شراب لا اور پی اسلم کہ
حافظ کی طرح استغفار بذریعہ گریہ سحری اور نیاز نیم شبی کے ہوا کرتا ہے نہ زہد و ظاہر ہی طاعت
ریائی سے۔

عیب ندان مین امی اپنا کینہ شست کہ گناہ گری پر تو نحو اہند نوشت
امی زاید پاکینہ شست نہ و شرب عیب نہ لگا کہ دوسرے گناہ گناہ شری نامہ اعمال مین نہیں لکھیں گے
یعنی زاید پاک طینت تو زندون پر جن سے عاشقان الہی مقصود مین عیب نہ لگا اور زبان طعنہ
نہ کہوں اسوا مین کہ اون کے گناہ گناہ شری نامہ اعمال مین نہ لکھے جو عیب لکھا گیا ہو
بہر گناہ جو عیب آیت کریمہ لا تذر و انرا نہ لکھا و نہ لکھا یعنی کوئی بوجہ و دھما نہ لکھا و نہ لکھا

اور سچ مرادنا کام چہ نہ ہن او سکر پاس سوا کی بڑی سببی کو بہانہ کر اور اسکا کوئی بہانہ نہیں ہے۔
 ازین چین گل بنجار کس نجد آری چراغ مصطفوی با شرار بولہبیت
 اس چین کی بغیر کاٹا کسا کسی کو بول نہ توڑا چراغ مصطفیٰ کو ہمراہ بولہبیت کا شرار لگا ہوا
 مطلب یہ کہ جس نے باغ دنیا سے بھول توڑا اس کے ساتھ ضرور کاٹا کھا یا جس طرح کہ چراغ مصطفیٰ
 کے ساتھ ابی لب کا شرار لگا ہوا تھا اسی طرح روح کیساتھ نفس امارہ کا کٹکا لگا ہوا اور ممکن ہے
 کہ چراغ مصطفوی سے روح اور شرار بولہبی سے نفس امارہ خود مراد ہو۔

حسن بصرہ بلال از حبش صہیب شام ز خاک مکہ ابوہل ابن چہ بولہبیت
 حسن بصرہ سے بلال حبش صہیب شام سے سرزمین مکہ سے ابوہل یہ عجیب بات ہے
 مطلب یہ کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے بصرہ سے اور بلال نے حبش سے اور صہیب نے شام سے
 باوجود اسکے کہ یہ مقامات کہتے ہیں کہ فاصلہ پرین آکر اسلام اختیار کیا اور مرتبہ پائے
 لیکن ابوہل جو خاص کہ معظمین تھا محروم رہا اور مردود ہو گیا یہ کیا تعجب ہے کہ اتنی اتنی دورے
 اگر نوگ دین پاک قبول کریں اور وہین مکہ کا رہنوالا شخص بدین رہے اور ہدایت نہ پائے۔
 جمال دختر ز نور چشم ہاست مگر کہ در نقاب جامی پردہ عنایت
 دختر کا جمال ہمارے آنکھ کا نور ہے مگر شیشہ کی نقاب اور سرخ پردہ دین ہے
 دختر کے جمال سے محبوب حقیقی مراد ہے مطلب یہ کہ جمال اس محبوب حقیقی کا ہزاروں ہزار پردہ ہائے
 ظلماتی و نورانی میں چھپا ہوا ہے مگر ہماری آنکھوں کا روشنی بخش ہے۔ ز جامی و غیبی آنکھ کے
 پردوں کے نام بھی ہیں۔

روا کرد خود اکنون لزان مفرج جوی کہ در صراحی عینی و شیشہ حلبیت
 ابور و کی اوں مفرج چیز سے ڈھونڈو کہ جو عینی کی صراحی اور حلب کی شیشہ میں ہو
 عینی کی صراحی سے عاشق واصل اور حلب کی شیشہ سے عارف کامل مراد ہے مفرج بمعنی
 شراب جو کہ صراحی اور شیشہ میں رہتی ہے یعنی جب نولے درد عشق حاصل کیا ہے تو اسکے
 رواخورد و سی مفرج چیز سے یعنی عشق مجتبیٰ ڈھونڈو اور یہ مفرج چیز عاشقان صادق اور
 عارفان کامل کو پاس فیصلی نہ ظاہر ہے نام کے شیوخ کے پاس۔

یہی ہے ان کا ہر پہلو جو تمہارے ہونے سے انماز نہیں کیا اور بہشت کی طلب کو نہیں چھوڑا بلکہ میرے جی میں
حضرت آدم علیہ السلام نے بھی بہشت کے عیش و عشرت کو ہاتھ سے لیا تھا۔ ہر کوئی کہہ کر کہ عیش و عشرت میں
ہم مانع نہ ہوں۔ ہمارے جدا مجد کو نہ ڈان رہی کا ڈھب کیا۔

بر عمل تکیہ کن خواجہ کہ در روز ازل

تو چہ دانی قلم صنع نہایت چہ نوشت

اگرچہ عمل پر پور نہ کر کہ روز ازل میں

تجھ کو کیا معلوم کہ صانع کو قلم تیرے نام پر کیا لکھا ہے

خواجہ سے وہی زاہد مراد ہے۔ اور مطلب یہ کہ ان کا ہر پہلو عمل یعنی طاعت و عبادت نماز ان
نہو کیونکہ تجھ کو اپنی تقدیر کی خبر نہیں کہ او سمین کیا لکھا ہے۔ اور نامی یا ناری ہونا بھی عمل پر
موقوف نہیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر لوگوں تمہارا کوئی عمل
تکو نہ بہشت میں پہنچا سکتا ہے نہ دوزخ میں حالانکہ میں بھی کچھ دن اپنی عمر کے ذریعے بہشت
میں نہ جاسکوں گا بلکہ اس کی رحمت کا اعتبار پر وہاں پہنچوں گا۔

گر نہادت ہمہ این بہت ہی پاک نہاد

در شہادت ہمہ این بہت ہی پاک شہادت

اگر تیری خلقت سب یہی ہے عجیب پاک خلقت ہو

اور جو تیری شہادت کل یہی ہے عجیب شہادت ہو

یعنی اے مخاطب اگر تیری خلقت کل یہی خلقت ہو کہ تو حصول عشق و محبت میں کوشش کرے
کہ قرب حق سبحانہ تعالیٰ کا سبب ہو تو تو عجیب نیکذات ہو اور جو اگر تیری شہادت یہی ہے
جیسا کہ مذکور ہوا تو تو بہت ہی نیک شہادت ہو۔

باغ فردوس لطیف است لیکن زہمار

تو غنیمت شمار این سایہ بید و لب کشت

باغ بہشت لطیف ہے ولیکن ضرور

تو اس سایہ بید و کشت کو غنیمت جان

اسکا مخاطب زاہد ہی ہے اور سایہ بید و کشت سے عشق حقیقی مراد ہے مطلب یہ کہ اے
زاہد اگر صبر باغ فردوس تو جسکی طلب میں ہے اور اس کے لئے تقویٰ کرتا ہے بیشک
لطیف ہے لیکن یہ بید و کشت کا سایہ یہی ہے جس سے مقام عشق منہور ہے طاعت عیش و سرور
سمجھ اور جو اگر تیرے ہاتھ اسکی تو اس سے فائدہ اوٹھا ہے جسے حصول معرفت کرا اور لیکن جو
کہ سایہ بید و کشت ہی دنیا مقصود ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ گویا باغ فردوس عہد ہر نامہ دنیا کی
زندگی ہی غنیمت جان کیونکہ جو کچھ بہلائی برائی زہد و معرفت وغیرہ حاصل کرے سب کچھ یمن

بوجہ نہیں اور ثبات۔ خلاصہ یہ کہ جو گناہ کرے گا اور اس کا جواب دے وہی ہے دوسرا نہیں کہ گشت
 من اگر نیک ہو کر بد تو بر و خود را باس ہر کسی آن درد و عاقبت کار کہ گشت
 من اگر نیک ہوں یا بد تو جا اپنی خبر لے ہر شخص آخر کار وہی کاٹی گا جو کچھ دوسرے بویا کر
 اول شعر کے مضمون کی توضیح ہے یعنی من اگر نیک ہوں تو اپنے واسطے ہوں اور اگر بد ہوں تو اپنے
 لئے ہوں تو اپنا کام کہ تجھے میری نیکی بدی سے کیا غرض کیونکہ نتیجہ من کوئی شخص وہی چیز کا ایک
 جواور سنی بوی ہو مولانا روم فرماتی ہیں گندم از گندم بروید جوڑ جوڑ از مسکافات عمل غافل مشو
 ہمہ کس طالب یار ندیم ہشیار و چہ مست ہمہ جاخانہ عشق ست چہ سجدہ کشت
 کیا مست کیا ہو شیار سب او سب کی طالب ہیں سجدہ ہو یا دیر سب جگہ عشق کا مقام ہے
 مست ہو عاشق صادق اور ہو شیار سزا ہر ادا دین۔ مسجد سی سجدہ اور کشت سواں نقاہ عارفان مقصود ہے
 یعنی صوفی خانقاہوں میں اور زہاد مسجد و نہن یا وسیلی طلب کرتے ہیں کیونکہ وہ وہاں بھی موجود ہیں اور
 یہاں بھی۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جو اس سے خالی ہو خانہ عشق کا اشارہ مقام محبوب کی طرف سہنا چاہے
 تسلیم من و خاک در سیکد ہا مدعی گز کند فہم سخن کو سر خوش
 سیر تسلیم اور سچانوں کے دروازہ کی خاک مدعی اگر بات کو نہ سمجھو تو کو سر میں اینٹ مار
 اس بات کو کہ میں نے اپنا تسلیم بخانا نوکر دروازہ پر جبکا دیا ہے اگر مدعی جس سے زاہد ظاہر ہے
 ہر ادبے باور کرے اور نہ سمجھے لکے تو اس سے کہہ دو کہ جا اپنی سرکوائنٹ سی بیوڑ کیونکہ تیرا داغ
 ان کلمات کو سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔

بنا امید من باز سابقہ روز ازل تو چہ والی کہ پس وہ کہ خوبست کہ گشت
 بجز روز ازل کے سابقہ سے نا امید متکر تو کیا جانی کہ پس پردہ کون اچھا اور کون بُرا ہے
 یعنی اگر زاہد تو بجز اس باقرار ہو خدا کی روز ازل میں ہم دروہوں سے کر لیا ہی اپنی طعن و تشنیع سے نا امید
 کرنا چاہتا ہے کہ جو کہ پس پردہ کون نیک اور کون بد ہے۔ یعنی کون بخشا جائے گا اور
 کون دوزخ میں جئے گا۔

بہ من از زمانہ تقویٰ بدار افتادم و پس پدرم نیز بہشت آباد و سن بہشت
 کہ میں ہی جانہ تقویٰ سے بدار افتادم و پس بلکہ بابا آدم نے بھی بہشت آباد کو ہاتھوں سے کو دیا تھا

یسنے میں کو چھرا بارگ سے جسکا اشارہ مقام عشق کی جانب یا تواری اور صاف بشری کی طرف ہے
کے لئے سوئے میریون کیونکہ میری واسطے کوئی راہ جان میں اس سے بہتر نہیں ہے۔

زمانہ گر تیرے ششم بجز من عشر
اگر زمانہ میری خرمی عمر کو آگ لگائے۔

مطلب یہ کہ اگر زمانہ میری خرمی عمر کو جلا کر برباد کرنا چاہے تو اس سے کہہ دو کہ شوق سے جلا ڈال
اسکو کیونکہ ایک گناہ سے زیادہ نہیں۔

غلام زکس حشمان آن بھی سرور
میں اویسی بھی سرور کی چشم شمع کا غلام ہوں

یسنے میں اپنے محبوب کی اوس زکین چشم ست کا غلام ہوں کہ جو غور کی ہمت شراب پی کر
ایک طرف متوجہ نہیں ہوتی۔

مباش و پی آزار و ہر چہ خواہی کن
در پئے آزار است ہوا و رجو چاہے کر

کہ در سر رعیت یا غیر ازین گناہی نیست
کہ ہمارے مذہب میں ہوا و رجو کوئی گناہ نہیں ہے

عنان کشیدہ وای پادشاہ کشورین
اگر کشورین کی شاہ باگ روک کر پل

جن اشعار کے مطلب صاف میں ہم اور کو فارسی شارحین کی طرح بہت سے استدلال سے
بیچ دہیج سے بیان کر کے اپنی لیاقت ظاہر کرنے کے لئے ناظرین کو اور میں میں نہیں ڈالنا

چاہئے علاوہ اسکے ہم اگر وہ الفاظ اصطلاحی رکھیں کہ جو بعض شارحین نے لے لی ہیں اردو دا
امساب کو اور کا سمجھنا مشکل ہو جائے گا اور یہ عجیب نہیں ہے کہ وہ صاف مطلب کو بھی

ہاتھ سے کو بیٹھیں۔

عقاب جو رکشا و ہست بال در ہمہ شہر
ظلم کے عقاب کو تمام شہر پر پہلا دے میں

یعنی عقاب جو نے تمام شہر پر اپنے بازو پہلا دی ہیں اور سکا دفعیہ لہجہ کو ٹھنڈی کر گمان اور

تو اسی میں کر سکتے ہیں حافظار و زحل گر یکت آری بجای
یکسر از کوی خرابا بے برگت بہشت
اور حافظ موت کو قوت اگر تو ایک پیالہ پی لے تو باطل تمہکو کوی خرابات بہشت کو لے جاوین
یعنی اے حافظ تو اپنی اس عشق بازی پر نازان بن اگر موت کو وقت نہیں جام عشق کو ماتہ سے دے دے یعنی
عشق پر قائم رہے تو جانو کہ تمہکو اس عالم فانی سے دار فانی کی طرف لے جاتے ہیں اور بہشت میں
داخل کریں گے اور خواہاں ہوا تو تیرا عشق تمہکو کوئی نفع نہ دے گا۔

جز آستان توام و جهان پناہی نیست سیرا بجز این در حوالہ گاہی نیست
تیری آستان کو سوا جہان میں سیر لئی پناہ نہیں ہے سیر کو سوا اسے کوئی حوالہ گاہ نہیں ہے
یعنی اے محبوب سیر الہا اور جاؤ پناہ جہان میں سوا تیرے در کے اور کوئی در نہیں نہ سیر
سیر کو کوئی اور حوالہ گاہ ہے پس جب یہ حال ہے تو پھر تیرے سوا کس کے آستانہ پر جاؤں اور
کس کو حصول مراد کی تمنا رکھوں۔

عدو چونخ کشد بن سپر بنیدازم کہ تیرا بجز از نالہ و آہی نیست
جب عدو تلوار کھینچے بن ڈال کو چوڑوون کہ سیر پاس آہ و نالہ کو سوا اور کوئی تیر نہیں
سپر اعلیٰ دشمن سے بہاگ جانا اور سپر بنیداز دشمن سے مقابلہ کے واسطے ڈٹنا رہنا مراد لیتے ہیں۔
اگر پہلے مصرع میں سپر بنیدازم ہے تو یہ سننے ہو گئے کہ جو ابلیس یا نفس امارہ سیر راہ میں
مانی ہوا اور مجھے مزاحمت کرے تو تمہکو چاہئے کہ میں ہی اس کے مقابلہ کو آمادہ ہو جاؤں یعنی
اوس کا گھناہر گزندہ مانوں۔ اور اگر بنیدازم نہ ہوں تو یہ سننے ہیں کہ جو دشمن در پہ آزار ہو
تو تمہکو چاہئے کہ میں مقابلہ کروں اور وہاں سے بہاگ جاؤں اور اس کے جواب میں خدا
بھڑوا لیا کروں جو کہ عاشق کا کام ہے۔ اس لئے کہ غیر سے متوجہ ہو نا خواہ وہ کسی طریقہ سے جو عاشق
کے واسطے بڑا جرم بننا ہی پس عاشق لوگ کسی دشمن کی پروا نہیں کرتے وہ صرف اپنی معشوق کو راضی
رکھنے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور اوکامل سے دشمن خیز جو جہان باشد در وقت چہ ہوتا ہے۔
چار کوی خرابات اے دوسے بر تاجم کو زمین بجز جہان سچ رحم و راجی نیست
کوچہ خرابات سے اے دوسرے پھیرون کاس کو تیر لئی جہان میں کوی رحم و راجہ نہیں ہے

طبع خام بہین کہ قصہ فاش . از رقیبان ہفت نم ہوس ست
طبع خام کو دیکھنے کہ قصہ فاش کو . رقیبوں سے چہانی کی ہوس رکھتا ہوں

قصہ فاش یعنی حال عشق جو لوگوں پر ظاہر ہو گیا ہو رقیبوں سے مراد زاہدان مدعی ہیں
یعنی میرے اس طبع خام کو غور کر کہ میں عشق کو جو فاش ہو گیا ہے زاہدون اور دنیا داروں
پوشیدہ رکھنے کی ہوس کر رہا ہوں۔ غرض کہ راز عشق کا پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں۔

شب قدری چنین غریز و شریف . با تو تار و زر خفہ سنم ہوس ست

شب قدر ایسی عزیز و شریف ہیں . تیرے ساتھ دن تک نہ کی ہوس رکھتا ہوں
شب قدر سے یا تو عمر مراد ہے یا شب وصال تار و زر یعنی تادم مرگ جو کہ عارف کی بدایہی
وقت خیال کیا جاتا ہے یعنی مجھ شب قدر ایسے عزیز و بزرگ معلوم ہوتی ہے کہ میں تیرے ساتھ
دن بچھنے تک سوتا رہوں۔

وہ کہ در دانہ چنین نازک . در شب تار ہفت نم ہوس ست

جین کہ ایسے نازک مونی گردانوں کو . اندھیری رات میں چید نہی کی ہوس رکھتا ہوں
دُر دانہ سے مراد اسرار معرفت اور شب تار سے دنیا مقصود ہے یعنی معرفت کا کمال میں دینا
میں حاصل کرنا چاہتا ہوں جو ممکن نہیں چنانچہ ماعرفنا کے حق معرقت
اپہر دلیل ہے۔

ای صبا اشہم مدد سرمای . کہ سحر کہ شگفتہ نم ہوس ست

اے صبا آج کی رات مدد کر . کہ صبح کیوف مجھ شگفتہ ہوئی کی ہوس پڑ
صبا سے مراد اشب سے حالت ہستی دنیا سحر کہ سے روز قیامت مراد ہے شگفتن بکھلنا
خوش خرم ہونا یعنی اسی مرشد کامل اس دنیا کی ہستی مستعار میں حقایق و معارف کے
بیانات کر کے مدد فرما اور کشاکش حوادث سے چوڑا کراد سبکہ ہو چاؤ سے کہ جان
کسی بات کا خوف نہوا سوا ہے کہ قیامت کو دن میں خوش و خرم ہو جائیگی آرزو رکھتا
ہوں قیامت کو وہ ہی شخص خوش ہوگا کہ جو تمام اعمال روزیہ سے خالص ہو کر اعمال حسنہ میں
ملبس ہو گیا ہو اور فانی ہو کر عشق حقیقی سے جا ملتا ہو۔

بلا آہ کے تیر کے نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ ظالموں کا ظلم عام ہو گیا ہے اور اس کے رہائی ماننا بجز گوشہ نشینی یا خدا کی جناب میں بغیر زاری و کماج کے ہوئے ممکن نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ کوئی کمان گوشہ نشینی کی اور شیر آہ کا نہیں ہے کہ جو اس عقاب چور کا ذنب سے

کر سکے۔

چنیں کہ در ہمہ سودا می راہ سے نیم بہ از حمایت لطف تو ام پناہی نیست

اب کہ میں سب میں طریقہ کا سودا دیکھتا ہوں میری تیری زلف کی حمایت سے نہ کوئی پناہی ہو
سودا کی راہ یعنی تعصب عقیدت جس سے درویشان متلذذ اہل ان ریاکار کی صفت مفسد ہے
یعنی جبکہ زمانہ کا یہ حال ہے کہ ہر طرف تقلد و ن نے ریاضت ظاہری کی دہن میں عوام الناس کے سامنے معرفت پر پردہ ڈال رکھا ہے اور عاشقان صادق عنقا صفت معدوم ہیں تو
ا۔ یہ زمانہ میں تیری زلف کی حمایت سے بہتر جس سے جذبہ و لطف مراد ہے بکے کو
کوئی پناہ نہیں ہو سکتی پھر سب سے بہتر یہ ہی ہے کہ ہم اپنے کام کو تیرے جذبہ عشق پر
چھوڑ دین اور کسی سے بیعت نہوں۔

خزینہ دل حافظ بزلت و خیال مدہ کہ کار ہا می چنیں حد ہر سیاہی نیست

دل حافظ کا خزانہ زلف و خیال کو ندے کا سطرچ کو کام ہر سیاہی کی حد نہیں ہیں
مطلب یہ کہ اے محبوب حافظ کے خزانہ دل کو معشوقان ظاہر کے سپرد نہ کرے عشق مجاز کا گرفتار
نہ یا یہ خزانہ جس سے دل حافظ مراد ہے اس سیاہی کی حد نہیں ہو سکتا پس بھگو چاہئے
کہ سب سے علیحدہ کر اپنے عشق کے سلسلہ کا پابند نہ کرنے کے غیر کا۔

حال دل با تو گفت نہ ہوں ست خبر دل شتہ بستم ہوں ست

سب سے تہمت سے حال دل کنز کی ہو میں ہے دل کی خبر سننے کی آرزو ہے
معشوق کی طرف خطاب کرنے میں کہ مجھے تجھے اپنا حال دل عرض کرنے کی
کوئی بات دل کی متعلق تیری زبان سے سننے کی ہو میں ہے یہ
آرزو ہے کہ سب سے تہمت اپنا حال دل بیان کر کے دل کے بارہ میں تیری زبان سے
کہہ سکوں ہوں۔

میخواست گل کہ معند از رنگ بوی تو از غیر ترغ صبا نفس اندرویان گرفت
 گل چاہتا تھا کہ تیرے رنگ بوی کا دم بہرے کہ اس کی غیرت سر صبا از سانس کو موند نہیں گھٹا
 گل کا کیا یہ سالک کی طرف اور صبا کا مرشد کامل کی جانب ہے اور مطلب یہ ہے
 کہ جب عاشق مقامِ تلون میں صفاتِ معشوق سے موصوف ہوا یا اوسنے تجلی ذات کی
 اپنے میں دیکھی تو اپنے آپ کو عین ذات تصور کر کے خیال کرنے لگا کہ مقصود کی طرح
 انا لحنِ کا دم بہرے اور اپنے میں وہ ہی رنگ و بو ملاحظہ کرے مگر صبا نے جس سے
 کہ مرشد مقصود ہے کمالِ غیرت تو انا بغیر سے اوسکو منع کیا اور ایسا کر نیکی اجازت
 ندی سے چہ نسبت خاک را با عالم پاک + انسان کی کیا ہستی کہ اوسکر رنگ بوی کا
 مقابلہ کرے۔

چون لالہ کج نہادہ کلاہ طرب کبر ہر داغ دل بادہ چون ارغوان گرفت
 جب لالہ کی طرح کلاہ طرب کبر کو ٹیڑھی رکھی ہر داغ دل ڈار غوانی کی سرخ رنگ لیا
 ارغوان پھول کی قسم ہے اور بادہ چون ارغوان شراب انگوری جو سرخ ہوتی ہے
 اور اس سے عشق حقیقی مراد ہے مطلب یہ کہ جس دل نے کہ سرخ داغ ارغوانی لہو یعنی
 عشق حقیقی حاصل کیا اوسنے لالہ کی طرح غایت کبر سے خوشی کی ٹیڑھی ٹوپی سر پر رکھی
 خلاصہ یہ کہ جس شخص نے اوس ذات حقیقی کا عشق کیا وہ ہمیشہ عیش و عشرت نصیب رہا
 اور اس جہان فانی کے رنجون سے بالکل فارغ ہو گیا۔

آن روز عشق سا غری خرم نہم نسبت کانش نداشت عارض ساقی دوان گرفت
 اوس روز کو سا غری کو عشق نے میر خرم کو بلایا کہ جب ساقی کو عارض کی آتش اوس میں لگی
 سا غری سے مراد معشوق مجازی کہ جس میں تجلی محبوب حقیقی کی ہی ہوتی ہے
 عارض ساقی ذات محبوب حقیقی مطلب یہ کہ عشق محبوبان مجازی نے اسے بھر بھر
 کر دیا کہ وہ منظر جمال حقیقی کے ہوتے ہیں۔ اس واسطے کہ خوب و بیان مجازی کا اصل حقیقت کے
 نزدیک منظر جمال الہی ہیں اور جمال الہی کا عکس اون میں بر تو فکین ہوتا ہے۔

از برائے شرف بنوک مرثہ خاک راہ تو رفتہ ہوسست
 برائے حصول شرف نوک مرگانے تیرے خاک راہ کو جھاڑنے کی ہوس ہے
 مچو حافظ بزعم مدعیان شعر ندانہ گفتتم ہوسست
 مدعیوں کے زعم میں حافظ کی طرح مجھے شعر ندانہ کہنے کی ہوس ہے
 اس مقطع میں حافظ کا خطاب مرشد کامل کی طرف معلوم ہوتا ہوا اور گفتتم کی ضمیر مکمل خود حافظ صاحب
 کی طرف ہے۔ یعنی مدعیان منکر یہ خیال کر رہے ہیں کہ میں مرشد کامل کی طرح بیان حقائق
 و اسرار معرفت کا بیان کرنے کی ہوس رکھتا ہوں ماسی کلامیہ بات نہیں بہلا میں وہ باتیں
 اپنے اشعار میں یکسے بیان کر سکتا ہوں جو مرشد اپنی زبان فیض رسان سے
 بیان کیا کرتا ہے۔

حسن اتفاق ملاحظہ جہان گرفت آری باتفاق جہان میتوان گرفت
 تیرے حسن ملاحظہ کے اتفاق جو جہان کو لیا ان اتفاق سے جہان کو لیا جاسکتا
 واضح ہو کہ اس شعر میں حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مشکل اول کی رعایت رکھی ہے اور
 یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت میں ہے۔ یعنی تیرے حسن سے ہمیں ملاحظہ متفق
 ہے (ہائی جاتی ہے) سارے جہان کو اپنا گرویدہ بنا لیا چونکہ اتفاق سے ہی عالم محیط
 ہو سکتا ہے۔ پس تیرے حسن میں جو اتفاق ملاحظہ تھا تو یہی وجہ ہے کہ سارا جہان تیرا
 دیوانہ و شیدا ہوا۔ علاوہ اسکے انا ملیم و انہی یوسف میم کے حدیث پر بھی شعر ہذا کا
 یہی مطلب ہوگا۔

افشای راز خلوتیان خواست کرد شمع شکر خدا کہ تیرے دلش بر زبان گرفت
 شمع نے خلوتی لوگوں کا راز فاش کرنا چاہا تھا خدا کا شکر کہ اس کے دل کا بید زبان نہ پکڑا
 راز خلوتیان حالات، اسرار معرفت۔ شمع سے عاشق بے قرار جو روز و شب جلتا رہتا ہوا ہوا
 اور مطلب صرف یہ ہے کہ عاشق بے قرار اسرار عاشقان کامل یعنی حالات معرفت کو
 بخود ہی میں فاش کرنے لگا تھا مگر خدا کا شکر کہ زبان اس کی نہ چلی اور اس کے دل کا
 بہد زبان پر آکر رہ گیا۔

می دہ بجام جہم کہ صبح صبحیان چون پادشہ بر تیغ زرافشان جہان گرفت
جام جہم میں شراب دیکھ کہ صبحی ہنری والو کی صبح نے شہل پادشاہ کی تلوار زرافشان سے جہان لڑیا
اسین مخاطب مجذوف ہی مگر مرشد کامل کو بھنپا چاہئے۔ اور مطلب یہ کہ اسی مرشد کامل صبح کے وقت جو کہ
فیض کا وقت ہے صبحی ہنری والون یعنی عاشقوں کو ساغر جم میں شراب دی کہ تیغ زرافشان سے
جس سے آفتاب کی طرف کشا یہی پادشاہ کی طرح جہان کو لیلیا خلاصہ یہ کہ سورج بھل آیا۔
فرست نگر کہ فتنہ چور عالم اوفتاد عارف بجام می زرد واز غم گران گرفت
فرست جان کہ جو فتنہ عالم میں پڑا عارف نے پیلا میں شراب لی غم سے گران ہوا
می بجام زرد یعنی شراب جام میں لوٹ لی مطلب یہ کہ عارف نے جو میرا دل ہے جب حوادث
دنیا سے فرصت پائی تو عشق محبوب حقیقی میں سرا سر مستغرق ہو گیا۔ یعنی دنیا کے تعلقات سے جو باعث غم
دالم میں یکسوئی اختیار کر لی۔

زین آتش ہفتہ کہ در سینہ منست خورشید شعلہ الیت کہ در آسمان گرفت
اس پوشیدہ آگ سے کہ جو میری سینہ میں ہے سورج ہی ایک شعلہ ہے کہ جو آسمان پر چلا گیا
یعنی سرا عشق و معرفت کی آگ کہ جو میں سینہ میں پوشیدہ رکھتا ہوں سورج ہی ایک شعلہ ہے کہ جو آسمان تک چلا گیا ہے
حافظ جواب لطف ز نظم تو میچکد غیری چکو نہ نکتہ تو اندر آن گرفت
حافظ جب آب لطف تیری نظم سے ٹپکتا ہے تو غیر کس طرح اوس پر نکتہ چینی کرے
مطلب یہ توضیح طلب نہیں یعنی احواف و حجب تیرا کلام لطیف و پاکیزہ ہے تو دشمن کی کیا مجال کہ اوس پر نکتہ چینی کرے
خیال روی تو دور ہر طریق ہمرہ است نسیم ہوئی تو پیوند جان آگہ ماست
تیرا خیال ہر طریق میں ہمارے ساتھ رہتا ہے تیری بوسے نسیم ہماری جان آگہ کا پیوند ہے
یعنی اسی محبوب اگرچہ ظاہر میں ہم تیری مشابہ روح افزا سی محروم ہیں لیکن جس جگہ اوجس طریق میں تیری روی
خیال سے سرور اور غلط فہمی ہوتے ہیں اور تجھے کسی حال میں غافل نہیں ہیں۔ کیونکہ تیری زلف کی نسیم
ہماری جان سے کسی وقت جدا نہیں ہوتی۔

ہزار یوسف مصری فسادہ در چہ است ہزار یوسف مصری فسادہ در چہ است
ہزار دن یوسف مصری ہمارے اس گنوی میں پڑی ہوئی ہے ہزار دن یوسف مصری فسادہ در چہ است

آسودہ پرکنار چورکاری شدم دوران جو نقطہ علم فتنہ در میان گرفت
 میر کار کثیر کنارہ پر آرام کرتا تھا بزبانہ فی آخر کار نقطہ کی طرح بیکار در میان کر لیا
 اصطلاح ریاضی میں نقطہ اوسکو کہتے ہیں جو قابل اشارہ جتنی تو ہو مگر قسمت پذیر نہ ہو یعنی
 اس کے حصہ نہ ہو سکیں۔ لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس سے قبل عالم کے کنارہ
 پر کار کی مانند پہنچا تھا اور کسی چیز سے تعلق نہ رکھتا تھا مگر انجام کار زمانہ نے تعلقات

ہوا وہوس میں مبتلا کر کے دائرہ محبت میں ڈال دیا۔
 خواہم شدن بوی مغان آستین نشان زین فتنہا کہ دامن آخر زمان گرفت
 بھگو کو کہ بوی مغان میں آستین جھاڑتی چاہیے ان فتنوں سے کہ جنہوں نے آخر وقت میں دامن بھگا
 یعنی ان فتنوں سے کہ جنہوں نے آخر وقت میں میرا دامن پکڑا ہو کوئی مغان میں حلقہ عشق حقیقی میں
 بھگو اپنی آستین جھاڑ کر چاہیے عشق حقیقی کر کے فتنہا کو مذکورہ سے قطع تعلق کرنا چاہیے۔ یعنی
 منزل عشق معرفت میں پہنچ کر میں فتنوں سے ہٹا ہوا حاصل کروں گا۔

برگ گل نون شقائق نوشتہ اند کاکس کچختہ شدمی چون انخوان گرفت
 پھول کی پتی پر سرخ خون سے لکھا ہو وہ شخص جو کہ پختہ ہوا اور شراب انخوانی پتی
 مطلب یہ کہ پھول کے پتے پر جو کہ اوس پھول کے خون سے لکھا ہے وہی تاویل
 کرتا ہے کہ جو شخص دانا اور سمجھ دار ہے اوس نے شراب انخوان سے جس سے
 شراب سرخ یعنی شراب عشق حقیقی مراد ہے میل کیا۔ پختہ کر مئے پختہ معرفت میں پس جو شخص
 پختہ ہو وہ خود اس بہید کو سمجھ لیگا۔

از غم سبک آمد و رطل گران گرفت می خور کہ ہر کہ آخر کار جہان بدید
 غم سبک لکھا ہوا اور بہاری وزن حاصل کیا شراب پی کہ جس شخص نے آخر کار جہان کو دیکھا
 رطل گران سے عشق حقیقی مراد ہے اور مطلب یہ کہ شراب عشق الہی کے حاصل کرنے پر
 کوشش کر کے کہ جس سینہ انجام کار اس جہان کو از مایا تو اوسکو معلوم ہوا کہ اس
 کسی کو سبک لکھا حکام نہیں اور اوسکا طالب ہوا اور بج و محنت اور کھد اوس کو حاصل نہیں کر سکا
 پس تو ہی تعلقات دنیا کو سبک ہو جا اور عشق حقیقی کر کے بہاری بہر کم بن۔

آپ چلنے پر رضا مند ہوئے۔ اور اسکے ساتھ چلے گئے جسوقت کہ یوسف زلیخا کے ساتھ طعنہ مارنا یوں لگتا
کہ وہ میں داخل ہو کر زلیخا نے اپنی سب بہانوں سے کہا کہ تم اپنی اپنی چہرہوں سے اپنی اپنی سامنی کا نیچہ
کاٹ کر کہاؤ پس جبوقت کہ اوہوں نے چہرہ یان اوٹھا کر نیچہ کاٹنے شروع کئے اور یوسف یوسف کو زلیخا نے
اور نکو سامنے لاکر بیٹھا یا تھا وہ آپکی صورت دیکھتے ہی ایسی میوٹل ہو گئیں کہ بجای نبودوں کے سب بنے
اپنی اپنے ماتہ کاٹ ڈالنے باوجود کہ اوہوں نے اپنی آپ کو قابو میں رکھنے کی بہت کوشش کی تھی۔ مگر
حسن و زیبائی کی تاثیر کبھی بے اثر نہیں ہوتی۔ زلیخا آپ کو پھر وہ میں پہنچائی جہاں سے لائی تھی اور
جب وہ طعنہ مارنا لیا ان ہوش میں آئیں تو او کو معلوم ہوا کہ بجای نبودوں کے اوہوں نے اپنے ماتہ
کاٹ لئے تھے۔ زلیخا نے کہا کہ تم تو مجھ پر طعنہ کیا کرتی تھیں تمہارا حال تو مجھے یہی بدرجہا بدتر ہو گیا کہ
تم نے بجای نبودوں کے اپنی ماتہ کاٹ لی میں یوسف کو روز دیکھتی ہوں لیکن میں نے کبھی اپنی اوگلی نہیں لائی
غرض کہ سب نے زلیخا کے سامنے سر نہ است جھکایا اور طعنہ زنی کرنا چھوڑ دیا۔

اگر زلف دراز تو دست ما ترسد گناہ بخت پریشان و دست کوتاہی
اگر تیری زلف دراز تک ہمارا ماتہ نہ پہنچے ہماری قسمت پریشان کا گناہ اور ماتہ کی کوتاہی

تیری زلف جس سے جذبہ عشق حقیقی مراد ہی بہت لمبی ہے لیکن اگر ہمارا ماتہ وہاں تک نہ پہنچے یعنی ہم تیرا
عشق نہ کر سکیں تو اس میں زلف دراز کا کچھ قصور نہیں بلکہ ہماری بخت پریشان کی نارسائی اور کوتاہی
خلاصہ یہ کہ تیری جذبہ بخت کا مانع نہیں ہے کسی استعداد پر منحصر ہے کہ چاہے وہ ادا ہو قبول کرے یا نہ کرے۔
بجانب در خلوت سرای خاص کو فلان ز گوشہ نشینان خاک در گناہ
خلوت سرای خاص کے پردہ دار سے کہہ دو کہ فلان شخص ہماری در کی خاک کو گوشہ نشین ہوئے
بصورت از نظر ما اگرچہ محبوب است ہمیشہ در نظر خاطر مرفہ ماست
ظاہر میں اگرچہ ہماری نظر سے محبوب ہے مگر ہمیشہ ہماری ہفتہ خاطر میں موجود رہتا ہے
یعنی اگرچہ ظاہر میں محبوب حقیقی ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے لیکن باطن میں ہمیشہ ہماری دل کی آگاہ نہیں
چاہے ہوا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم ہر وقت اسی دیکھتے رہتے ہیں۔

اگر حوسا نلی حافظ درسی زند بکشا کہ سالہا ست کہ شتاق روی چون نہا
اگر فقیر کی طرح حافظ دروازہ کھکشا کہ کھکشا کہ کھکشا کہ وہ برسوں سے شتاق ہماری رخ روشن کا ہے

سیب ز نخلان ہی محبوب کا قہر امیر لطف مراد ہی یوسف مصری کا اشارہ عاشقان الہی کی طرف بھجنا چاہئے۔
 مطلب یہ ہے کہ اسی مخاطب دیکھ کہ اوسکی سیب ز نخلان (لطف قہر امیر) کیا کہتا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ ہزاروں
 عاشقان صادق اور شائقان واثق ہماری اس چاہ میں پڑی ہوئی ہیں یعنی عاشق ہو گئے ہیں۔ چاہ ز نخلان
 کی نکایت ظاہر ہے۔

بزرغم مدعیانی کہ منع عشق کنند جمال و چہرہ تو حجت موجبہ ماست

مدعیوں کے زعم میں کہ جو عشق کو منع کرتے ہیں تیرا جمال و رخ ہماری لئے ظاہری حجت ہے

یعنی اسی محبوب مدعیوں اور سنکڑوں کے زعم کے رد کر نیکی جو ہم کو عشق سے منع کرتے اور زبان طعنہ دراز
 کرتے ہیں خود تیرا جمال اور چہرہ منور ہماری لئے عمدہ حجت ہے کہ ایسی زبان صورت اور رعنا شکل عشاق کا
 عشق کیسے چھوڑ دیں۔ واضح ہو کہ عارفان کامل ہر مخلوق کو ادیسکا منظر جانتی اور ہر شے سی ادیسکا جلوہ
 دیکھتے ہیں اس لئے یہ بات ادا ہو گئی عشق کو کرتے رہی کی پوری دلیل اور ظاہری حجت ہوتی ہے گو ظاہر میں
 لوگ اسکو نہ دیکھیں اور ادا نہیں زبان طعنہ دراز کریں۔

نقل ہے کہ جب زینبہ یوسف علیہ السلام پر عاشق ہوئی اور عثمان مہر و ضبط اوسکے ہاتھ سے چھوٹ گئی تو
 اوسکے اقارب اور محبوبین عورات نے اوسپر ملاست کرنا شروع کی کہ اسی زینبہ کیا تجھ کو اپنی ایک زر خرید
 غلام پر ایسے بیابانہ طور پر محبت کرتی تو شرم نہیں آتی زینبہ نے جواب دیا کہ تم مجھ پر طعنہ نہ مارو وہ ایسا
 خوبصورت ہے کہ اگر تم اسکو نہ دیکھو تو مجھ پر طعنہ زنی جو مردوگی اور جھسی سی ہو جاؤ گی اون سب نے
 اسکو محض ایک بیہوش بات بھکر جواب دیا کہ زینبہ زبان کو روک خدا نکرے کہ ہم تجھے ہون تجھے تو جنوں ہی ہم
 تیرنی طرح پاگل توڑا ہی ہیں جو غلاموں پر جان دیتی ہیں۔ غرض کہ زینبہ نے اونکی اس انکار کا جواب
 دینے کے لئے سب کی دعوت کی اور طرح طرح کے کہانی ہیاں کئے اور ملک کو دستور کی موافق دسترخوان پرالم
 نبوہی ہوا چہر یوں کے رکھ دی تاکہ ہر زبان اپنا بیوہ چہری سے کاٹے اور کہائے۔ جب کہا نا چنا گیا اور سب
 عزمین ہی آگئیں تو زینبہ اونسے توڑی دیر تو تھ کر نیکی کہہ کر چلی گئی اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچی
 اور نہایت عاجزی سے کہنے لگی کہ اے حسینان جہان کے سرتاج تم ذرا میری ساتھ چلنے کی تکلیف گوارا فرما کر
 مجھ کو زبان خلق کے طعنوں سے جو وہ تمہاری عشق کی بدولت مجھ پر کوئی ہیں رہائی دلو اور میری بھولیوں کو
 اپنا جمال دکھا دو تاکہ وہ آئندہ مجھ کو پاگل نہ بنائیں۔ اول تو یوسف نے انکار کیا مگر زینبہ کے بہت سی اصرار کے

جکا نتیجہ ہوتا ہو کہ عالم کو کسی بات کے مافیہ کے واسطے بہت سی جہت کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ خلافت
غیر عالموں کے کہ بلا جہت کے کسی بات کو مان لیتے ہیں ہم اسکی مثال میں شیطان کو جو معلم الملکوت
تہا پیش کریں گے کہ اوست حضرت آدم کے پتلہ کو سجدہ کر نہیں خدا کے حکم کے خلاف بہت سی قانون کو بگاڑا
اور فرشتوں نے فوراً سجدہ کیا مگر شیطان نے اپنی علم و فضل کے سبب ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اسی
انکار پر وہ راندہ درگاہ الہی ہوا۔ لہذا اس دلیل سے بہت سا علم کہی حجاب کبڑی ہو جاتا ہے۔

بچشم عقل بین در جہان پر آشوب جہان و کا جہان بی ثبات و محفل
جہان پر آشوب کو چشم عقل سے دیکھ کہ جہان اور جہان کا کام بی ثبات و بزموت ہو

یعنی ای محفل ذرا عقل سے سوج کہ یہ دنیا اور اسکا کار و بار حسین تو ایسا عینک اور مستغرق ہو رہا ہے
بالکل ناپائدار اور بے محل ہے پس اس سے بدستگی نہ کہہ اور عشق حقیقی کے عشق میں ڈوب جا۔

دلہ امید فراوان ز وصل روی تو دست ولی اجل برہ عمر ریزان عمل بہت
میرادل تیری چیز کو وصل سے بہت سی امیدیں رکھتا تھا لیکن اجل راہ عمر میں امید کی قرات ہو گئی

یعنی ای محبوب میں تیری وصل اور شاہدہ رخ کی بہت سی امیدیں رکھتا ہوں کہ ضرور رومی دوست کو
دنیا میں شاہدہ کروں گا لیکن یہ موت راہ عمر میں اون امیدوں کی رہزن بن گئی یعنی اجل نے وہ سب
امیدیں منقطع کر دیں کیونکہ جب میں اس دوروزہ عمر پر نظر کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکو کسی طرح کا حکام
نہیں۔ بس میں اس عمر چند روزہ میں ہی محبوب کا شاہدہ کیسے کر سکوں گا۔

ز قسمت ازلی چہرہ سیہ بختان بخت و شوقی بگر و سپیدین مثل
سیہ بختوں کا چہرہ تقدیر ازلی سے ہی باوجود ہونے اور صاف کر نیکی ہی سپیدین ہوتا ہے

جو لوگ کہ ازلی ہی سے بد قسمت اور سیہ بخت چہرہ رکھتے ہیں یعنی عشق حقیقی سے محروم ہیں اونکی موت شوقی
یعنی جدوجہد کسی کے سہاڑے بھائی سے ہی سپید نہیں ہوتے خلاصہ یہ کہ وہ عشق حقیقی حاصل نہیں
کر سکتے چاہے اوننے کتنا ہی کہا جاسے۔

بگیر طرہ مہ طلعتی و قصہ مخوان کسعد و خشن تاثیر زہرہ زحل
کسی مہ طلعت کا طرہ پکڑا اور یہ قصہ نہ چڑھا کہ مخول و سہار کہ زہرہ الزحل کی تاثیر ہے

یعنی ای طالب تو شوق سے زلف مشوق کو پکڑے اور یہ قصہ بہت نسا کہ یہ سعد نہ رہے کی تاثیر ہے اور

پیشتر عشق کا متولہ ہوا یا حافظ صاحب گویا مستحق کی زبان سے فرمائی ہیں اور قریب کی طرف خطاب کرتے ہیں
یا قریب مطلب صاف ہے۔

دورین زمانہ رفیق کی خللی از خلل است صراحی می ناپ سفینہ غزل است

جو رفیق کہ اس زمانہ میں خلل سے خالی ہے صراحی می ناپ اور سفینہ غزل کا ہے

اسکا مرتبہ مطلب ہے کہ جو رفیق یعنی سالک اس زمانہ میں خلل دنیا و مافیہا سے پاک ہو اور سکو گویا شراب
محبت کی صراحی اور خائن و موزنت کے بیان کی غزل یا اسکا سفینہ بھجنا چاہئے۔

جریدہ رو کہ گذر گاہ غایت تنگ است پیالہ گیر کہ عمر عزیز بی بدل است

تنہا چل کہ آسائش کی جگہ تنگ ہے شراب پی کہ عمر عزیز بے بدل ہرگز ہے

یعنی دنیا سے تعلق نہ کرنا اور تنہا رہنا سو اسکا مطلب ہے کہ جو راستہ آرام کا ہر دم بہت تنگ ہو یا یہ کہ اوسمیں صرف
تنہا کئے چلنے کی گنجائش ہے اگر تعلقات کے ساتھ اوسمیں ہو کر گزریگا تو تکلیف اڑھائیگا۔ پیالہ شراب

عشق و محبت کالے کہ عمر عزیز بیش قیمت چیز ہے یہ اگر ضائع ہو گئی تو ہر لڑکے کو نہیں آئیگی۔ یکہ نیکہ عشق ہر روز
و تقویٰ جو کچھ کرنا ہو وہ دنیا ہی میں ہو سکتا ہے موت کی بعد کچھ نہیں ہوگا اسی اعتبار سے عمر کو بے بدل ہرگز نہ
کہ زندہ ہے ہی عشق حقیقی ہی ہو سکتا ہے مردہ سے کچھ نہیں ہوتا۔

نہ من ز بی علمی در جهان طوطیوں طالت علما ہم ز علم بی عمل است

بین ہی جہان میں بی علمی سے طوطی نہیں ہوں بلکہ علما کو ہی علم سے بی عمل سے غرومی ہے

مطلب یہ کہ جہان میں صرف میں ہی بی علمی کی بدولت معرفت الہی سے محروم نہیں ہوا ہوں بلکہ علما کی
غرومی ہی علم سے بی عمل ہی ہے مگر وہ علم جو بغیر عمل کے ہوتا ہے کوئی نفع نہیں پہنچاتا جیسے کہ

حدیث شریف میں وارد ہے **اعوذ باللہ من علم بلا عمل** یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا
کہ بے عمل علم بھڑکے پناہ۔ اور ممکن ہے کہ بے عملی کا اشارہ کثرت علم کی طرف ہو کیونکہ علم پر پوری طور کا

عمل کرنا دشوار ہوتا ہے تو یہ مطلب ہوگا کہ میں ہی اکیلا کثرت علم سے بے معرفت نہیں رہ گیا بلکہ یہ عالم و
فاصل بہت ہو گیا جو معرفت سے محروم ہو کر کثرت علم ہی کا سبب بنا کہ **العلم مباحث اللہ کا کتبہ** بیان

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم ہی معرفت حق کا ذریعہ ہے چنانچہ شیخ سعدی صاحب فرمائی ہیں کہ بی علم تو حق خدا کا
اسکا جواب یہ ہے کہ اگرچہ علم ہدایت کا سبب ہے لیکن غرور و خود بینی اور بکبر و غیور ہی اسی سے پیدا ہو جاتی ہیں

ظاہری طور پر شوگر گزشتہ سے تعلق ظاہری یکساں ہے غرض کہ یہ مطلب ہے کہ جس شخص نے دنیا میں آرام سے بسر کی آخر کار
توجہ میں نہ آست ہی اونہائی یا یہاں سے نادم ہی ہو کر گیا خلاصہ یہ کہ دنیا کا کاروبار سوا ہی نہ آست
ویشیائی کے اور کچھ انجام نہیں دکھاتا۔

ستم گزراں رخ خندان زبان لافی زو پیش عشاق تو شہا بخر است بر خا
بچنے والی شمع نے رخ خندان سے لاف زنی کی تیری عاشقوں کی سامنے شویشان ہو کر اٹھ گئی

عاشقین محبوب حقیقی اور جل جل کر تجھ جانی والی شمع کا مقابلہ ہو کہ گو بچنے والی شمع جس جس کے عاشق میں
زبان سے لاف زنی کرتی تھی لیکن تیرے عاشقوں کی سامنے سے شرم کہا کر اٹھ گئی۔

وہ چمن باد بہاری ز گنار گل و سرو بہو اداری آن عارف عشق قیامت بر خا
چمن میں باد بہاری گل و سرو کے پاس ہے اوس عارف و قد کی زرا داری کے لئے اٹھ

یعنی تمہا میں ہی اوس محبوب کا شاخون اور عاشق حسن و جمال نہیں ہوں بلکہ باغ میں باد بہاری
جو گل و سرو کی ہم صحبت رہتی ہے اوس عارف و قیامت کی ہواداری کے واسطے مستعد ہو گئی۔ عارف کے
مقابلہ میں گل اور قیامت کے مقابلہ میں سرو آیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ صرف میں ہی عارف و قیامت پر
فدا نہیں ہو گیا بلکہ باد بہار نے ہی گل و سرو کو چھوڑ کر اوسکی ہواداری اختیار کی۔

مست بگذشتی و از خاوتیان ملکوت بتما شای تو آشوب قیامت بر خا
تو خلوت میں بیٹھی ہوئی فرشتوں کی پاس ہو کر گزرا تیرے دیکھنے کے لئے ہرچیز قیامت اور ہوا

اسکا خطاب اگر خود مستحکم کی طرف بھیجا جائے تو یہ مطلب ہے کہ تو بادید عشق و محبت اور معرفت میں ایسا
ہو کہ گزرا کہ انسان تو انسان بلکہ گروہ ملائکہ میں ہی تیرے دیکھنے کا شور قیامت برپا ہو گیا یعنی تمام فرشتگان
تیری ملاقات اور دیدار کے لئے ہجوم کر آئے اور نیز میں شعریہ معراج شریف کا یہی مضمون ادا ہوتا مگر ہے
کہ جب ختم المصلیٰ محبوب جو عالم معراج کو گذشتہ شریف نے گئی تو تمام ساکنان عالم بالآپ کے دیدار اور
ملاقات کے لئے ہجوم کئے ہوئے آئے تھے۔

پیش رفتار تو پا برنگرفت از خجلیت سرو سرکش کہ بنا ز قیامت بر خا
تیری رفتار کے سامنے شرمندگی سے قدم نہ بڑھایا سرو سرکش نے کہ جو ناز کے بند و قامت ہو اٹھا

اس شعر میں صرف تعلیل کی خوبی دکھائی گئی ہے یعنی سرو جو چل پھر نہیں سکتا تو اسنا یہ سبب ہے کہ تیری

وہ نامبارک زحل کے اثر سے۔ سعد و نحس خوف ورجہ کے خیال سے ہوتا ہی عاشق کو ان جہگڑوں سے کیا غرض او نہیں صرف اپنی عشق سے مطلب رکھنا چاہئے طرہ کی تشبیہ زحل سے دی گئی ہے جو تارک اور خوفناک ہوتا ہے اور تشبیہ طلعت کی زہرہ سے ہے جو روشن ہو کر تار ہے۔

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی مگر بنامی محبت کہ خالی از خلل است
جس بنا پر تو غور کرے وہ خلل پذیر ہے سوائے ایک بنامی محبت کی کہ جو خلل سے خالی ہوتی
مطلب یہ کہ زہرہ تقویٰ کی یہ بنا و خلل پذیر ہوتی ہے یعنی او میں جلد خلل پڑ سکتا ہے مگر صرف ایک عشق حقیقی کی بنا ایسی ہے کہ جس میں کسی طرح خلل نہیں پڑ سکتا اور نہ اس میں کسی خلل کی گنجائش ہے۔ اسکا مقصود عشق حقیقی کو ذریعہ و تقویٰ سے بڑھاتا ہے۔

ہر بیج دور بخوابند یافت ہر شیارش چنین کہ حافظہ است بادہ ازل است
کسی زمانہ میں او سکو ہر شیار نہ پائیں گے ہمارا حافظہ شرابِ ازل کا ایسا مست ہے
سکروں سے خطاب ہی اور حافظہ کہ اشارہ دل کی طرف یعنی اوست و ہمارا دل بادہ ازل جس سے مقصود عشق و محبت ہی ایسا مست ہو رہا ہے کہ کسی وقت ہی اسکو ہوش میں نہ پاسکو گے یعنی مست بروز است
جو کبھی ہر شیار نہ ہو سکے گا۔

دل و نیم شد و دلبر بکلامت بر خاست گفت با ما غشین کہ تو سلامت بر خاست
دل و دین میرا گیا اور دلبر نے سلامت ہی اوٹھایا کہا کہ ہماری پاس نہ بیٹھ کہ تجھے سلامتی بر خاست ہوئی ہے
عاشق متکلم اپنی ہمدون کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ مجھ سے پیار کے حال پر غور کرو کہ جو کچھ میری پاس تھا حتیٰ کہ
دل و دین ہی اوپر نہار کر دیا تا ہم استغفار محبوب میری حال سے کم نہوئی اور اوسنے یہ کہہ کر اپنی پاس سے
اوٹھار دیا کہ سلامتی تیری وجہ سے اوٹھی جاتی ہے اسلیٰ تو ہماری پاس نہ بیٹھ۔ عاشق کی ابتر حالت ہی مجلس
ممشود میں خلل واقع ہوتا ہے چنانچہ عام قاعدہ ہے کہ معشوق لوگ اپنی ہلکے بین عاشقوں کا آنا پسند
نہیں کرتے ہذا ایمان نہیں حافظہ نمنا صہ وہ ہی مضمون ادا کر رہی ہیں۔ حقیقی معنی کے اعتبار سے اس
اوٹھ جانے کا دلور عاشق کی وجہ سے سلامتی کے برخاستہ ہونیکا مطلب صرف استغفار محبوب حقیقی بھی آجاتا
چنانچہ آگے کہتے ہیں کہ:

کہ شنیدی کہ درین بزم دمی خوشی است کہ نہ در آخر صحبت بہ ندامت بر خاست
کب نہ توئی کہ کوئی اس بزم نہ پائے تیری درخوشی است آخر صحبت میں ندامت سے نہ اوٹھایا گیا

یعنی موت کی امید قریب ہی کہ بہت جلد میں اس جو جسمانی سے علحدہ ہو کر تجربہ میں جا ملوں گا اور تیرا
وصل حاصل کروں گا۔

در عشق خالقہ و خرابات شریعت
ہر جا کہ بہت پر تو روی صلیب

عشق کے لئے خالقہ اور خرابات کی شرط نہیں جس جگہ کہ ہے روی صلیب کا پر تو ہے

یہ شعر جہاں معرفت کی بہرہ ہوا ہے اور ہر شخص اپنی عقل و فہم کی موافق اسکو سمجھ کر اس سے مخطوط ہو سکتا ہے۔
گو ظاہر میں الفاظ ایک دوسری کی ضد معلوم ہوتے ہیں لیکن اسکا مطلب ہمدوست و ہم اندوست ہے یعنی
عشق حقیقی کرنے کے واسطے خالقہ یا شراب خانہ کی شرط نہیں ہے خالقہ میں بھی وہی اور خرابات میں بھی وہی
ہر جگہ اویس کا جلوہ ہے کسی اور کا نہیں تو ہر اویس کے عشق کے لئے خالقہ کی شرط کیوں کیجائی اور خرابات کی کیوں
نہ کیجائی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ زہد شراب پیو دی مسجد میں بیٹھ کر یا وہ جگہ بتاؤ جہاں پر خدا ہو

آنجا کہ کار صومعہ راجلوہ میدہد
ناقوس و دیو راہب نام صلیب

اوس جگہ کہ عبادت خانہ کے کام کا جلوہ نظر آتا ہے
شکر اور بختاں راہب اور صلیب کے نام میں

صومعہ بمعنی عبادت گاہ صلیب ایک سے کوئی لکڑی ہوتی ہے جسکو نصرانی زنا کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ راہب
نصرانیوں کا پارسانا ناقوس شکر کہ جسکو اہل ہندو بت پرست پرستش کے وقت بجا کرتے ہیں۔ فارسی کی پرانی شریعت
اس شعر کا مطلب نہیں کیا گیا شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ شاعرین نے اسکو خلاف شریعت سمجھ کر وہ سنی نہیں لکھے مضمون
شعر سے پیدا ہو رہی ہیں۔ چونکہ تصوف میں بعض اوقات شریعت کو دخل نہیں دیا جاتا اسلئے ہماری خیال میں اسکا مراد
یہ مطلب ہے کہ ناقوس بختاں اور راہب کی صلیب گو بت پرستوں اور ترسیالوں کی عبادت کے علحدہ علحدہ طریقے ہیں
لیکن ان سب ذریعوں سے اویس ایک ذات کی پرستش ہوتی ہے یہاں نہ میں ہی وہ ہی پوجا جاتا ہے اور کلیسا میں بھی
وہ ہی برہمن ناقوس ہی اویس کے واسطے بجاتا ہے اور راہب صلیب ہی اویس کے واسطے باندھتا ہے۔ غرض ہر جگہ
اویس کی پرستش ہوتی ہے۔ جب طالب نے اپنی لومطلب ہو گئی تو اوسکو مسجد اور بختاں و کلیسا میں وہی نظر
آتا ہے اگر عبادت کے ظاہر ہی سامانوں پر نظر ڈالی جائے تو بڑا فرق ہے اور جو باطن کو غور کرو تو سب ہی کئے
و لداہ میں ہیں۔ اس شعر کا یہ مطلب بیان کر نہیں زیادہ پس پیش اس وجہ سے نہیں ہوا کہ اس سے اوپر کا شعر
بھی اسی مضمون کا موید ہے۔

عاشق کہ شد کہ یار بختاں نظر نکرد
ای خواجہ در دینیت و گریہ طیب

کون ایسا شاعر ہو کہ یار نے اوسکو حال پر نظر نہ کیا
ای خواجہ در دینیت و گریہ طیب نہ ہو جو دین

رفار کے لئے خجالت سے گڑ گیا ہر سرو کی تعریف میں سرش کا نظا سیلے لاتے ہیں کہ وہ سید اکبر است
 جکتا نہیں جب اسکو قیاسے تشبیہ دی گئی تو سرکشی کا اطلاق ہی عام ہو گیا۔
 حافظ ایں خرقہ بیند از مگر جان بری کاتش از خرمن سالویش کراست
 حافظ اس جتہ کو بینک مگر جان بچاے کہ آگ مکر و کراست کی خرمن سے اوٹھی
 یعنی ای حافظ تو اس مکر و فریب کے جس کو بینک شاید کہ اسی طرح سے تو اپنی جان نکال لیا وہی اسو اسو
 مکر و کراست کے ہی خرمن سے آگ پیدا ہوتی ہے اور جتہ ان دونوں صفتوں کا ماں ہے پس اگر تجھ اپنی جان
 اس مکر و فریب کی آگ سے بچانی ہے تو تو اس جتہ کو ہی بینک ہے۔

روی تو کس نینید و ہزارت قریب است در غنچہ ہنوز و صدت عند لیک است
 تیرا مونہ کسی نے نہ دیکھا اور ہزاروں قریب پیدا تو
 رقیب ہی مراد عام عاشقان الہی میں گو عاشقان کامل با ہم ایک دوسرے سے مجازی عاشقوں کی طرح رنج و
 عداوت نہیں رکھتے تاہم جب سب ایک ہی مشوق کے عاشق ہیں تو او کو قریب کہنا یا جانی نہیں نہ معرکہ ثانیہ میں ہی
 اسی مضمون کی توضیح ہے اور عند لیب سے وہ ہی شیدا الہی مقصود ہیں لہذا مطلب یہ ہے کہ ای محبوب حقیقی تیری
 صورت کو کسی نے نہیں دیکھا مگر ہزاروں قریب پیدا ہو گئی اور یہ گل وحدت اپنی غنچہ سے باہر نکلا لینی تو نے اپنا
 دیدار (جو حقیقت کو دکھایا یا جانیگا) ابھی کسی کو نہیں دکھلایا کہ سیکڑوں بلبلین (عاشقان صائق) غنچہ کے
 ہول ہو جانے (تیرے خیال) کے مشاق ہیں۔

گر آدم باوئی تو چند ان غریب است چون من درین دیار ہزاران غریب است
 اگر میں تیری کوچہ میں آیا تو چند ان عجیب نہیں کہ مثل میری اس دیار میں ہزاروں مسافر ہیں
 یعنی اگر غریب سے غریب تیرے کوچہ میں آگیا اور عشق میں آگیا اور عشق کا دعویٰ کرتا ہوں تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ تیری کشور
 عشق میں ہزاروں عاشقوں والے دہر گشتہ پہرے میں خلاصہ یہ کہ ایک میں ہی تیرا عاشق نہیں ہوں بلکہ
 ایک عالم تیرے ہمدان محبت کا مسافر ہے۔

ہر چند دورم از تو کہ دور از تو کس باد لیکن امید وصل تم ام غنقریب است
 ہر چند کہ میں تجھے دور ہوں اور تجھ کو دور کوئی ہوں لیکن مجھے تیرے وصل کی امید غنقریب ہے
 مطلب یہ کہ باعتبار صورت جسمانیہ میں مجھے دور ہوں اور کوئی عاشق تجھے دور نہیں لیکن تیری وصل کی امید تو کی

اس کا خطاب خود منظم اپنی طرف کرتا ہوا کہتا ہوں کہ اس سالک عاشق تیرا طالع سعید اور دولت مادر زاد تفریق
ہجران اور جدائی بھراؤں کے بعد ہر چہکار یعنی تجھے محبوب کا وصل حاصل ہوا۔ پس چشم بدو کہیں دشمن کی
نظر نہ لگ جائے یعنی ہر کہیں ہجر نہ ہو جائے۔

شکر ایزد کہ درین باد خزان رخت نہ یافت بوستان بہمن و سرو گل و شمشاد

خدا کا شکر کہ اس میں باد خزان نے رخت نہ پایا تیری چنبیلی و سرو گل اور شمشاد کو باغ میں
سرو گل شمشاد وغیرہ سے عاشق لوگ مراد میں کہ جو بعض اوجھ سے محبوبیت کے مقام میں ہیں اور بعض محبت کے
یعنی خدا کا شکر ہے کہ باد خزان نے جس سے جدائی اور ہجران کی طرف اشارہ ہوا طالبوں اور عاشقوں کو دونوں
رخت نہ پایا اور تبدیل تغیر اور کاشش سے او کی عشق میں کسی قسم کا نقص پیدا نہیں کیا ہے۔

حافظ از دست مدہ صحبت این کشتی نوح ورنہ طوفان حوادث بہر و بنیاد

ای حافظ اس کشتی نوح کی صحبت کو ماتہ بندی ورنہ حوادث کا طوفان تیری بنیاد کو بہا لیا گیا
کشتی نوح اور طوفان کی رعایتیں ظاہر ہیں۔ مگر یہ ان کشتی نوح کا اشارہ وجود مرشد کی طرف ہے اور مطلب صاف ہے
کہ ای حافظ تو مرشد کی صحبت کو نہ چھوڑ ورنہ حوادث دنیا کا طوفان تیری بنیاد کو بہا لے گا۔

ساقی بیار بادہ کہ ماہ صیام رفت در وہ قح کہ موسم ناموس نام رفت

ای ساقی شراب لاکہ ماہ صیام گزرا پیالہ دے کہ ناموس و نام کا زمانہ گیا
مطلب یہ کہ ای مرشد یا ای وعدہ ایزدی شراب عشق و محبت دی کیونکہ رمضان کا مہینہ جس سے نہ ہوا
و پار سائی کی طرف اشارہ ہے ختم ہوا اور ایام عید یا موسم بہار کہ زمانہ عشق کا ہے آیا پس پیالہ دے کہ ناموس
اب ندگ و نام و عظمت و خود بینی کا وقت نہیں اب تو زندگی اور مستی کا زمانہ ہے حسین ناموس نام نہ
جائے رہنے کا اندیشہ ہی نہیں رہتا۔

وقت عزیز رفت بیا تا قضا کنیم عمری کہ بی حضور صراحی و جام رفت

پیارا وقت گیا آج کہ اوسکی تلافی کریں وہ عمر کہ جو بغیر موجودگی صراحی اور جام گزری
صراحی و جام بمعنی نذر سبب و ارادہ سبب جس سے عشق مراد ہے اور مطلب یہ کہ ای مرشد جوانی تو ہو ولیپ کی
تیری اور بغیر حصول عشق و محبت کے گزر گئی اب کہ دوسرا زمانہ آیا پس تو شراب لاکہ کہ دل بہول کر اس قدر
پیارے کہ اس وقت کی تلافی ہی ہو جائے۔

یعنی ای خواجہ جو شخص عاشق ہو یا راستے ضرور اسکے حال پر نظر عنایت رکھی اصل بن حق بات تو یہ ہے کہ
در دین ہے و گرنہ طیب تو موجود ہی رہیو اے ہی اگر نہون تو میا کے زندہ کہے۔

فریادِ حافظ این ہمہ آخر ہر زہ نیست ہم قصہ غریب حدیثی عجیب است
فریادِ حافظ کہ یہ تمام آخر یہودہ سراہی نہیں نادر قصہ اور عجیب حکایت ہے

یعنی عشق کی داستان محض یہودہ سراہی نہیں ہے بلکہ عجیب قصہ اور نئی حکایت ہے۔

ساقیا آندنت عید مبارک بادت وان مواعید کہ کردی نرود از یاد

اے ساقی عید کا آنا تجھے مبارک ہو اور وہ وعدے کہ جو تو نے کئے تھے نہ ہوین

اسکا مطلب صاف ہے کہ ای ساقی جو وعدے کہ تو نے کئے تھے انکو عید کے دن فراموش نہ کر دینا۔

در شکستہ کہ درین مدت ایام فراق برگزینی ز حریفان دل و دین میداد

مجھے تعجب ہے کہ اس ایام فراق کی مدت میں تو نے حریفوں سے دل و دین لے لیا جو تجھے دیا

یعنی مجھے تعجب ہے کہ تو نے ایام فراق کی مدت میں عاشقوں سے دل لیا حالانکہ وہ تجھ کو اس سے پہلے ہی دے چکے تھے۔

برسان بندگی دختر رزگو بدر آئی کہ دم ہمت ما کرد ز بند آزادت

ای دختر رزگو (مشتوق) بندگی پہنچا اور کہو کہ باہر آؤ کہ ہمارے دم کی ہمت ڈبے قید سے آزاد کیا

اسمیں مشتوق کا لفظ محذوف ہے دختر رزگو بندگی پہنچا نیکی اور محبوب سے باہر نکلنے کو کہنے کی فاعل سمجھی جائیگی یعنی

ای شراب تو ہماری بندگی محبوب کو پہنچا اور کہو کہ باہر نکلے اور حریفوں کے ساتھ میٹھا شراب نوشی کری کسو اسٹاک

ہماری ہمت کے دم نے اسکو ننگ نام کی یا تنہائی کی قید سے آزاد کرایا۔ اسمیں گویا مشتوق کی پردہ نشینی اور

تنہائی کو دور کر نیکی اور عاشقوں کی پاس تک آنے اور انکو ہم صحبت ہو نیکی تحریک کی گئی ہے۔

شادی مجلسیان در قدم و مقدمت جامی غم باو ہر آن دل کہ نخواہد شاد

مجلسیوں کی خوشی تیری تشریف آوری سے ہے ہر وہ دل غم کی جگہ ہو جو کہ جو تیری خوشی نہ کرے

یہ شراب پر کے شر سے قلعہ بند نہونا چاہئے اور مطلب یہ ہے کہ عاشقان جلسہ کی خوشی تیری تشریف آوری پر بھرے

وہ دل جو تیرا ناخوشا اور تیری خوشی نہ کرنا ہو خدا کرے کہ غم کا ٹھکانا بنے۔

چشم بدوزن زین تفرقہ خوش باز آؤد طالع نامور و دولت ماور ز اوت

چشم بدوزن کہ اس تفرقہ سے بہ خوشی لوٹ آئی تیرا نصیب نامور اور تیری دولت ماور ز اوت

یعنی اسے زیادہ خلوت و تنہائی اور نیاز کو تو جان کہ یہ تیرا کام ہے عاشقوں کو تو روز ازل سے راحت و آرام عطا کیا گیا ہے۔

نقد دلی کہ بود مرا صرف باوہ شد **قلب سیاہ بود از ان در حرام رفت**

جو نقد کہ دل کا تہا وہ شراب میں صرف ہو گیا قلب سیاہ تھا اس وجہ سے حرام میں گیا
مطلب یہ کہ جبکہ نقد دل میری پاس تھا وہ سب شراب میں صرف ہو گیا۔ لیکن اس میں کچھ مضائقہ نہیں
اس واسطے کہ قلب سیاہ اگر حرام میں صرف ہوا تو بجا اور بر محل ہو ایسی ہی چیز کو ایسے ہی کام میں صرف ہونا ہی
چاہئے تھا۔ اس کے عرض کر نیکی ضرورت نہیں ہے کہ شراب ہی عشق و محبت مراد ہے اور حرام شراب کی صفت اگر
عشق مجازی حفظ نفسانی کی غرض سے ہو تو وہ بیشک حرام ہو گا دل میں اگر عشق حقیقی ہو تو وہ صاف ہی
اگر مجازی ہے تو وہ سیاہ کہلا یا جائیگا۔ نقد کے واسطے قلب اور دل کے واسطے قلب سیاہ شراب کے لئے
حرام کا لفظ لای میں اور یہ سب رعایتیں خالی از لطف نہیں۔ اس کے علاوہ قلب سیاہ کو ٹوٹ سکے کو ہی کہتے ہیں۔
دیگر مکن نصیحت حافظ کہ رہ نیافت **گم گشتہ کہ باوہ عشقش بکام رفت**
اور زیادہ حافظ کو نصیحت نہ کر کہ او سزاوار نہ پائی تو گم گشتہ ہو اس کی شراب محبت کا مہ ہے
یعنی اسے ناصح حافظ کو زیادہ نصیحت نہ کر تو کہہ دیا گیا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جس کو شراب محبت کی کام ہے وہ نصیحت کو
نہیں مانے گا اس کے عاشق کو نصیحت کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

صبا اگر گزری افتد بکشور دوست **بیار نفخہ از گیسوی معبر دوست**

اے صبا اگر تیرا گزریار کے شہر میں ہو تو دوست کے گیسوئے معبر سے خوشبولا
صبا کا کنایہ مرشد کی طرف ہے اور مطلب یہ کہ ای مرشد کامل اگر تیرا گزیر کشور دوست کی طرف ہو جس نے
عالم وحدت اور مشاہدات تجلیات مراد ہے تو اس کے گیسوئے معبر سے تھوڑی خوشبو (بیان حقائق و معارف)
ہم تک پہنچا دے اگر تو اینا کرے تو۔

بحان او کہ بشکرانہ جان برافشام **اگر گیسوی من آری پیام از بردوست**

اوس کی جان کی قسم کہ شکرانہ میں جان دیوں اگر تو میرے پاس دوست کا طرف سے پیام پہنچاؤ
قسم اوس کی محبوب کی جان کی کہ میں اس کے شکرانہ میں اپنی جان بچھیر شمار لڑوں گا۔ یہ صرف
اوس خوشی میں کہ میری پاس دوست کا پیام پہنچا۔

در تاب تو بہ چند توان سوخت بچو عود می وہ کہ عمر در سر سودایِ خام رفت
تو بہ کی شدت میں کب تک عود کی طرح جلین شراب لاکہ عمر سودایِ خام میں گذر گئی
یعنی اس ساقی ہم تو بہ کی تاب و پشیم میں کب تک جلتی رہیں اب شراب دی کہ تمام عمر سودایِ خام میں
یعنی اوس ہی تو بہ کے خیال میں گذری چلی جاتی ہے۔

مستم کن اپنجان کہ باختم ز یخودی در عرصہ خیال کہ آمد کہ ام رفت
یعنی اتنا مست کر کہ یخودی نہ سے بخانون عرصہ خیال میں کہ کون آیا اور کون گیا
یعنی اسے ساقی خم معرفت یا ای مرشد کامل مجھے عشق الہی کی شراب سے اس قدر مست و یخود کر دی کہ
مجھے یہ خیال ہی نہ آیا کہ کون آیا اور کون گیا خلاصہ یہ کہ میں عشق الہی میں ایسا محو مطلق ہو جاؤں
کہ دنیا میں کسی کی موت زیت سے ہی علاقہ نہ رکھوں۔

بر بوی آنکہ جرعه جامی بہار شد در مصطبہ دعای تو ہر صبح و شام رفت
اس امید کہ جام کا کوئی گہونٹ نہ کھوٹے شراب خانہ کے اندر تیری دعا میں صبح و شام گذری
مطاب صاف قابلِ شرح نہیں شعر مذکورہ بالا کی توضیح ہے اور اس قسم کا مضمون کئی جگہ اس سے پہلے لکھا ہے
دل را کہ مردہ بود حیاتی ز نور سید تابوی از نسیم میش در مشام رفت
دل کو جو کہ مردہ تھا از سر نو زندگی ملی جبکہ اوسکی نسیم کی بود مرغ میں پہونچی
مطاب یہ کہ جب اوسکی ہی محبت کی بوسہ مشام جان میں پہونچی۔ تو گویا دل جو سبب زہد و تقویٰ کے مردہ
پہون گیا تھانے سے زندہ ہوا۔

ز اہد غرور داشت سلامت بہ در راہ رند از رہ نیاز بدار السلام رفت
ز اہد جو کہ مغرور تھا منزل پر سلامت نہ پہونچا رند طریقہ نیاز بندی سے دار السلام میں پہونچ گیا
مطلب یہ کہ ز اہد بوجہ غرور عبادت کے منزل پر سلامتی سے نہ پہونچا یعنی اوسکا خاتمہ بخیر ہوا اور رند مقام
عجز و نیاز اور قصور کی ندامت کی وجہ سے داخل جنت ہوا اگر رند سے عاشق صادق مراد لین تو دار السلام کے
مقام وصال حقیقی (جس کو بقا یا شہ کہتے ہیں) کے ہون گے۔

ز اہد تو دان خلوت و تنہائی و نیاز عاشق را حوالہ بعیش مدام رفت
از اہد خلوت و تنہائی اور نیاز کو تو جانے عاشق کو عیش مدام حوالہ کیا گیا

خلاصہ یہ کہ دوست کے نزدیک ہم ایسے حقیر ہیں اور ہماری نزدیک دوست کا ایسا بڑا مرتبہ ہے۔
 چہ باشد از شہود از قید غم دلش آزاد چہ هست حافظ مسکین غلام و چاکر دوست
 کیا تعجب ہو چنانچہ دل کو غم کی قید سے آزاد ہو جائے کیونکہ حافظ غریب دوست کا چاکر اور غلام ہے
 یعنی جب حافظ اپنے دوست کا ایک کتر چاکر اور ادنیٰ خدمت میں ہے تو کیا تعجب ہو کہ وہ اس کے طفیل میں
 غم دل کی قید سے یعنی مجھ سے آزاد ہو جائے خلاصہ یہ کہ دوست کو وصل پر اور مسکاح حق ہو اگر میر ہو جائے تو
 تعجب ہی کیا ہے۔ اور وصل کے بعد غم ہی نہ ہو گا۔

غمش تا در دلم ما و اگر فتہ است سرم چون زلف او سودا گرفتہ است
 جب سو اس کا غم نے میری دل میں جھک لی ہو میرے سر کو اس کی زلف کی طرح سودا ہو گیا ہو
 یعنی جس روز سے کہ میں نے اس کا عشق کیا ہو اسی کی زلف کی طرح پریشان ہوں خلاصہ یہ کہ سرگرائی
 میری اوس کی زلف کے سودے کی بدولت ہے۔

لب چون آتش آب حیات است از ان آب آتشی در ما گرفتہ است
 اوس کا لب آتش نما آب حیات ہے اوس آب سو ہماری اندرون میں آگ ہو گئی
 یعنی محبوب کا لب سرخ جو مثل آتش کرے آب حیات کا حکم رکھتا ہو مگر اوس ہی آب حیات کے اثر سے ہماری اندرون
 جسم میں سوز و گداز ہوا ہو اسی معنوی اعتبار سے آب کا کنا یہ اسم مشکلم کی طرف اور آتش بہ لحاظ غزیری کے
 لاسے ہیں جب کہ اسم مشکلم نے منصور پر تجلی کی تو اس نے انا الحق کا دم بہرا۔ اور مارا گیا آب حیات بقاء جلاویز
 کے اعتبار سے ہی مصرعہ ثانی کی آتش کا اشارہ تجلی اسم مشکلم کی طرف کہ جو مثل آتش اور آب حیات کے ہی
 یعنی سالک کی فناء و بقاء کا سبب ہے پس اوس آتش نے ہماری سینہ میں گہر کیا اور ہم کو حالت فنا میں
 پہنچا دیا۔

ہمائی ہمتم عمر نیست کز جان ہوئی آن قد بالاک گرفتہ است
 میری ہمت کے ہمارے مدت ہوئی کہ جان سے ہوا اوس قد بالاک کی سنہ لے لی ہے
 مطلب یہ کہ میری ہمت نے دل و جان سے اوس محبوب حقیقی کے عشق کو جس کے قدر و عنایت میں امتداد ظہور نے
 تمام عالم پر سایہ ڈالا مدت ہوئی کہ قبول کر لیا ہے پایہ کہ میرا عشق ازلی ہے چند روز سے نہیں۔
 قد بالاک اعتبار سے ہمارا کافظ لای میں یعنی میری ہمت ذریعہ قد بالاک پر ہو کر گذر نیکی خواہش کی۔

حضرت نباشد بار برای دیدہ بیاور غباری از درو
اور جو اوس جناب تک تو بار نہ پاسکے تو آنکھوں میں لگانیکے واسطے اوسکو در کاغذاری لیتی تھی
یعنی اگر اوس جناب میں جو بڑی عالیشان ہے تیرا گزر نہوسکے تو اوسکے در کاغذاری لیتی تھی جو کہ آنکھوں میں
لگا کر حد عشق طے کریں۔

من گدا و تمنائی وصل او ہیات مگر خواب بہ بینم جمال و منظر دوست
مین خیر اور اوسکے وصل کی آرزو افسوس مگر اوسکے جمال کا منظر خواب میں دیکھتا ہوں
مطلب صاف ہی تشریح کی ضرورت نہیں۔ جاننا چاہئے کہ اس عالم میں خدا کا جمال عارفان کامل کو کئی طرح پر
نظر آیا کرتا ہے۔ ایک تو صفت سے اوس صانع کا مشاہدہ ہوتا ہے دوسری خواب میں۔ کہیں مشاہدہ قلبی ہی ہوتا ہے
مگر اسکے واسطے کوئی خصوصیت نہیں کہ آیا سب کو ایک ہی صورت نظر آتی ہے ممکن ہے کہ رویت حق سبحا
نعالی مختلف ہو بہر حال جب عارف مرتبہ عشق پر پہنچ جاتا ہے تو اوسکو اوسکی استعداد کی موافق مشاہدہ
تجلیات ہوتا ہے خواہ وہ قلبی ہو یا خیالی یا صنعتی۔ صنعت سے صانع قدرت کا جمال دیکھنے کا یہ مطلب ہے کہ
یہ تمام چیزیں جو ہر کو نظر آتی ہیں انکی ایسی صورت ظاہر ہوں گے واسطے ہی در نہ جو دیدہ باطن رکھتی ہیں
اونکو اسکے سوا کچھ اور ہی معلوم ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کسی درخت کا کوئی پتہ جو ظاہر ہوں کو بت نظر آتا ہے
وہ دیدہ رہنا نہ کہنی واسطے عارفوں کو کچھ اور ہی دکھائی دیتا ہے مگر ہماری آنکھیں جو باطن میں نہیں وہ
اوسکو محض ایک ناچیز پتہ خیال کرتے ہیں جبکہ عارفان کامل اس مشاہدہ الہی کا لطف اوٹھاتے ہیں یہی
جو باعتبار اپنی نام کے سیاہ فام اور کچھ ہی خوبصورت نہ تھی مجنوں کی آنکھوں کو تمام دنیا سے زیادہ
خوبصورت دکھائی دیتی تھی اس سے صاف ظاہر ہے کہ مطلوب کو دیکھنے کو طالب کی آنکھوں کی ضرورت
ہوتی ہے نہ کہ غیر عاشق کی آنکھوں کی۔

دل صنوبر ہم تجو بید لرزان بہت ز حسرت قد بالائی چون صنوبر دوست
دل صنوبر میرا مثل بید کی کاشت ہے دوست کے قد بالا صنوبر مثال کی حسرت سے
صنوبر کو قدیار سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن اوسکے پہلوں کو دل سے ہی تشبیہ دیجاتی ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ
میرا دل جو صنوبر کے پھل کی طرح ہے قدیار کی حسرت میں بید کی طرح لرزان اور پریشان رہتا ہے۔
اگرچہ دوست بخیر کی کمی خود مارا بعالمی نظر و شبیم موی از سر دوست
اگرچہ دوست ہر کو کس قدر بھی خوش میں نہی میں جرتا مگر ہم دوست کی سرک بال کو ایک عالم کی خوش میں بھی جرتا

و انا عاشق و محبت نک کے سالک نو آموز سے کہا کہ تو ناز نکر اور مغرور ہو کہ اس باغِ دنیا میں
تو جیسے بہت سے پہل کیلے آفر کار موت کی باو خزان سے معدوم ہو کر سب ہم میں یکساں ہو چکے۔

گل بجز یہ کہ از راست زنجیم ولی پسح عاشق سخن تلخ بمشوق محبت
پہل ہنسا کہ میں پر ح بات سوز دہ نہیں ہوا لیکن کسی عاشق نے معشوق سے تلخ بات نہیں کی

چونکہ سالک مقامِ محبوبیت میں تھا یہ سکر ہوا اور اس نے کہا کہ جو کچھ تو نے فرمایا یہ بالکل صحیح ہے اور میں بھی
بات سے ریخندہ نہیں ہوں گا لیکن تو نے جب مجھ کو اپنی محبوبیت میں مرفراز کیا ہے تو یہ مت کہو اس واسطے کہ
کوئی عاشق اپنی معشوق سے تلخ بات نہیں کیا کرتا۔

گر طمع داری از ان جامِ مصع می لعل درو یا قوت بنوکِ ثرہات بایست
اگر تو اس جامِ مصع سے می لعل کی طمع رکھتا ہے تو تجھ کو اپنی ثرہ کی نوک کی موتی اور قوت پرور دیتا ہے
جامِ مصع سے مراد مرشدِ کامل، جی لعل اس در حقیقت و معرفت۔ مطلب یہ کہ اگر شد سے اسرار معرفت و حقیقت
معلوم کرنا چاہے تو اپنی نوکِ ثرہ سے دروازے کی سیخ پر دینی رو۔

تا ابد بویِ محبت بمشامش نرسد ہر کہ خاک در میخانہ پر خسارِ معرفت
قیامت تک ہی اوسکو شام میں محبت کی دہنہ پہنچے گی جسے کہ میخانہ کو در کی خاک و خساروں کی نہ بھاری
میخانہ سے مراد منزلِ عشق اور محبت کی عبارت محبت الہی ہے یعنی مشترک ہے اوسکو شام میں بویِ معرفت پہنچے گی
جسے عشق کو حاصل نہیں کیا ہے۔

در گلستانِ ارم دوش چو از لطف ہوا زلفِ سنبل ز نسیمِ سحری می آشفست
کل باغِ ارم میں جب لطف ہوا سے سنبل کی زلف نسیمِ سحری کی پریشان ہوئی
گفتہ امی سندھم جامِ جہانِ سہیت کو گفت افسوس کہ آن دولت بیدار محبت
میں نے کہا کہ اے سندھم تیری جامِ جہان کو کیا ہوا کہا افسوس کہ وہ دولت بیدار سو گئی
مطلب یہ کہ کل جس سے زمانہ گزشتہ مراد ہے باغِ ارم میں وجود سالک نسیمِ سحری سے جس کی مقامِ محبت
مقصود ہے پریشان ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ اے سندھم نشین شہِ حبشہ تیری جامِ جہان میں نہی
اوس مقامِ محبوبیت کو کیا ہوا تو اس نے یہ جواب دیا افسوس کہ وہ دولت بیدار حاکمِ عالم اوس مقام
محبوبیت کی حالت ہی سو گئی اور مقامِ محبت میں کہ جو سراسر رنج و الم کا باعث ہے پہنچاؤں گا۔ خلاصہ یہ کہ

مستم عاشق بنالای بلندش کہ کار عاشقان بالا گرفته است

میں اوسکے قد بلند کا عاشق ہوا ہوں اس واسطے کہ عاشقوں کا کام چوٹی کو پہنچنا ہے

بالا سے مراد ذات محبوب حقیقی اور مطلب یہ کہ میں اس محبوب حقیقی کا عشق کیا ہی جتنا مرتبہ سب سے بڑا ہے
یعنی سب اوسکی بناؤ ہو رہی ہیں چونکہ عاشقوں کا کام انتہا کو پہنچنا یا کسی بڑے سے بڑی کی خواہش کرنا ہوتا ہے
اس وجہ سے میں نے سب ہی بلند کا عشق کیا۔

چو ماور سایہ اللطاف اودیم چہرا و سایہ از ما و اگر فتہ است

جب ہم اوسکے الطاف کے سایہ میں ہیں تو کسو اسطی اور سو (اپنا) سایہ ہم نے لے لیا ہے۔

مطلب صاف یہی ہے کہ جب ہم اوسکی الطاف کو سایہ میں ہیں تو نہیں معلوم کہ کیسے وہ میرے ملتفت نہیں شاید
اس میں کو مصلحت ہو۔

نسیم صبح عبرت نوبست امروز مگر یارم رہ صحر اگر فتہ است

آج نسیم صبح معطر ہو رہی ہے شاید میری محبوب نے راہ جنگل کی لی

نہ در یائی دو چشم گوہر اشک جہان در نولوی لالہ گرفتہ است

میری چشم کے دو دریاؤں سے گہرا اشک نے جہان میں گوہر آباد کر رکھے ہیں

یعنی میری آنکھیں ہر یار میں اتنا روئیں کہ جو اشک اونیچے گرے وہ چکھار مونی ہے اور جہان ان کی آواز میں گھل گیا۔

حدیث حافظ ای سرو سمن بو بوصف قد تو بالا گرفته است

اے سرو سمن بو حافظ کے اشعار نے میرے قد کے وصف کے سبب بڑا عروج پایا

صاف یہی محتاج شرح نہیں کہ اشعار حافظ کو جو عروج یا شہرت حاصل ہوئی وہ صرف اس وجہ سے ہوئی کہ وہ ہر
نئی شے کے وصف میں شکر کیا کرتا ہے۔

صبح دم مرغ چین با گل نوحا سہ گفت ناز کم کن کہ درین بلغ بسی چونتو شکفت

صبح کے وقت مرغ چین نے گل نوحا سے کہا ناز کم کر کہ اس بلغ میں تیری طرح بہت شگفتہ ہوئی ہیں

جاننا چاہئے کہ نوحا ثنائی یعنی سالکوں کو اول مقام محبوبیت میں لا کر بعد کو مقام محبت میں پہنچاتا ہے

اور بعض کو اس کے عکس پر لانا حافظ اول الذکر سالک کی خبر دیتے ہیں یعنی صبح کے وقت کہ احوال کن ابتدا ہے

مرغ چین لاہوتی نے جسکا کنایہ ذات واجب الوجود سے ہے بموجب یا عبادی انت فی عشقی و محبتی

یعنی راہ عشق میں رنجیدہ خاطر کی کو دخل نہیں دینا چاہئے شراب لانا کہ اس کو بی کر باہم لمجائیں اور
پُرانی کدورتوں کو ایک قلم صفحہ خاطر سے مٹ دین اس کا مخاطب اپنی زمانہ کا سالک طریقت ہی لہذا
حافظ صاحب اپنی مخاطب سو فرما رہی ہیں کہ جو کچھ ہی کدورت و رینہ یا جدیدہ ہم تم میں ہو اس کو شراب
مبت الہی پیکر معاف کر لو عارفان کامل کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ آپس میں جیسا کہ مقتضای بشریت ہوا زندگی
کو دخل دین چاہے یہ آرزو کی کسی بنا پر ہو تاہم اس کی صفائی ہی کر لینی اچھی چنانچہ دوسری جگہ ایسی یوں
کہتے ہیں کہ سے وفا کنیم و جہاں کشیم دغوش باشیم کہ در طریقت اکافریت رنجیدہ ہے۔

عشقبازی را تحمل باید ایدل پائدار گریز بلای بود و در خطای رفت
ایدل ثابت قدم رہ عشق بازی کو بردباری چاہی اگر مصیبت آئے دے دی اور اگر خطا ہوئی ہو جاؤ
مطلب یہ کہ عشق بازی میں استقلال چاہئے ایدل ثابت قدم رہ اگر کوئی مصیبت یا رنج ہو پوچھ یا کوئی خطا
سرزد ہو جائے تو تو اس سے بدل نہ ہو بلکہ خطا کی معافی مانگ کر مصیبت سے عشق چیلے جاؤ عشق کے جانتا ہوں
کہے ہی نہیں کہ ان سب باتوں کو رفت گذشت کر دیا جائے اور اپنی لوم ف محبوب حقیقی سے لگا بی جاؤ
از سخن چینیان ملا متہا پدید آید ولی چون میان ہمنشینان ماجرای رفت
سخن چین لوگوں سے رنج پوچھ میں لیکن ہمنشینوں میں جو کچھ ماجرا گذرا گذرا
عیب حافظ کو ملن ز اہل کز رفت خاہ پائی آزادان چہ بندی گز بجائی رفت
اویز اہل حافظ پر عیب نہ لگا کہ خانقاہ سے چلا گیا آزاد لوگوں کا تو کیا پاؤں باندہ سکتا ہے جس جگہ گئی
ز اہل کی طرف خطاب ہو کہ اویز اہل تو حافظ پر اس بات کا الزام نہ رکھ کہ وہ خانقاہ سے نکل کر میخانہ جا پوچھا
حافظ مست عشق اور آزاد ہے جس جگہ اس کا جی چاہے گا چلا جائیگا تو آزاد لوگوں کے پاؤں میں رسی کیسے
ڈال سکتا ہے بندہ عشق کو کسی صومو اور خانقاہ سے کیا غرض۔

بکوی میکدہ پر سالکی کہ رہد نیست در و گردن اندیشہ تبہ دانست
جس سالک کو میخانہ کے کوچہ کی راہ معلوم ہے دوسری دروازہ کو کشکشاٹانے میں اندیشہ تباہی کا
میکدہ سے منزل عشق حقیقی مراد ہے اور مطلب یہ کہ جس سالک نے عشق حقیقی کی منزل کو معلوم کیا ہے وہ پور
کہیں نہیں جائیگا اس واسطے کہ سوای عشق الہی کے اور کسی کا عشق کر نہیں تباہی اور بربادی کا اندیشہ ہے اور
یہ بات ہی سالک کو معلوم ہے۔

مقام محبوبیت مجھے جاتا رہا اور مقام محبت میں پہنچنے کا وقت آیا۔
 سخن عشق نہ آنست کہ آید بزبان
 ساقی نامی وہ کو تہ کو تہ کہ این گفت و
 عشق کی باتیں وہ نہیں کہ زبان پر آسکین
 ای ساقی شراب دی اور یہ کہنا بسنا ختم کر

مطلب صاف ہی محتاج شرح نہیں۔
 اشک حافظ خرد و صبر بدریا اندا
 چہ کند سوز غم عشق نیارست نہفت
 حافظ کے اشک نے عقل اور صبر کو دریا میں ڈال دیا
 حافظ کیا کرے کہ غم عشق کا سوز چہا یا نہیں چاہتا

حافظ کی اشکباری نے اس کی عقل اور صبر دونوں کو دریا میں ڈال دیا یعنی حافظ بے صبر ہی ہو گیا اور عقل ہی
 پس اسی وجہ سے عشقنازی میں مشہور اور شراب نوشی میں رسوا عالم ہوا مگر وہ کیا کرتا جبکہ سوز غم عشق
 نہ چہا یا جاسکتا ہے اور نہ ضبط ہو سکتا ہے۔

گر ز دست زلف مشکینت خطای رفت
 وزر ہندوی شہا بر من جہای رفت
 اگر تیری زلف مشکین کی مانند سی خطا ہوئی ہوئی
 اور تمہارے ہندو سی ہم پر جہا ہوئی ہوئی دو

زلف مشکین کا کنایہ جذبہ عشق اور تعالیٰ قہاری کی جانب بھٹنا چاہئے۔ خطای رفت یعنی عالم کو قتل کر دیا یا مار دیا
 حیرانی میں سرگردان و پریشان کیا ہندو کا اشارہ پہراوی زلف مشکین کی طرف ہی یعنی اگر اس تمہاری
 زلف نے میر جہا کی تو کچھ پروا نہیں عاشق ان سب کی جہا میں سننے کے لئے ہی ہوتے ہیں۔

برق عشق از خرم من پشیمہ پوشی سوخت
 جو شاہ کامران کبر کدای رفت
 برق عشق کی بجلی نے اگر خرم من پشیمہ کو جلایا۔ جلایا
 شاہ کامران کا ظلم اگر فقیر پر ہوا ہو جانے دو

برق عشق اصناف بیانیہ خرم من پشیمہ پوش سے وجود عاشق مراد ہے۔ شاہ کامران کا اشارہ محبوب حقیقی کی
 جانب مطلب صاف ہے کہ اگر برق عشق نے وجود عاشق کو سوختہ کر دیا تو کرنے دو کچھ پروا نہیں اور اگر
 محبوب حقیقی نے عاشق ناچیز پر استغنا اور بے التفاتی روا رکھی تو رکھنے دو کچھ تعجب نہیں ہوا سو اسطرح کہ

کار عاشق خون جل بر پائی جانان ریختن چاکار عشوقان نمک بر زخم نہان ریختن
 گردم از غمزدہ دلدار بازی بر و برود
 جان اور جانان کے درمیان جو کچھ ماجرہ گذرا
 اگر میرا دل غمزدہ دلدار سے بازی لگیا لگیا

در طرقت رنجش خاطر نباشد می بیار
 ہر کدورت را کہ منی خون صفای رفت
 طرقت میں رنجش خاطر نہیں ہوتی شہاب لا
 جس کدورت کو تو دیکھنے میں صفائی کے گئی گئی

ساتی سے مراد معشوق نرگس ساتی سے چشم ساتی جسکا اشارہ تجلی ذاتی یا جذبہ عشق کی طرف ہو ترک
سید دل ہے وہ ہی چشم ساتی باعتبار استغنا مقصود ہے اور مطلب یہ کہ میری دل سے اس محبوب کو عشق سے
اپنی جان کی امان پنہا ہی یعنی امید زندگی کی نہ رکھی اس واسطے کہ وہ خوب جانتا تھا کہ عشق میں ہوا ہی جان دے دے
اور کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا۔

ورامی طاعت دیوانگانِ زما **مطلب** کہ شیخ مذہب ما عاقلی گندہ دانست

بجز طاعت دیوانگان کے ہم سے نہ ہو جوئے کہ ہمارے مذہب کا شیخ ہشیاری کو گندہ جانتا ہے
طاعت دیوانگان سے اعمال بے ریا مراد ہیں اور عاقلی یعنی ہشیاری جسکا اشارہ اون اعمال کی طرف ہے کہ
محض حصول جنت اور ثواب کی غرض سے کئے جاویں۔ باقی مطلب صاف ہے کہ ہمارے ہوا دیوانوں کی ہی زندگی
کے اور کو نہیں ہے اس واسطے کہ ہمارا ارشد جبکہ ہم مذہب میں ہیں اون اعمال کو جو بغرض حصول جنت
کئے جاویں گناہ سمجھتا ہے۔

واضح ہو کہ عاشقان صادق عبادت کو اسلئے پسند نہیں کرتے کہ وہ حصول جنت کو واسطے کی جاتی ہو اور انکا
مذہب معرفت الہی ہے جسکا نشانہ فنا فی اللہ ہو کر بقا باللہ ہو جانا ہے۔

زجور کو کب طالع سحر گہبان چشم چنان گریست کہ خورشید دیدہ و مست

کو کب طالع کے ظلم سے صبح کو میری آنکھ اس قدر روی نکا سورج کو دیکھ کر چاند جانا
ستارہ نصیب کو جو سے یہ مطلب ہو کہ نصیب کی ستارہ ہی نے معشوق سے جدا کر کے مجھے ظلم کیا اس ظلم کے
سبب میری آنکھیں صبح کو اس قدر روئیں کہ تیرا گہن یا اونکی مینائی ایسی کمزور ہو گئی کہ جب صبح کو سورج نکلا تو
مجھ کو چاند معلوم ہوا۔ اس اعتبار سے کہ جب آنکھوں کی بصارت میں دھندلاہٹ آجاتی ہے تو سورج کی شکل
جیسے آنکھیں اوکھ دیکھنے کی برداشت نہیں کر سکتیں نظر نہیں آتیں اور وہ خیرگی شعاعوں میں نہیں معلوم
ہوتی گرہن کے وقت اکثر کاج کے ٹکڑے پر سیاہی لگا کر سورج کو دیکھا کرتے ہیں تو وہ ایک روشن قرص
نظر آتا ہے اور بلا اس ترکیب کی نظر اوپر نہیں ٹھہر سکتی۔ چنانچہ حافظ صاحب کے شعر کا یہی مطلب ہے۔

خوش آن نظر آلب جام و روی ساتی را ہلال یکشب و مہ چہار و دانست

وہ نظر اچھی کہ جس نے کنارہ جام اور رخ ساتی کو پہلی شب کا ہلال اور چہارمیں رات کا چاند جانا
اس شہر میں صنعت نف و نشر ہے یعنی وہ نظر کیا ہی اچھی ہے کہ جس نے پہلے کے کنارہ کو ہلال شب اول اور رخ ساتی کو

زمانہ افسرِ رندی نداد جز یہ کسی کہ سرفرازی عالمِ درین کلاہست
 زمانہ نے رندی کا تاج سوائی اوس کے کسی کو نہ دیا کہ جس نے سرفرازی عالم کی اسیر کلاہ میں بھی
 بر آستانہ میخاتہ ہر کہ یافت رہی ز فیض جام می اسرارِ خالقہ دانست
 جس نے شراب خانہ کے آستانہ پر راہ پائی تو اوسنی جام شراب کے فیض سے خاندانہ کی بیدارم کر
 شراب خانہ سے مراد منزلِ عشق اور جام می سے مراد مرشدِ کامل ہے یعنی جس شخص نے عشق الہی کر نیکی کے لہر شکرال
 کے محبت سے فیض اوٹھایا دے تمام بیدار خانہ کے جو عابدوں کا مقام عبادت ہو معلوم کر لئے۔
 نقل ہے کہ کسی شخص کا جنازہ ایک بزرگ کے دروازہ پر ہو کر گزرنے لگا۔ بزرگ نے اپنی خادمہ کے کھانک
 دروازہ پر جا کر یہ خبر لے کہ یہ جنازہ عورت کا ہی یا مرد کا۔ چنانچہ کینز فوراً دروازہ پر آئی اور دیکھ کر واپس
 چلی گئی جب اوس سے پوچھا کہ تو نے دیکھا جنازہ مرد ہی یا عورت کہنے لگی کہ یہ تو میں نہیں جانتی کہ مرد ہی یا عورت
 مگر یہ مجھے خوب معلوم ہو گیا کہ جنازہ دوزخی ہے یا فانی کہا کہ مجھے برسوں عبادت کرتے گزر گئے میں تو یہ پہچان ہی
 نہیں سکتا کہ کون دوزخی ہے اور کون جنتی تو نے کیسے پہچانا لونڈی نے جواب دیا کہ ایسی شیخ یہ بات عظیمہ ہی
 جو زہد و تقویٰ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ عشق وہ مقام ہے جہاں کفر و اسلام سب یکساں ہیں۔ بکفر و باسلام یکساں ہو کر
 کہ ہر ایک زو دیوان اور فقرست ہے۔

ہر آنکر از دو عالم ز خطِ ساغر خواند رموزِ جامِ جم از نقشِ خاک رہ دانست
 جس کسی نے دو دنوں جہاں کا یہ خطِ ساغر معلوم کیا جامِ جم کے اسرار کو نقشِ خاک راہ سے پہچانا
 ساغر کا کنا یہ مرث کی طرف یا دلِ سالک کی جانب ہے اور خطِ ساغر سے تلخیں مرشد یا تجلیاتِ الہامات مراد ہیں
 اور مطلب یہ کہ جو کوئی تجلیاتِ الہامات یا تلخیں مرشد سے فیضیاب ہوا وہ جامِ جم کے رموز کو خاک راہ کی برابر
 جانتا ہے چونکہ ساغر جمید میں تمام حالات ملک کے دکھائی دیا کرتے تھے اسلئے حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ جو
 تجلیاتِ الہامات سے فائز المرام ہوا اوس کے سامنے جامِ جم یا جامِ جہاںِ ناک کی کچھ حقیقت نہیں رہی کیونکہ اوس کے
 ایک عالم کا حال معلوم ہو سکتا تھا تو اس سے دو دنوں جہاں کا احوال ظاہر ہوتا ہے۔

دلِ زمر گس ساقیِ امان کو مست بجان چرا کہ شیوہ آن ترکِ دل سید دانست
 میر و دانے زمر گس شیم ساقیِ جان کی ملان پناہی کس واسطے کہ وہ اوس سید دل ترک کی شیوہ کو جانتا تھا

دی جاتی ہے اس شعر میں سیاہی اور جادو اور سحر پر سقیم جس کے معنی سخت اور بیمار کے ہیں اور بیمار کے لئی
 نسخہ کا لفظ یہ سب آنکھوں کی رعایت سے لائے گئے ہیں۔ اور مطلب کا خلاصہ اتنا ہی کہ ای محبوب تیری آنکھیں
 سیاہ اور جادو بری تو ضرور ہیں ادھر سبز اور مشکل ہوئی کہ بیمار ہی میں بیمار کی کمزوری اور نگاہ معشوق
 کی استغنائی سے مشابہت دی جایا کرتی ہے کہ جب طرح بیمار اپنی آنکھوں کو ثقاہت سے ادھر ادھر نہیں ڈالتا
 پس معشوق لاپرواہی سے ایسا کیا کرنا ہے۔ چنانچہ اس شعر میں سب لفظ بڑی خوبی سے نظم کئے گئے ہیں۔
 در خم زلف تو آن خال سیرانی نیست نقطہ دودہ کہ در حلقہ جیم افتادہ است
 تو جانتا ہو کہ تیری زلف میں وہ خال سیاہ کیا چیز ہے کاجل کا نقطہ کہ جو جیم کے حلقہ میں پڑ گیا ہے
 حرف چ کو زلف سے تشبیہ دی جاتی ہے یعنی تیری زلف کے خم میں خال سیاہ نہیں ہے بلکہ ایک نقطہ ہے
 جیم کے درمیان لگا ہوا ہے۔

سایہ سرو تو بر قالب ہم ای عیسیٰ دم عکس رو نیست کہ بر عظم مہم افتادہ است
 ای عیسیٰ نفس تیری قد کا سایہ میری قالب پر روح کا ایک عکس ہے کہ جو بونہ پڑیوں پر پڑ گیا ہے
 عیسیٰ دم معشوق کی صفت ہے اور مطلب صرف یہ ہے کہ ای محبوب عیسیٰ دم تیری قد کا سایہ جو میری قالب پر ہے
 یہ روح کا ایک عکس ہے کہ جو میری گلی سڑی پڑیوں میں کام دے رہا ہے یعنی تیری سایہ سے میری بوسیدہ ڈھانچہ میں
 روح پونجی ہے۔

زلف مشکین تو در گکش فردوس عذار چیت طاووس کہ در باغ نعیم افتادہ است
 تیری مشکین زلف گکش فردوس عذار میں کیا ہے۔ نمور ہے کہ جو باغ جنت میں پھرتا ہے
 غزالتے ہیں کہ تیری زلف تیرے عارض پر اسطرح بل کہا رہی ہے کہ جب طرح مور باغ جنت میں سیر کرتا پھرتا ہے۔
 دل من در ہوس روی تو ای مونس جان خاک امیست کہ در پای نسیم افتادہ است
 ای مونس جان میرا دل تیرے رخ کی ہوس میں راہ کی خاک ہو کہ جو ہوا کے ہیر میں پڑی ہوئی ہے
 یعنی ای محبوب میرا دل تیرے چہرہ کے دیدار کی ہوس میں گویا خاک راہ ہو گیا ہے کہ جو ہوا کے ہیروں کی پٹ سے
 لوگوں کے چہروں پر جاتی ہے لہذا دل ہی خاک راہ ہو کر تیرے دیدار کے شوق میں ہوا کے ہیروں سے
 پٹ ہے کہ شاید اس ذریعے سے تیری صورت دیکھ پاسے۔ یعنی اسلئے خاک راہ ہوا ہو کہ ہوا کے ساتھ اوڑھ کر
 تیرے رخ کے پاس پہنچے اور تیری چہرہ کا بوسہ لے۔

چودہمین رات کا چاند بھرا۔

بلند مرتبہ شاہی کہ نہ رواق سپر

نمونہ زخم طاق بارگہ دانست

اوہی شاہ کا مرتبہ بلند کہ جسے نہ فلک کو
شام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مطلب یہ کہ حضور کا مرتبہ بہت بلند ہی کیونکہ آپ نے
تو آسمانوں کو اپنی بارگہ کا خم عراب جانا یہ مرتبہ عارفان الہی کا ہے اور ممکن ہی کہ اس علوم مرتبتی کا اشارہ
عروج سورج کی طرف ہو۔

حدیث حافظ و سناغ کشیدن پنہان

چہ جای محسوب و شمنہ بادشہ دانست

حکایت حافظ کی اور اس کا چپکرا شراب پینا
محسوب و شمنہ تو کیا بادشہ تک جانتا ہی
یعنی حافظ کی یہ بات کہ وہ عشق بازی کرتا اور چپ چپ کر شراب پیتا ہی محسوب اور کوتوال ہی کو معلوم نہیں ہے
بلکہ بادشاہ تک کو معلوم ہے۔ خلافت یہ کہ حافظ کے افعال اظہر من الشمس ہیں۔

تا سز زلف تو در دست نسیم افتادہ است

دل سودا زوہ از غصہ دو نیم افتادہ است

جب سو کہ تیری زلف کا سرا نسیم کے ماتھے پڑا ہے
دل دیوانہ غصہ سے دو نیم ہوا
سوز زلف سے مراد عالم صفات نسیم سے ارادہ ازلی قضا و قدر۔ زلف در دست نسیم افتادن فارسی محاورہ
بمعنی زلف کا ہوا سے پریشان ہونا۔ مطلب یہ ہی کہ جیسے ارادہ ازلی نے تیری زلف کو جسکا کنایہ عالم اسما
صفات کی طرف ہے تیری رخ عالم آرا کے اوپر جسکا اشارہ اسی وحدت مطلق کی جانب ہوگا پریشان کیا
یعنی وحدت کو کثرت کے نیچے پوشیدہ کر دیا ہی اور ہلکوشا ہدہ ذات مطلق سے دور کر کے عالم کثرت میں
کہ جو بجائے پر ہے مبتلا کیا تو ہمارا دل دیوانہ غصہ سے کہ جسکا کنایہ شاہدہ ذات مطلق سے باز کہنا ہی زخمی
اور ٹکڑے ہو گیا اور یہ عالم کثرت اگرچہ ظاہر میں حجاب ذات مطلق کا ہی لیکن باطن میں زیبائی اور افزونی
جمال کا سبب بھنا پیا ہے۔

چشم جادوئی تو در عین سواد بحر است

اینقدر مست کہ این نسیم سقیم ہو گیا ہے

تیری چشم جادو عین سیاہی میں محو ہے
صرف اسقدر ہی کہ یہ نسیم سقیم ہو گیا ہے
یعنی تیری جادو پوری آنکھوں میں جو سیاہی ہے وہ ہی عین جادو ہے پس صرف اسقدر مشکل ہو گئی کہ سیاہی
میں سیاہی ملکر نسیم اور زیادہ سقیم ہو گیا سقیم ہمارا کو یہی کہتے ہیں اور معشوق کی آنکھوں کو یہی بیماری تشبیہ

اور اس سے زیادہ تو کیا خواہش رکھتا ہوا دیکھتا ہوں کہ جو اب میں کہا کہ جلوہٴ معشوق ہی نے تو مجھے اس حالت کو پہنچا دیا کیونکہ اسکی انتہا نہیں اور میں بے صبر ہوں پس یہ خیال میری زاری کا باعث ہو کہ میں فانی کا محض معرفت الہی کو نہ پہنچ سکوں گا۔

یار اگر نشست بامانیت جانی اعتراف پادشاہ کامران بود از گردایان عاردا

یار اگر ہماری پاس نہ بیٹھا تو اعراض کا معنی نہیں ہو وہ شاہ کامران تھا اور فقیروں سے عار رکھتا تھا بادشاہ کامران معشوق حقیقی کی صفات ہی۔ یعنی اگر اس معشوق نے غایت استغنا سے جو اس کا شیوہ خاص ہے ہمیر نظر لطف نہ کی یا ہماری پاس نہ بیٹھا تو اس میں اعراض کا کوئی موقع نہیں کیونکہ وہ باقی ہے

دور ہم فانی میں پس باقی اور فانی کا کیا جوڑ۔ بہشتِ ثاک را با عالم پاکہ

عارفی کو سیر کر و اندر مقامِ مستی مست شد چون مستی از عالم اسرار د

وہ عارف کہ جس نے مقامِ مستی میں سیر کی مست ہوا کیونکہ عالم اسرار سے مستی رکھتا تھا مستی معنی فنا اور مستی بمعنی بقاء یعنی وہ عارف کامل کہ جس نے تمام مستی میں جس سے وافتہ مراد ہی سیر کی ہست یعنی بقاء باقی ہو گیا اس واسطے کہ عالم اسرار سے وہ عشق الہی میں مست تھا مگر دنیا ہی میں اگر جو کہ وافتہ ہو سوخت الہی کر کے اسکو ساتھ باقی ہوا۔

در نیمگیر نیاز و عجز با محسن دوست خرم آن کز ناز غیاں بخت برخوردار شد

میرا مجر و نیاز دوست کو حسن بر اثر نہیں کرتا وہ بڑا خوش کہ جو ناز غیاں سے فائدہ اٹھاتا ہو یعنی میں چاہی عاجزی کروں چاہی نیاز ان سب کا کچھ ہی اثر یا بر نہیں پڑتا وہ شخص ہست ہی خوش نصیب ہو کہ جسکی قسمت میں معشوقن سے فائدہ حاصل کرنا لکھا ہو۔

خیز تا بر کلک آن نقاش جان افشان کہیم کہیں ہمہ نقش عجب گردش پر کار د

اوپر نہ تاکہ اوس نقاش کے قلم پر جان خدا کر دیں کہ یہ تمام نقش عجیب پر کار کی گردش میں کہنتا ہو یعنی اسی مخاطب سالک کو کب تک ان فانی صورتوں پر بیٹھا رہے گا اوپر اور اس غفلت سے باز آ تاکہ اوس صانع پرچون کے قلم پر اپنی جانیں نہا کر میں جسو اپنی صنعت سے ان تمام نقوش عجیب کو بنایا ہو جو تجھ کو دنیا میں نظر آ رہی ہیں اور یہ تمام طرح طرح کی صورتیں وہ اپنی ہی پر کار کی گردش میں رکھتا ہے یعنی وہ ہی انکو بناتا ہے اور کوئی نہیں بنا سکتا۔

ہر گرو این تن خاکی نتواند بر خاست
 از سر کوئی تو زانو کہ عظیم افتادہ است
 گرد کی طرح یہ خاک کی تن نہیں اوٹھ سکے گا
 ترے کوہ سے اس واسطے کہ عظیم پڑا ہو اسی
 یعنی میرا تن خاکی ترے کوہ سے گرد کی طرح نہیں اوٹھ سکے گا اس واسطے کہ اس کی افتاد افتاد عظیم ہے کچھ ایسی ہی
 نہیں کہ جو گرد کی طرح اوڑتی ہو جس سے گرا سو گرا او پڑا سو پڑا
 آنکہ جز کعبہ مقامشن بد از یاد لبست
 بر در میکہ در بدم کہ مقیم افتادہ است
 وہ شخص کہ جز کوہ کے جس کا مقام نہ تھا تیری لب کی یاد میں
 میں نے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ دروازہ پر مقیم ہو گیا ہو
 یعنی اسی خوب وہ شخص کہ جس کا مقام سوائے کعبہ کے اور کہیں نہ تھا میں نے اس کو دیکھا کہ تیری لب کی یاد میں
 شراب خانہ کے دروازہ پر ڈٹ گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تو نے صد نامسلمانوں کو کافر کر ڈالا اور کعبہ سے
 جدا کر کے میخانہ کے دروازہ پر لا بیٹھا یا لب یار کو میکہ سے تشبیہ دینی کا قرینہ شاید ساتی ہو۔ اور یہ شعر
 حافظ صاحب اپنی حائل میں تحریر فرماتے ہیں۔
 حافظ گم شدہ را با غمت اچان عزیز
 اتحادیست کہ از عہد قدیم افتادہ است
 اسی پیار حافظ گم گشتہ کو ترے غم سے
 ایک اتحاد جس سے کہ جو عہد قدیم سے ہے
 جان عزیز کا اشارہ معشوق کی طرف ہے۔ غم سے غم عشق اور عہد قدیم سے لفظ قالو بلی مراد ہے۔ یعنی اے
 محبوب حافظ گم گشتہ کو تیری غم عشق سے اتحاد ازلی ہے کچھ آج سے نہیں۔
 بلی بلی برگلی خوش رنگ و منقار وشت
 و اندران برگ نو خوش نالہا زار وشت
 ایک بلی خوش رنگ ہول کی تھی جو رخ میں لڑتا
 اور اس سامان خوشی پر بھی خوب نالہ وزاری کرتا تھا
 گشتش در عین وصل این نالہ فریاد
 گفت باری جلوہ معشوق در این کار وشت
 میں نے اس کو کہا کہ میں وصل میں یہ نالہ فریاد کیسی
 جواب دیا کہ جلوہ معشوق ہی تو مجھ کو اس کام میں کہتا ہے
 خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بلی کو جو پنج میں ایک گل ترکی تھی لہو ہونے اور اس پر آہ وزاری
 کرتے ہوئے پایا۔ جب اس کو پوچھا یہ کیا بات ہے کہ وصل میں ہی وہ ہی رونا جیسا کہ تو ادنیٰ جواب دیا
 کہ میں وصل میں جو حاصل ہو میری نالہ وزاری کا سبب ہو رہا ہے حقیقی اعتبار سے گل کا کتنا یہ معشوق کی
 حالت اور بلی کا عاشق کی طرف ہے۔ یعنی میں نے ایک عاشق زار کو دیکھا کہ وہ باوجود وصل معشوق
 کے بھی روتی ہی چلا جاتا تھا چنانچہ میں نے اس سے دریافت کیا کہ اب یہ زاری کیسی ہے اور اس سے

گرت ز دست برآید مراد خاطر ما بہ بخش زود کہ خیری برای خوشین است
 اگر تیرے ہاتھ سے ہمارے دل کی مراد برآوی تو جلد بخش کہ یہ خیر اپنے واسطے ہے
 یعنی ای محبوب ہمارے دل کی مراد تیرے ہاتھ سے برآوی تو اس میں دیر نہ کر اور جلد مراد کو پہنچا کیونکہ گویا کہ
 تو یہ نیکی ہمارے ساتھ کرتا ہے لیکن باطن میں اپنی ہی واسطے سجاوٹ کے لیے کہ یہ تیرے کرم و فضل کی شہرت کا
 باعث ہوگی۔ کسی سخی نے ایک روز کہا کہ آج تک میں نے کسی کے ساتھ کوئی نیکی نہیں کی ہے لہٰذا لوگوں نے
 پوچھا کہ اور یہ جو تھے لوگوں کے ساتھ احسان کئے ہیں یہ کہاں جائیں گے جواب دیا کہ یہ تو خود لوگوں کے
 میرے پاس آئیں گے میں پس جو کچھ میں نے کیا اپنی ہی ساتھ کیا ہی غرض کہ واسطے کچھ نہیں کیا۔
 بجاۃ ای بت شیرین من کہ بخون مع شبان تیرہ مرادم فناء کی خوشین است
 اسی میری بت شیرین تیری جان کی قسم کہ مانگتے ہیں شبان تیرہ میری مراد اپنی کو فنا کرنا ہے
 شبان تیرہ بمعنی زمانہ جدائی یعنی ای میرے دل بابت تیری جان کی قسم کہ میں اس زمانہ جدائی میں شمع
 اپنی فنا کا طالب ہوں اور میری مراد اس سے یہی ہے کہ جلد فنا ہو کر تیرے پاس پہنچوں۔ بموجب آیت کریمہ

فَقُتِبُوا بِالْمَوْتِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۵

چورائی عشق زدی با تو گفتم ای بلبل مکن کہ این گل خود رو برای خوشین است
 جب تو نے عشق کا خیال کیا تو ای بلبل میں تجھے کہا کہ عشق مست کرے خود رو پہول اپنی ہی دستگیر
 یعنی ای بلبل شیدا جب تو نے محبت کر لیا خیال کیا تو میں نے تجھے کہہ دیا تھا کہ عشق مست کرے کہ تو نہ یہ خود رو پہول
 جس کا اشارہ ہے پروا محبوب کی طرف ہے اپنی ہی لئے ہے یعنی بے نیاز ہے اور کسی کی محبت کی احتیاج نہیں کرتا۔
 بلبل سے عاشق کا مل مراد ہے۔

بمشک چین و چگل نیست حسن گل محتاج کہ ناہاش ز بند قیامی خوشین است
 چین و چگل کے مشک کا حسن گل محتاج نہیں ہے کیونکہ وہ بہت سے نالے اپنی بند قیام میں کہتا ہے
 خلاصہ یہ کہ معشوق حقیقی کا حسن دوسری چیز کا محتاج نہیں بلکہ ذاتی حسن کہتا ہے جب پہول میں خود خوش ہو تو وہ کسی اور
 خوشبو کا محتاج نہ ہوگا اور جبکہ بہت سے نالے او کو بند قیام میں ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں چین و چگل کے مشک کی ضرورت نہیں
 مرو بخاند ارباب بیحروت دہر کہ نچ عافیت است و سرای خوشین است
 زمانہ کے بیحروت ارباب کے گھر پر بخا کہ تیرے لئے گوشہ عافیت اپنی ہی گھر میں ہے

گر مرید راہ عشقی فکر بدنامی مکن

اگر راہ عشق کا مرید ہے بدنامی کی فکر نہ کر

شیخ صنعا خرقہ رہن خانہ خمار و اشت

شیخ صنعا نے شراب خانہ میں خرقہ پہن کر پید کیا

شیخ صنعا ایک بڑے عارفوں میں سے گزرے ہیں اور ان کی سات سو مرید تھے کہتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم صاحب کی ہمدعا سے وہ کسی بت پرست کی دفتر پر عاشق ہو گئے اور اسلام کو ترک کر دیا۔ یا تو شیخ صنعا کی اتنی مرید تھے اور پچاس بار حج کیا تھا یا جب اس عورت کے عشق میں گرفتار ہوا تو اس زہر و پار سائی کو بالآخر طاق کر کے شراب پی بت کو سجدہ کیا قرآن مجید کو جلادیا یہاں تک کہ سو چراغ اور کسی بدنامی سے پورے سب کے عشق کی بدولت کیا لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ تو اگر زندہ عشق ہو تو شیخ صنعا کی طرح بدنامی کی فکر نہ کر اسلئے کہ عاشقوں کو بدنامی یا نیکنامی سے غر من نہیں ہوتی اور کو تو صرف مشوق سے کام ہوتا ہے جس میں وہ خوش رہیں یہ شاد لکھا ہے کہ آخر میں شیخ صنعا تائبہ غیبی سے ہر دائرہ اسلام میں اگر اپنی حالت میں ہو گئے اور مسلمان رہے۔

وقت آن شیرین قلندر خوش کردار طیار

ادس شیرین قلندر کا وقت چہا کہ اطوار سیرین

شیرین قلندر سے عاشق صادق مراد ہے اور مطلب یہ کہ ادس عاشق کا وقت بہت اچھا جو باطن کی معموری ظاہری خرابی میں رکھتا ہو یعنی محبوب حقیقی کی طاعت و عبادت اس طور سے کرے کہ جس پر کسی شخص کو وقوف نہ ہو۔ چشم حافظ زہیر بام قصر آن جہی شہر

کدس در سر شہر کے محل کے زہیر بام حافظ کی آنکھ۔ (ایسی) باغ کہ جنگل کے نیچے نہرین ہتی ہتی ہتھو کا شہوہ کہتا ہے جنت بخوری تختہ الانہار کلام مجید کی ادس آیت کا ایک حصہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے بہشت کی تعریف کی ہے یعنی بہشت میں ایسے باغ و زن جنگل کے نیچے نہرین ہتی ہتی ہتی ہتی خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حافظ نے آنکھوں سے ادس محبوب کے محل کے زہیر بام زور و کراہی طرح ندیان بہانیکا شہوہ کر دیا ہے کہ جس طرح بہشت کے باغوں کے نیچے نہرین ہتی ہتی ہتی ہتی۔ قصر اور حور و زہیر بام وغیرہ سب رعایتی الفاظ ہیں جنت بخوری

بکشن لغزہ کہ امیش سزای خوشین است

غزہ سے قتل کر کے اسکی سزا یہی ہے

بدام زلف تو دل متبلائی خوشین است

نیری زلف کے دام میں اپنا دل بہنسا ہوا ہے

یعنی پہلے میں عوام میں مشہور ہو جانیکے خوف سے ڈرتا تھا کہ مبادا میرے غصہ عیش جسے شہبازی اور
شرابخواری مراد ہے لوگوں کو معلوم ہو جائیں اب چونکہ محتسب صاحب خود جان گئے کہ میں یوں پوشیدہ فری
اور اتنا ہوں تو اب مجھ کیسے کا خوف نہیں رہا۔ شرابخواری سے عشق و محبت اور محتسب سے مرشد کامل مراد ہے
دلبر آسائش ماصلحت وقت نبرد ورنہ از جانب مادل نگرانی دھمکت

دلبر نے ہماری آسائش کو مصلحت وقت نبرد کیا۔ ورنہ ہماری جانب سے اشتیاق دل جان جاتا
یعنی محبوب نے ہماری آسائش کو خلاف مصلحت سمجھا ورنہ ہماری دل کا وہ اشتیاق جو ہماری طرف سے ہے
اوسکو معلوم ہو جاتا کہ خلاصہ یہ کہ اوسنے دنیا میں ہمارا وصال مصلحت وقت نہ سمجھا ورنہ ہماری اشتیاق کا
حال اوسپر ضرور ظاہر ہو جاتا۔

سنگ و گل را کند از یمن نظر لعل و عشق ہر کہ نفس باد یمانی دانست

مٹی اور پتھر کو نظر کی یمن سے لعل و عشق کیا جسے کہ نفس باد یمانی کی قسم رجاتی ہے
یمن ایک ملک کا نام ہے جہاں کا لعل مشہور ہے۔ باد یمانی۔ اِنِّیْ لَا کَیْدَ لِنَفْسِ الْبَاسِ مِنْ جَانِبِ الْیَمَنِ
جس سے مراد درگاہ حق کے مقبول لوگ ہیں یعنی جسے کہ اپنی انفاس کی قدر و قیمت کو نہ پہچانا اوسکو کہ کسی
راستگان نہیں کیا حتیٰ کہ کوئی دم ہی یاد الہی سے خالی نہ چھوڑا پس بنوایا کیا اوسکو یہ کرامت حاصل
ہو گئی کہ اوسنے ایک نظر سے پتھر کو لعل اور مٹی کو عشق بنا لیا۔

ایک از دفتر عقل آیت عشق آموزی ترسم این نکتہ تحقیق ندانی دانست

ای مخاطب تو نے دفتر کی عقل کے عشق کی آیت سیکھی میں ڈرتا ہوں کہ یہ نکتہ تو نے ٹھیک طور پر بخانا
خلاصہ یہ ہے کہ ای مخاطب جب تو نے عقل کے ذریعہ سے عشق کیا تو مجھے خوف ہے کہ تو اس باریکی کو نہ پہنچا
کیونکہ عشق سر اسر عقل کی ضد ہے۔ عاشق عقل نہیں رکھتا اور جو عقل کے زور سے عاشق ہو وہ عاشق نہیں
نقل ہے کہ جب شمس الدین تبریزی کا مولانا جلال الدین رومی (جو مولانا فاروق کے لقب سے مشہور ہیں)
کے مدرسہ کی طرف گذر رہا تھا تو اونہوں نے مولانا روم سے کہا چاروں طرف کتابوں کے ڈھیر لگو جو دیکھے
شمس الدین نے پوچھا کہ مولانا یہ کیا چیز ہے جواب دیا کہ تمہیں اللہ کیا غرض یہ علوم فنون کی کتابیں ہیں
یہ سنکر شمس الدین نے اون سب کو مولانا کے سامنے پانی کے حوض میں پھینک دیا مولانا روم بہت آزرہم ہو
کیونکہ کتابیں بڑی مشکل اور صرف سچے ہوئے نہیں ہیں پس جب شمس الدین نے مولانا کو کتابوں کے لئے بہت بخندہ

یعنی اے دل تو اب اسے زمانہ میں سے جو بیروت میں کسی کے دروازہ پر بجا بلکہ اپنی ہی گہر میں بیٹھ
اسلئے کہ آرام اس گوشہٴ عافیت ہی میں حاصل ہوتا ہے۔

بسوختِ حافظ و شرطِ عشقِ جانبازی ہونہ بر سرِ عہد و وفا کی خوشیست

حافظ شرطِ عشق اور جانبازی میں حل گیا مگر ابھی اپنے عہد کی وفا پر جا ہوا ہے
یعنی گو حافظ جانبازی میں عشق کی آگ سے جل گیا لیکن ابھی اتنا بخت ہے کہ باوجود اسکے عہد وفا کو نہیں توڑتا۔

صوفی از پر تو می راز نہانی دانست گو ہر کس ازین لعل توانی دانست

صوفی شراب کے اثر سے پوشیدہ راز جان لیتا ہے اس لعل سے ہر شخص کا جو ہر جانا جاسکتا ہے

میں سے مراد محبت الہی۔ راز نہانی اسرارِ معرفت دوسرے مصرع میں لعل کا اشارہ اسی شراب کی طرف

سمجھنا چاہئے یعنی جب عارف فی عشق الہی کیا تو پوشیدہ راز اوپر منکشف ہو گئی علاوہ اسکے ہر شخص کی قابلیت

معلوم کر نیکافر و بد بھی یہی شرابِ محبت ہے۔ خلاصہ یہ کہ صوفی کو کسی شخص کی قابلیت کی ہی خبر ہوتی ہے یعنی

یہ مدعی چھوٹا ہے یا بڑا۔

شرحِ مجموعہٴ گل مرغ بحرِ داند و لیس کہ نہ ہر کو ورق خواند معانی دانست

مجموعہٴ گل کا حال صرف مرغِ سحر ہی جانتا ہے نہ وہ شخص جو کہ ورق لوٹتا ہو اور معنی سمجھتا ہو

مجموعہٴ گل سے مراد حالاتِ معرفت اور مرغِ سحر سے عاشقِ صادق۔ یعنی معرفت کے مقامات کا حال کچھ عاشقان

صادق ہی جانتے ہیں ان کو علماء و فضلا لوگ جو کتابوں کے ورق گردانی کرنے اور ان کو معنی سمجھتے رہتے ہوں

کیا جانتیں۔ رازِ الفت کا نہ ہر اک عنشیں سے پوچھئے یہ ہیں کچھ جانتے ہیں یہ ہیں سے پوچھئے۔

غرضہٴ کرمِ دو جہاں برون کار افتادہ بحرِ از عشق تو باقی ہمہ فانی دانست

دل کا افتادہ کو میں نے دو جہاں دکھلائے (لیکن اوسنی تیری عشق کے سوا باقی تمام کو فانی جانا

یہ شعر اس حدیثِ شریف کے مضمون سے مطابقت رکھتا ہے جو یہ کہ میری ساری تمام دنیا کا مال زراکت کا کر دیا مگر میں

سب کو جوڑ کر فخر و فلاح پند کیا لہذا حافظ صادق فانی ہیں کہ سوائے تیری عشق کو تمام چیزیں فانی ہیں۔ میں نے اپنی کار افتادہ

دل کے ساری دونوں جہاں پیش کر دی مگر اوسنی تیری عشق کے سوا باقی سب کو فانی سمجھا اور چھوڑ دیا۔

آں شد اکون کہ ز افواہ عوام اندیشم محتسب نیز ازین عیش نہانی دانست

وہ وہ وقت گیا کہ میں عوام کی افواہ سے ڈرتا تھا محتسب ہی اس پوشیدہ عیش کو جان لیا

منت سدرہ وطوبی ز پی سائیکش کہ چہ خوش بنگری ای سروروان اینہم

سدرہ اور طوبی کا اٹھان سائیکش کے لئے ادھیا اس سروروان اگر تو غور کرے تو یہ کچھ نہیں ہے

سدرہ ایک بیر کے درخت کا نام ہے جو پانچویں آسمان پر حضرت جبریلؑ کا مقام ہے اور طوبی ایک کھجور کے درخت کو کہتے ہیں کہ جو بہشت میں ہے بعض نے لکھا ہے کہ طوبی کی جڑ آسمان چارم پر ہے مگر اسکی شافیت سب آسمانوں میں پہلی ہوئی ہیں۔ بعض سدرہ اور طوبی کو مرادف جانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تو حفظ نفس کے واسطے سدرہ و طوبی یعنی بہشت کا طالب نہ بن اور ثواب کی امید سے طاعت نہ کر کیونکہ اگر تو غور کرے تو سدرہ و طوبی یہ سب پیسچ میں ماضی کو معشوق سے کام ہوتا ہے اور بہشت میں چنانچہ رابعہ بصری سنا جاتا ہے کہ خدا سے کہا کرتی تھیں کہ یا الہی دروغ اپنی دشمنوں کو اور بہشت اس کے ظالموں کو

دے مگر اپنی آپکو بہن عنایت فرما۔

دولت آنست کہ بخون دل آید کیناے ورنہ با سعی و عمل باغ جنان اینہم

دولت وہ ہے کہ جو بغیر دل کا خون کو نہ پاتا ہے ورنہ سعی و عمل سے باغ جنت بھی کچھ نہیں

ای گرفتار دینا بے فانی اس دولت دوروزہ پر غم نگر اور نہ اس دولت کو دوست جان دنیا کی دولت جو ہزاروں

ریخ و غم ادھیا کر حاصل کیجاؤ نتیجہ میں حسرت کے ساتھ چھوڑنی پڑتی ہے دولت وہ ہے کہ جو بغیر دل کا خون

کئے ہوئے یعنی ریخ و مصیبت ادھیا ہوئی مانتہ آئے وہ دولت عشق ہے جسکو حسرت کے ساتھ چھوڑنا نہیں پڑتا

پنجر وزی کہ درین مرحلہ مہلت داری خوش بیاسائی زمانی کہ زبان اینہم

پانچ روزہ کہ اس منزل میں تو ٹھہرا ہوا ہے وقت کو آسانی و خوشی سے گذر کہ وقت کچھ نہیں

یعنی ای طالب اس حیات مستعارین جو تجھے پانچ روز کی مہلت ہے اپنی وقت کو خوش اور آسانی سے گزار یعنی دنیا کو

دوسو سو ن سے دل کو پاک کر کے عشق الہی میں مشغول ہو اور دنیا کو نہ ڈھونڈو اسکو کہ دنیا کا زمانہ بہت

تھوڑا زمانہ ہے۔

بر لب بحر فنا منتظریم ای ساقی فرصتی دان کہ ز لب بدبان اینہم

ای ساقی ہم بحر فنا کے کنارہ پر منتظر ہیں فرصت جان کہ لب سے مونہ تک تمام یہی ہے

یعنی ای ساقی میں غریب بحر فنا کے کنارہ پر اپنے وقت کا منتظر کھڑا ہوا ہوں اس مہلت عمر کو عنایت جان

کہ جو لب سے دہن تک یہی ہوتی ہے اور نتیجہ میں یہی نہیں گویا کچھ ہی نہیں صرف جناب کا سامنے۔

یا یا تو حوض میں پانی نہ ڈال ڈال کر ایک ایک کتاب نکالنا شروع کی۔ ہر کتاب دیکھی ہی خشک تھی اور کوئی درق بھی کسی کا نہ تر ہوا اور نہ خراب ہوا تھا۔ مولانا روم اس کرامت کو دیکھ کر متعجب ہوئے اور پوچھا کہ اے شمس الدین یہ بات تمہیں کیسے حاصل ہوئی! انہوں نے جواب دیا کہ یہ حالت ذوقِ ہر تم کو کیا جانو گیونکہ یہ ان کتابوں میں سے ایک میں ہی نہیں لکھی۔ پس اویس وقت ہی مولانا روم کو جذبہ شروع ہو گیا اور سب کتابیں جلا کر شمس الدین کے مرید ہوئے اور عارف کامل بن گئے۔

می بیاور کہ نثار و بگل باغِ جنان ہر کہ غارتگری بادِ خزان کی دانست
شراب پی کہ باغِ جنان کی بول پر ناز نہیں کرتا جسے کہ غارتگری بادِ خزان کو حساب نا
یعنی شراب عشق حقیقی پی۔ کیونکہ جو شخص عاقل ہے اور جسے باغِ دنیا کی بادِ خزان کی غارتگری کو سمجھ لیا ہے
وہ کہی بہان کے عیش و آرام پر ناز نہیں کرتا۔ عاقل وہی ہے کہ جس نے بے ثباتی دنیا کو سمجھ لیا اور
وہی عارف کامل ہے جو دنیا کو ترک کر کے خدا سے مل گیا ہے۔

حافظ این گوہر منظوم کہ از طبع این گنج اثر تربیت آصف ثانی دانست
ای محافظہ گوہر نظم کہ جو طبیعت سے نکلے میں انکو آصف ثانی کی تربیت کا اثر جاننا چاہئے
آصف ثانی کا اشارہ مرشد کی طرف ہے کہ جو ضروریات مائب کا نائب ہوتا ہے باقی مطلب تشریح کا

محتاج نہیں۔
جہل کار کہ کون و مکان اینہم نیست بادہ پیش آر کہ اسباب جہان اینہم نیست
یہ کارگاہ دنیا کا حاصل سب نیست ہے شراب سامنے لا کہ یہ اسباب جہان کا کچھ نہیں
یعنی اسے گرفتار دنیا سے دنی کی اس دنیا کا حاصل زن و فرزند مال و زر سلطنت حکومت سب نیست ہیں
اور کوئی انہیں سے دبستگی کی لائق نہیں پس اس جہان فانی کے اسباب کو پیچ سجد کر بادہ عشق الہی

پی اور معرفت حقیقی حاصل کرنا خست
از دل و جان شرف صحبت جانان غر ہمہ آئست و گرنہ دل و جان اینہم نیست
دل و جان کی طرف صحبت جانان کا شرف حاصل کرنا سب کچھ وہی ہے و گرنہ دل و جان سب نیست ہیں
یعنی دل و جان کی اصل غرض جس سے حیات دور روزہ مراد ہی صرف صحبت جانان کا شرف حاصل کرنا ہے
اور اگر یہ نہیں تو دل و جان سب محض بیکار اور پیچ ہیں۔

نام حافظ رقم نیک پذیرفتے ہیں زندان رقم وزیران این ہمیت
 حافظ کا نام نہ شہرت نیک پکڑی ولیکن رندوں کو اگر فائدہ اور نقصان کی رقم کہہ نہیں
 یعنی ہر چند کہ حافظ کا نام ہنگامی میں لگنا گیا اور نیک ہی میں مشہور عالم ہوا لیکن رندوں کو سلام نیک نہ
 نفع اور نقصان سب برابر ہیں۔ اس واسطے کہ یہ سب غانی ہیں اور غانی سوا شوق کو کچھ سود کار نہیں
 بحریت بحر عشق کہ پیش کنارہ نیست آنجا جز انیکہ جان بسیارند چارہ نیست
 بحر عشق وہ بحر ہے کہ جس کا کہیں کنارہ نہیں اس جگہ بحر اسکو کہ جان و دوا لیں اور کوئی علاج نہیں
 یعنی خواصان دریا بحریت اور ملاحان بحر موت نہ حقیقت عشق کی خبر اسطرح دی ہے کہ بحر عشق وہ بحر فنا
 ہے کہ جس کا کہیں کنارہ نہیں پس اس میں عاشق کو سوائے اسکے کیا چارہ ہے کہ وہ اپنی جان حافظ حقیقی کو
 سونپ دے کہ عشق اولہ سحر و اسخراۃ قتل

آن دم کہ دل عشق دی خوش دی بود در کاخ حاجت سیج استخارہ نیست
 وہ دم کہ جب عشق میں سیج بہت چھا دم ہے کیونکہ کار خیر کیلئے استخارہ کی کچھ حاجت نہیں
 استخارہ کو لغوی معنی خدا تعالیٰ سے پہلانی جانچو اور اصطلاحی معنی کرباں سے آگاہی پانے کے ہیں۔
 لہذا مطلب حافظ صاحب کا یہ ہے کہ جبوقت تو عشق اتنی اختیار کرے وہ دم ہی بہت ہی ضیعت ہے
 اس واسطے کہ یہ کام نیک ہر اور نیک کام کیلئے استخارہ کی ضرورت نہیں۔

واضح ہو کہ کسی شکل کام کے پیش آجائے پر استخارہ لینا سنت ہے اور اسکا طریق یہ ہے کہ
 اول وضو کر کے دو رکعت نماز نفل ادا کرے بعد دو گانہ حمد خدا اور دو بار بسم اللہ علیہ السلام
 پڑھ کر یہ دعا جو حاشیہ پر لکھی جاتی ہے پڑھے۔

ما را بمنع عقل منرسان و می بسیار کان شمنہ در ولایت یا ہیچ کارہ نیست
 بھلو عقل کرنے سے منٹ ڈرا اور شراب لا کہ یہ شمنہ ہمارے ولایت میں کسی کام کا نہیں
 یعنی ہم رندوں کی ولایت میں عقل کا شمنہ نقص بیکار ہے۔ اس لئے کہ وہ شراب سے منع کرتا ہے
 اور ہم مست رندا اسکے ماننے والے نہیں جب ہم اس سے خوف ہی نہیں کرنے تو اسکا کہنا
 کیا یا بیشک۔ ولایت سے جسم مراد ہے کہ جسکا انتظام شمنہ عقل کے ہاتھ میں ہے۔ اور
 شراب سے وہ ہی عشق جو کہ عقل و شوق و شمنی ہی اسلئے عقل کو شمنہ کہا۔

یہ شعر حافظ نے اپنے دیوان میں بھی لکھا ہے۔
 کان شمنہ در ولایت یا ہیچ کارہ نیست
 ما را بمنع عقل منرسان و می بسیار
 یہ شعر حافظ نے اپنے دیوان میں بھی لکھا ہے۔
 کان شمنہ در ولایت یا ہیچ کارہ نیست
 ما را بمنع عقل منرسان و می بسیار

سے نمود ہو دیشہ کیا محیط عالم میں دہو اکا جب کوئی چو نکا چلا جباب نہ تھا۔

نہ ابد ہمیں مشوا ز بازی غیرت ز بہار کہ رہ صومعہ تا دیر مغان اینہم نیست

اور ز ابد بازی غیرت سے ہرگز نہ نہ کر نہو کہ صومعہ کی راہ دیر مغان تک یہی ہے

اس شعر میں قَالَ اللَّهُ اَنَا خَيْرٌ کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ کہ اسے

زائد تو بازی مشرت سے ہرگز بے فکر نہوا سو اسطے کہ صومعہ اور دیر مغان میں فرق نہیں ہے

یعنی بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ چشم زدن میں صومعہ سے دیر مغان میں پہنچ گئے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہے کیا عجب ہے کہ تجکو ہی یہاں سے وہاں پہنچاوے اور ایک دم میں

مشک کو موجد اور موجد کو مشک بنا دے کیونکہ غیور کا کام علت پر موقوف نہیں۔

درد مندی چمن سوختہ زار و نزار ظاہر حاجت تقریر و بیان اینہم نیست

مجہ سوختہ دل اور زار و نزار کی درد مندی ظاہری اس نام کو واسطے تقریر و بیان کی حاجت

از تہتک بکن اندیشہ و چون گل خوشن بایش زانکہ تمکین خہان گذران اینہم نیست

حقارت سے خوف نہ کر اور پھول کی طرح خوشن اس واسطے کہ تمکین خہان سے گذر نہوا لکن یہیں نہیں

یعنی اگر تیری حقارت کجائی یا خلق تجھ پر زبان طعنہ دراز کرے تو تو آرزو نہوا اور پھول کی طرح ہستارہ اس واسطے کہ جب

یہ جہان فانی ہو تو یہاں کی حقارت اور تمکنت ہی فانی ہوگی پس تجھ کو فانی تہتک اور تمکنت کا کیا رنج ہونا چاہئے۔

نعلی کہ ایک آنحضرت عوث الثقلیں پر جوہ میں بیٹھ کر توجہ آدمی را سے گزری تو کیا ایک اپنی جگہ سے اٹھ کر اور جنگل کو

چلے حضرت کا اصحاب میں سے ہی ایک شخص سادہ سا گئے۔ رفتہ رفتہ حضرت ایک مقام پر پہنچے کہ جہاں ایک شخص بڑا تہاد و بختیز

و تکفین کا ستیان موجود تھا شیخ نے اس کو غسل دیا اور تھپو تکفین سے فارغ ہو کر کہ دیر وہاں ٹھہر رہی۔ پس آنحضرت یکایک تہکا چہرہ سے

اور فرخوشی سے تر و تازہ ہو گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد حضرت کا رنگ زرد ہوا اور اسے لاف ہو گئی کہ جسودت کا بیمار ضعیف ہو جانا یہ لیکن

دیر میں یہ صوبت ہی نہ رہی اور اپنی اعلیٰ حالت پر آگئے پھر اس کو صدمت فرمائی اور جوہ میں آگئے جس کو ان اصحاب جو آپ کی ہر آن کے

سے کا دھندہ یافت کیا کہ با حضرت وہ مردہ کوں تھا اور تا کا فرہ کارنگ سے رخ سرزد ہو جاتی اور بعد ازاں اپنی اعلیٰ حالت پر پہنچاؤ کا کیا سبب

فرمایا کہ وہ مقام میں چند سو کوں فاعل رکھو اور وہ شخص جس کا خانہ بند کیا تھا خطبہ میں سے ایک خطبہ تھا جب اس کو اس وقت کی

توجہ حکم ہو کہ میں اس کو تھپو تکفین کروں لہذا حکم کی موجب میں وہاں گیا اور صومعہ میں غل میں لایا پس اس وقت ملائکہ غیبی کے حکم پر ہوا

کہ اس کو بجائیے پھر آخر کچھ بڑا دوا سے کچھ اوجھڑا جو خوشی سے مسخ ہو گیا تہادہ خوشی اس بات کی تھکا شاید اس کی جگہ سے

مقرر کر دین۔ مگر ملائکہ نے اس کی جگہ مقرر نہوا لکن اس کی جگہ سے نام نہا کیسے کوئی قبیل نہیں ہوا آخر کار دم بخود ہو کر خاموش ہو گئی

تو یہ حکم ابھی ہوا کہ فلان کا رخ جو اس وقت فلان تھا نہا میں بٹ کر سجدہ کر دیا یہ کچھ اوجھڑا ہوئی تھپو تکفین کے قیام مقام ہاوس کا فر کو بتلاو

یہ شعر میں مشوا ز بازی غیرت ز بہار کے ساتھ ساتھ ایک شعر بھی لکھا ہے کہ
نہ ابد ہمیں مشوا ز بازی غیرت ز بہار کہ رہ صومعہ تا دیر مغان اینہم نیست
اور ز ابد بازی غیرت سے ہرگز نہ نہ کر نہو کہ صومعہ کی راہ دیر مغان تک یہی ہے
اس شعر میں قَالَ اللَّهُ اَنَا خَيْرٌ کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ کہ اسے
زائد تو بازی مشرت سے ہرگز بے فکر نہوا سو اسطے کہ صومعہ اور دیر مغان میں فرق نہیں ہے
یعنی بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ چشم زدن میں صومعہ سے دیر مغان میں پہنچ گئے۔
چونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہے کیا عجب ہے کہ تجکو ہی یہاں سے وہاں پہنچاوے اور ایک دم میں
مشک کو موجد اور موجد کو مشک بنا دے کیونکہ غیور کا کام علت پر موقوف نہیں۔
درد مندی چمن سوختہ زار و نزار ظاہر حاجت تقریر و بیان اینہم نیست
مجہ سوختہ دل اور زار و نزار کی درد مندی ظاہری اس نام کو واسطے تقریر و بیان کی حاجت
از تہتک بکن اندیشہ و چون گل خوشن بایش زانکہ تمکین خہان گذران اینہم نیست
حقارت سے خوف نہ کر اور پھول کی طرح خوشن اس واسطے کہ تمکین خہان سے گذر نہوا لکن یہیں نہیں
یعنی اگر تیری حقارت کجائی یا خلق تجھ پر زبان طعنہ دراز کرے تو تو آرزو نہوا اور پھول کی طرح ہستارہ اس واسطے کہ جب
یہ جہان فانی ہو تو یہاں کی حقارت اور تمکنت ہی فانی ہوگی پس تجھ کو فانی تہتک اور تمکنت کا کیا رنج ہونا چاہئے۔
نعلی کہ ایک آنحضرت عوث الثقلیں پر جوہ میں بیٹھ کر توجہ آدمی را سے گزری تو کیا ایک اپنی جگہ سے اٹھ کر اور جنگل کو
چلے حضرت کا اصحاب میں سے ہی ایک شخص سادہ سا گئے۔ رفتہ رفتہ حضرت ایک مقام پر پہنچے کہ جہاں ایک شخص بڑا تہاد و بختیز
و تکفین کا ستیان موجود تھا شیخ نے اس کو غسل دیا اور تھپو تکفین سے فارغ ہو کر کہ دیر وہاں ٹھہر رہی۔ پس آنحضرت یکایک تہکا چہرہ سے
اور فرخوشی سے تر و تازہ ہو گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد حضرت کا رنگ زرد ہوا اور اسے لاف ہو گئی کہ جسودت کا بیمار ضعیف ہو جانا یہ لیکن
دیر میں یہ صوبت ہی نہ رہی اور اپنی اعلیٰ حالت پر آگئے پھر اس کو صدمت فرمائی اور جوہ میں آگئے جس کو ان اصحاب جو آپ کی ہر آن کے
سے کا دھندہ یافت کیا کہ با حضرت وہ مردہ کوں تھا اور تا کا فرہ کارنگ سے رخ سرزد ہو جاتی اور بعد ازاں اپنی اعلیٰ حالت پر پہنچاؤ کا کیا سبب
فرمایا کہ وہ مقام میں چند سو کوں فاعل رکھو اور وہ شخص جس کا خانہ بند کیا تھا خطبہ میں سے ایک خطبہ تھا جب اس کو اس وقت کی
توجہ حکم ہو کہ میں اس کو تھپو تکفین کروں لہذا حکم کی موجب میں وہاں گیا اور صومعہ میں غل میں لایا پس اس وقت ملائکہ غیبی کے حکم پر ہوا
کہ اس کو بجائیے پھر آخر کچھ بڑا دوا سے کچھ اوجھڑا جو خوشی سے مسخ ہو گیا تہادہ خوشی اس بات کی تھکا شاید اس کی جگہ سے
مقرر کر دین۔ مگر ملائکہ نے اس کی جگہ مقرر نہوا لکن اس کی جگہ سے نام نہا کیسے کوئی قبیل نہیں ہوا آخر کار دم بخود ہو کر خاموش ہو گئی
تو یہ حکم ابھی ہوا کہ فلان کا رخ جو اس وقت فلان تھا نہا میں بٹ کر سجدہ کر دیا یہ کچھ اوجھڑا ہوئی تھپو تکفین کے قیام مقام ہاوس کا فر کو بتلاو

نبوک خامہ رقم کردہ سلام مرا کہ کارخانہ دوران مہاد پر منت

غم کی محک سے تو نے مجھے سلام لکھا: «وہاں کہ دنیا کا کارخانہ کو تیری وجود کو بغیر پیام نہویں

نکویم از من بیدل بسو کر دے یاد کہ در حساب خرد نیست سو پر کسے

من نہیں کہو گا کہ مجھ بیدل کو تو نے بھول کر یاد کیا کیونکہ عقل کے حساب میں تیری قلم پر سو نہیں ہے

اکابرانِ سلف لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب نے یہ غزل بطور خط کے ایک دوست کو خط کے جواب میں

لکھی ہے۔ اور بہت سہ قرآن سے ٹیک معلوم ہوتا ہے کہ ضروری بات ہے۔ مطلع کا یہ مطلب ہے کہ

جب میری حقوق خدمت نے آپ کو گرم کے سامنے عرض کیا تو آپ نے مجھے خط لکھا گویا آپ کا خط ہیچنا میرے

خدمات کا باعث تھا۔ دوسرا شعر دعائیہ ہے یعنی ہم کو تنے سلام لکھا میں دعا کرتا ہوں کہ زمانہ کو بغیر تمہاری

وجود کو ثبات نہو۔ خلاصہ یہ کہ ابا دیکر زندہ رہو۔ تیسری شعر میں کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہو گا کہ آپ

مجھ بیدل کو بھول کر یاد کیا اسوجہ سے کہ تم کو سو ہو جانی کی عقل گواہی نہیں دیتی۔ پس جب عقل بتی

کسی تو یہ کہنا کہ بھولے سے یاد کیا صحیح نہو گا۔ گویا یہ دو نشانہ شکایت ہے جو کی جاتی ہے کہ میں نہیں بھول کر

یاد آیا۔ حقیقی اعتبار سے سو یعنی فراموشی خطاب خرد متفہم عقل۔ یعنی اسی محبوب حقیقی میں یہ نہیں کہتا

کہ تو نے مجھ بیدل عاشق کو ازراہ فراموشی نامہ و پیام سے یاد فرمایا۔ چونکہ تیری جناب میں فراموشی

اور سو کو دخل نہیں اسلئے ایسا کہنا عقل سے بعید ہے۔

مراد لیل مگردان بشکر این نعمت کہ داشت دولت سرمد عزیز محترمست

مجھے اس نعمت کے شکر یہ میں ذلیل نکر جو کہ دولت ابدی بھی عزیز اور محترم کہتی ہے

یعنی اسے شکر کامل تو مجھے اپنے فیض سے اس دولت ابدی کے شکر یہ میں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ

بخشی ہے ذلیل و محروم نکر۔

بیا کہ تا سر زلفت تیرا خواہم کرد کہ گر سرم برود پندارم از قدرت

آنا کہ تیری زلفت کے سرفراز پکڑوں کہ اگر سرم سہی جاتا ہے تو تیری قدرت سے نہ اوٹاؤں

زلف کا شاہ بند بخت کی طرف ہے بغیر محبوب آنا کہ تیرا عشق اس طور کر دے کہ جاہی سر جاہی گزرتی نہ دیکھتے

زحال مادت کہ شود نگر و سفتے کہ لالہ رود مار خال کشندگان نعمت

ہمارے مجال سے تیرا دل آگاہ ہوتا ہے مگر اس وقت کہ تیری غم کو کشتن کو خاک کے لالہ ہم آتا ہے

از چشم خود پس کہ مارا کہ می کشد جانان گناه طالع و حرم ستاره نیست
 اپنی آنکہ کسی پوچھد کہ ہکو کون قتل کرتا ہے اسی جان بید طالع کا گناہ اور ستارہ کا جرم نہیں ہے
 یعنی خود دوسرا تو اپنی چشم ہی سے دریافت کر کہ میں کس کو مار ڈالا۔ پھر کہتے ہیں کہ ماری جانان یہہ نفس کا گناہ
 یا ستارہ کا جرم نہیں ہے بلکہ خود تیری چشم کا ہی حقیقی اعتبار سے چشم کا گناہ یہ غزہ کی طرف جس کی ظہور و غفا
 مراد ہی ہو گا اور مطلب یہ ہے کہ ماری محبوب حقیقی بے تیری غلی کی ظہور و غفا نے مرض ہلاکت میں ڈالا اسکے
 تحت طالع اور ستارہ پر نہیں لگائی جاسکتی کیونکہ وہ بھکاری اپنی وجود میں تیری ہی تو محتاج ہیں پس جو کہہ
 کرتا ہے تو کرتا ہے۔

رویش چشم پاک تو ان دید چون ہلال ہر دیدہ جا جلوہ آن ماہ پارہ نیست
 اوسکریخ کو شل ہلال کو پاک چشم سے دیکھنا چاہی اوس ماہ پارہ کو جلوہ کی جگہ ہر آنکہ نہیں ہے
 چونکہ ہلال باریک ہوتا ہے لہذا اوسکے دیکھنے کے لئے ایسی آنکہ کی ضرورت ہونی ہی جو گرد و غبار سے
 پاک و صاف ہو۔ مگر خواجہ صاحب رخ محبوب کو جس پاک و صاف آنکہ سے دیکھنے کی ہدایت کرتی ہیں۔ وہ
 گرد و غبار سے نہیں بلکہ کسی اور کو تصور یا عکس سے پاک ہونی چاہی اسی لئے کہ ہر آنکہ اوسکے جلوہ کی جگہ نہیں
 لینے ہر شخص کی آنکہ محبوب حقیقی کے جلوہ کو نہیں دیکھ سکتی اوسکو وہ ہی آنکہ دیکھ سکتی ہے جس میں اور کسی کی
 تصویر نہیں ہونی ہوگی۔

فرصت شمر طریقہ زندگی کہ این نشان چون راہ گنج بر ہمیں آشکارہ نیست
 زندگی کے طریقہ کو غنیمت جان کہ یہ راستہ مانند راستہ خزانہ کے کسی پر ظاہر نہیں ہے
 یعنی جس طرح خزانہ کا راستہ یا اوسکا حال ہر شخص کو نہیں معلوم ہوتا اسی طرح عاشقی و زندگی کا طریقہ ہی ہر آدمی
 نہیں جانتا اسی بخاطر غنیمت جان کہ جبکو یہ راہ معلوم ہے۔

حیران و کم کہ کم از سنگ خارہ نیست نگرش در تو گریہ حافظ پرچہ رو سے
 حیران و کم کہ کم از سنگ خارہ نیست بن اوس دل سے صبر این ہون جو سنگ خارہ کو کم نہیں
 حیران و کم کہ کم از سنگ خارہ نیست بن اوس دل سے صبر این ہون جو سنگ خارہ کو کم نہیں
 حیران و کم کہ کم از سنگ خارہ نیست بن اوس دل سے صبر این ہون جو سنگ خارہ کو کم نہیں
 حیران و کم کہ کم از سنگ خارہ نیست بن اوس دل سے صبر این ہون جو سنگ خارہ کو کم نہیں

مطلب یہ کہ اگر محبوب میں تیری لئے اس قدر خون کے اتسوٹنے سے رویا ہوں کہ میری آنکھ کی تیلیاں خونین
دوب گئیں پس اس سے تو قیاس کر سکتا ہو کہ لوگوں (ماشقون) کا حال تیری طلب میں کیا ہوگا
خلاصہ یہ کہ اونکا بھی یہی حال ہے جو تیری طلب میں میرا ہو رہا ہے۔

بیاد لعل لب چشم مست میگوینت ز جام غم می لعل کہ منجورم خون مست
تیری لب لعل اور چشم مست میگوں کی یاد میں سا غم کی جوئی سرخ کہ میں پتا ہوں خون پہ جاتی
خلاصہ یہ کہ تیری لب لعل اور مست لعل آنکھ کی یاد میں اگر میں شراب سرخ ہی پتا ہوں تو وہ میرا وسط
گو باخون ہو جاتی ہے۔

ز مشرق سرکوی آفتاب طلعت تو اگر طلوع کند طالع ہم یون مست
مشرق کی طرف سر تیرا آفتاب طلعت اگر طلوع کرے تو یہ طالع ہم یون مست ہے
خلاصہ یہ کہ اگر تیرا آفتاب طلعت جس کا کنایہ تجلی ذاتی کی طرف ہو سرکوی مشرق سے جس کو عاشق کا دل
مراد ہو نکلوں دشاہد قلبی ہو تو اس کا تو زہر نصیب در مبارک طالع ہے۔

حکایت لب شیرین کلام فرہاد مست شکیں طرہ لیلی مست ام مجنون مست
لب شیرین کی حکایت فرہاد کے کلام سے ہے اور طرہ لیلی کی شکن مجنون کا مقام ہوتا ہے
کلام فرہاد کہ جس کا کنایہ عاشق ہو سوائی بیان لب شیرین کی جس کا اشارہ لطف محبوب سے ہی نہیں ہوتا۔
اور مجنون کا مقام کہ جس سے وہی عاشق مراد ہو سوائی طرہ لیلی کی شکن کے جس کا اشارہ جذباتی محبت
کی طرف ہی کوئی نہیں۔

دلچسپ کہ قدرت چو سرود لچوی ست سخن گو کہ کلام لطیف موزون ست
میری دلچسپی کہ تیرا قدر مثل سرود لچوی ہے باتیں کہ تیرا کلام لطیف موزون ہے
زور بادہ بجان بختی سنان سانی کہ پنج خاطر ام از جو زور گردون ست
سانی زور بادہ بجان بختی سنان سانی کہ میری خاطر جو گردش گردون سے بچیدہ ہے
از ان زمان کہ ز دستم برفت بار عزیز کنار دیدہ من غمچور و جیون ست
اوس وقت سے کہ جب سے پیدا میری پاس سے چلا گیا میرے چشم کا کنارہ مثل دریا جیون کے

یعنی ہمارے مال پریشان ستیرا دل آگاہی تو پاتا ہی۔ مگر اس وقت کہ ہم مرکز خاک ہو جائیں اور ہماری اس خاک کو الگ نہ کیے۔ اس میں تغافل محبوب کا مضمون ہے۔

روان تشنہ مارا بجرحہ دریاب چو میدہند زلال خضر بجام حمت
ہماری پیاسی روح کو ایک گونٹ سیاد فرما جب سنجے جام جم میں آب حیات دین
مطلب یہ کہ اگر مرشد کامل جب تک فووضات سرمدی قلب احمدی ہی ہو نہیں تو او سمین ہی ایک جڑ
یعنی کہہ توڑا سا ہکو ہی عنایت کرنا کہ ہمارا دل تشنہ اس سے سیراب ہو۔

صبا ندوی تو باہر گل حدیثے کرد رقیب کی رہ نماز داد و حرمت
صبا نے تیری رخ کی بات ہر گل سے کہی رقیب کو کوئی راہ غمازی کی تیری حرم میں کدی
صبا کا کتنا یہ مرشد کی جانب کل کا سنہ شدن کی طرف سنبھنا چاہئے رقیب ہی شیطان یا نفس مارا مراد ہے
یعنی مرشد نے مریدوں سے تیری شاہدہ بخل کی بابت سب کچھ کہہ دیا ہے اب شیطان یا نفس مارا کہ
چنل خوری کا موقع وہاں نہیں بلکہ گا خلاصہ یہ کہ خواہ شیطان طالعون کو کتنا ہی ورغلائے وہ
اوس کے کہنے میں نہیں آسکے۔

دل مقیم درست حشرش میدار بشکر آنکہ خدا داشته است محرمست
میرا دل تیری در پر مقیم ہوا و سکی حرمت کر اوس شکرانہ میں کہ خدا تجھ کو اپنی جانب محرم رکھتا ہے
ہمیشہ وقت تو اکر عیسی صبا خوش باد کہ جان عاشق دل خستہ زندہ شد بدست
اگر عیسی نفس بلاقوت ہمیشہ خوش ہو جو کہ عاشق خستہ دل کی جان تیری دم کو زندہ ہوئی ہے
عیسی نفس کا اشارہ مرشد کی طرف ہے جو مرید کو مردہ دل کو اپنی فیض سے زندہ کرتا رہتا ہے باقی مطلب صاف۔
کہیں کہ است تو خوش تیر میری حافظا مکن کہ گرد بر آید ز شہرہ عدمست
اگر حافظ یہ کہیں گاہ ہو تو بہت تیز جا رہا ہے (جلدی) نکشاید کہ راہ عدم سے تیری گرد آئے
یہ تو حافظ عشق کی راہ گہات کی جگہ پر جسے سچو کائنات ہو تو اس آہ میں جلدی جلدی چل رہا ہے ایسی جلدی کہ
نکشاید کہ راہ عدم سے تیری گاہ ہو تو بہت تیز جا رہا ہے اور مطلب کو نہ پہنچے۔ شہرہ شاہراہ کا مخف ہے۔

زگر یہ مردم چشم تشنہ در خون ست نہیں کہ در طلبت حال مردمان خون ست
دو زگر یہ تیری آنکھ کی پہلی خون میں ڈوبی دیکھ کہ تیری طلب میں لوگوں کا حال کیوں کوس ہے

در زلف چون کندش از دل میج کا بنجا

ایدل او سکر زلف کند مثال بن زلفست که دہان

این براہ را نہایت صحت کیا توان

اس براہ ان را کو کس طرح کوئی ہو بخ سکر

اس براہ کا اشارہ راہ عشق کی طرف ہے یعنی راہ عشق ایسی شکل الانقطاع ہے کہ سوہنرا منزل بھی

طے کر کے ہنوز پہلا ہی قدم ہوتا ہے لہذا اس سبب سے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس کو مقام معرفت میں

نہیں پہنچ سکتا کوئی اول قدم پر جان دیدیتا ہے کوئی دوسری پر کوئی تیسری پر کوئی دروازہ پر

مگر منزل مقصود تک پہنچنے کی نوبت نہیں آتی۔

چشم بخرہ مارا خون خودی پسند

نیری چشم بخرہ سے ہمارا خون کیا اور تو پسند کرتا ہے

بطے ای پادری قاتل کی حمایت نہیں کرنی چاہیے بلکہ مقتول کی طرفداری کرنی چاہیے۔

ہر چند پردی اکہم روار ورت نتابم

ہر چند کہ تو نے مجھ کو ایک لاکر روار ورت کر دیا ہے

دوست کی دشمنی بھی دشمن کی دوستی بھی

ایک بائیں ہر چند کہ تو نے مجھے ذلیل و خوار کیا مگر تیرے در سے نہاڑ لگا اس واسطے کہ دوست کی دشمنی بھی

دوستی سہا ہی ہوتی ہے۔

ایک آفتاب خوبان می سوزد اندرونم

ایک خوب دیون کا آفتاب بھلا بھلا ہے

در این شب سہا ہم گشتہ راہ مقصود

اس اندھیری رات میں راہ مقصود کو گم کر دیا ہے

قاعدہ ہے کہ جب رات میں جانتے ہیں تو ستاروں کو دیکھ کر راستہ معلوم کرتے ہیں۔

یہاں شب سہا سے دنیا اور کوکب ہدایت سے مرشد کامل مراد ہے۔ یعنی ای مرشد کامل میں

مکروہات دنیا میں گرفتار ہو کر اپنی مقصود اصلی سے جو کہ معرفت ہے محروم ہو گیا ہوں پس تو انور میری مدد

یعنی مشعل ہدایت ہاتھ میں دے تاکہ اس کی روشنی سے منزل مقصود پہنچ جاؤں۔

سرا بریدہ بینی بی جرم ولی خیانت

نوبت سے سر و گلوں گناہ پر قصور تھا ہوا دیکھ کر گا

کس صد ہزار منزل پیش سہی ہدایت

کہ اس کو سو ہزار منزل اگر بھی ابتدا ہی ہے

چگونہ شاد شود اندرون غمگینم
باختیار کہ از اختیار بیرون ست
میرادل غمگین کیونکر خوش ہو سکتا ہے
اختیار میں کہ اختیار ہی باہر ہے
اور طلبِ اجتماع کا مطلب صاف ہوا ہے ہم اونکی شرح کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اور اس شعر کی معنی میں
کہ جب دل غمگین ہو تو اختیار سے باہر ہے تو اسکا شاد اور خوش کرنا ہی میری اختیار میں نہیں جو چیز
اپنی اختیار ہی میں نہ ہو اسکی طلب باہر سے کیسے ممکن ہے۔
زنجودی طلب یار سکنہ حافظ
جو مفلسی کہ طلبگار گنج قارون ست
جسے مفلسی تلاش قارون کو خانہ کا طلبگار ہو
نہان یار دلنواز مگر شکایت
گزشتہ دان عشقی خوش نشینو این حکایت
مجاورس یار دلنواز مگر شکایت کے ساتھ شکایت ہے
اگر عشق کا نکتہ شناس ہو تو اس بات کو بخوریں
یار دلنواز سو محبوب حقیقی یا مرشد کامل مراد ہوا اور مطلب یہ ہے کہ مجبور اس یار سے شکر ہی ہوا اور شکایت ہی
ہو کہ یہ دونوں ایک دوسری کی ضد ہیں اسلئے یہ تعجب کی بات ہے کہ جب شکر ہو تو پھر شکایت کیسی
ہو اور دوسری مصرع میں کہتے ہیں کہ اس شکر و شکایت کو اجتماع کو کہ کس طرح یہ دونوں اکٹرا ہو گئے ہیں
وہ ہی شخص سمجھ سکتا اور سن سکتا ہے جو عشق و محبت کا نکتہ شناس ہو۔ اگر نکتہ رس ہو تو سمجھ لے
کہ شکایت تو استغنا محبوب کی وجہ سے ہوا اور شکر اس بات کا ہے کہ وہ مجبور اپنی عاشقوں میں تو شمار
کرنے لگا۔ اس دعویٰ کی دلیل یہی ہے کہ وہ مجبور اپنی عاشقوں میں سمجھا ہے وہ ہی استغنا ہے کیونکہ اگر
عاشق و طالب نہ سمجھتا تو استغنا ہی نہ کرتا۔

بہر دو دوست ہر خدمتی کہ کر ویم
یارب مباد کس را مخدوم بی عنایت
جو خدمت کہ میں نے کی وہ مفت ایلا احساں کی
یارب کس کا مخدوم ہے عنایت نہ وجہ
زندگیاں تشنگانِ دل را آبی نشید بدس
گویا ولی شناسانِ فضل و ولایت
تشنگانِ دل کو کوئی شخص پانی ہی نہیں دیتا
گویا ولی شناسانِ لاگ و ولایت سے چلے گئے
بہر تشنگانِ دل جو ہمیشہ شراب پیسے میں اگر وہ پیاسی ہوں تو شراب تو درکنار کوئی اذکو پانی ہی نہیں
دیتا سکی وجہ یہ ہے کہ ولی شناس لوگ جن سے عارفانِ کامل مراد ہیں دنیا سے علی گز اگر وہ ہوتے تو
ولی را ولی می شناسد کہ اعتبار سے زندہ کو پہچان لیتے۔

یعنی کہ جبکہ میں زندہ ہوں اور تیرا عاشق ہوں تو تو مجھ پر رحم فرما کہ کوجب مر جاؤں گا تو نہ اس کے گناہ اند
 اے آنکھ تیرے دیوانم زنی از عشق
 اے شخص کہ تو تیرے دیوان سے عشق کا دم بہر تار
 درویشی کہن نالہ ز شمشیر احسا
 اے فقیر دوستوں کی تلوار سے نالان نہو
 درخیزد زن آتش کہ خم ابروی ساقی
 خرقہ کو آگ لگا کہ ابرو سے ساقی کا خنم
 عزت کو آگ لگانا زہد و اتقا کو چوڑ دینا۔ یعنی اسے مخاطب تو زہد و اتقا چوڑ کر عاشق آگئی ہو جا
 سنے کہ ابروی ساقی کا خنم جس پر جمال مشوق حقیقی مراد ہر محراب امامت کہ خنم کو شکستہ کر دیتا ہے۔
 خلاصہ یہ کہ عشق میں زہد و اتقا کی ضرورت نہیں رہتی۔

عاشا کہ من از مجور و جفا می تو نبالم
 ہرگز ایسا نہو گا کہ تیرے چوڑ و جفا کی سبابت کروں
 کیونکہ معشوق کا ظلم سراسر لطف و کرم ہوتا ہے
 پوستانہ شد این سلسلہ یار و قیامت
 کو تہ کن بحث سہ زلف تو حافظ
 مانتا تیری زلف کی بحث کو کونا نہ نہیں کرے گا
 کس واسطے کہ یہ سلسلہ و قیامت بونہیں چلی ہی بیگا
 زلف کا اشارہ تعینات اور بیان عشق کی طرف ہے۔ یعنی حافظ تیرے عشق و محبت کو ذکر کرتے ہوئے نہیں کرے گا
 کیونکہ یہ ایسا طویل و طویل اور دلہسپ ذکر ہے کہ اگر قیامت تک کرتے رہو تب بھی ختم نہو۔ یاد رہے کہ
 عشق و محبت کا سلسلہ قیامت تک بونہیں چلا جائے گا۔ یعنی عاشقان الہی کی بعد دیگر یہ ہوا ہو
 رہینگے پس اس ذکر کو کیوں چوڑ و ن اور اللہ کا عشق کیوں نہ کہے جاؤں۔

ساقی خنم حضرت وی آب حیات
 ساقی میرا خنم اور شراب آب حیات ہے
 تو بازی چون کتم مہیات ہات
 شراب سے کیسے توبہ کروں بلکہ شراب لا
 بات اسم فعل امر کے معنی میں ہے یعنی شراب لا یا شراب بخش۔ ساقی سے خنم کا دل اور می ہو محبت
 الہی مراد ہے آب حیات و سکی صفت کیونکہ عشق الہی کر کے انسان بظاہر اللہ ہو جاتا ہے بانی مطلب
 صاف ہر محتاج شرع نہیں۔ بعض شارحین نے لفظ بات کو مہیات کا مخفف مانا ہے اور خنم کے معنی

از ہر طرف کہ رفتہ جزو ششم نیز و د
 ہرگز اس بیابان اور اس بیابان راہی نہایت
 مطلب ہو کہ راہ عشق میں جو معرفت الہی ہے میں نے ہر چند تک و دو کی مگر آخر کار ہوا میری وحشت کے
 اور کچھ حاصل ہوا پس اس بیابان خو خوار میں کہ جو عشق کا بیابان ہے سوائے خو خوار کی
 کچھ حاصل نہیں اور اس لیے بیابان راہ معرفت کو جو مشکل الا انقطاع کچھ ہی نور عسے کرنا
 ممکن نہیں ہو سکتا

عشق سے نہ بڑا و نہ خود بیسان حفظ
 قرآن زیر بخوانی با چارہ روایت
 عشق تیری فریاد کو ہو پھر اگر خود حافظ کی طرح
 تو قرآن چودہ روایتوں کے کیتے خط یاد کر
 یعنی عشق تیری فریاد کو ہو پھر اگر خود حافظ کی طرح قرآن سو چودہ روایتوں کو حفظ
 یاد کرے۔ یہ چودہ روایتیں وہ ہیں جو رسالہ تجوید میں لکھی ہوئی ہیں۔

یارب ہی ساز کہ یارم بسلاست
 باز آید و ہاندم از چنگ ملاست
 یارب کوئی ایسا سبب کر کہ میرا سلامتی سے
 لوٹ آؤ اور مجھ کو ملاست کر چنگل سے چھڑاؤ
 یار سہ شاہد حق مراد ہو اور چنگ چل کا صفت یہ غزل بطور مناجات کے ہے یعنی یا اللہ کوئی ایسا
 سبب کر کہ شاہد حق پر اپنا جلوے کم و کاست مجھ پر کرے اور طعنہ ہائے خلق سے جو ادھر سکھائی میں
 لوگ مجھ پر مارنے میں یعنی ملاست کرتے ہیں رہائی دی۔

خاک رہا آن یار سفر کردہ بیارید
 تا چشم جهان بینش جای اقامت
 ایسے سفر کر خواہ یار کی خاک راہ ہی سے آؤ
 تاکہ چشم جهان بین میں اس کی قیام کی جگہ کروں
 خاک ہو گئی یہ پیشہ و نشان یار سفر کردہ میری مراد تجلی محبوب
 شہدہ مذکورہ بالا شعر کی توضیح ضرور نہیں مطلب ان ہند
 فریاد کہ از شش جسم را بہ بستند
 آن حال و خط و زلف و رخ و عارض و قامت
 فریاد کہ شش جسم کی راہ روک لی ہے
 اس حال و خط و زلف و رخ و عارض و قامت دے
 چو کہ میرزا انی میں ان خط و غیرہ لفظ ہیں اور عبارت شش جسم کو چوں فرسوی راہ ہر طرف روک کر اپنا اسیر بنایا ہے
 امروز کہ در دست تو ام منہ جتنے کن
 فردا کہ شو مہ خاک ہے سودا شک نہایت
 آج کہ میری اختیار میں ہوں رسم کر
 کل کو جبکہ خاک ہو جاؤنگا تو شک نہایت کی کیا فائدہ

اتنی ہر بانی اور جو کہہ کر وہ سب دھڑا بہ فضول اور بیہودہ ہے۔
 شہریتی از لب لعلش نہ چشیدیم و رفت روزی کہ پیکر او سیر ندیدیم و رفت
 ہنواؤں کی لب لعل سے شربت نہ چکھا کہ چلا گیا اہ پیکر کا چہرہ دل بہر کے نہ بچھا کہ چلا گیا
 غینہ سزل حالت قدس و ارادات میں لکھی ہے یعنی ہم نے اس کی لب لعل سے شہریتی ہی جس کا کہنا ہے
 فضل و لطف کی طرف ہر حاصل کی اور شیریں حاصل کرنا تو درکنار جی بہر کی صورت ہی نہ دیکھنے
 پائی تے کہ وہ مجھے علیحدہ ہو گیا۔

گوئی از صحبت بانگ تنگ آمدہ بود بار بست بگذریش ز سیدیم و رفت
 گو یا ہماری صحبت سے بیان تک تنگ آیا تھا کہ ہم لوگوں کو اس تک ہی نہ پہنچا کہ اسباب بانگ ہو گیا
 بسکہ مافاکہ و حزریمانی خواندیم و ز پیش سورہ اخلاص ز سیدیم و رفت
 از بسکہ ہم سورہ فاتحہ اور حزریمانی کو پڑھا اور اس کی واسطے سورہ اخلاص کو بھی پڑھا کہ چلا گیا
 حزریمانی چند عائن ہیں کہ جو حضور رسالت آتب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ملک یمن کو سفر کسوفیت
 تعلیم و تلقین فرمائی تھیں اور اس سوجہ سے اونکا نام حزریمانی ہو گیا ہے۔ سورہ فاتحہ سورہ الحمد سورہ اخلاص
 قلی ہو اللہ کو کہتے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جتنے سورہ الحمد اور عادی حزریمانی محبوب کو سفر سے باز رکھنے کو لئے
 اور سورہ اخلاص اس غرض سے کہ وہ مجھے محبت کرے اور نہ جائے سب کچھ پڑنا اور دم کیا مگر وہ اسپر بھی
 چلا گیا۔ مصرعہ ثانی میں اخلاص کا لفظ دم کرنے کے لئے بہت اچھا آیا ہے۔

سز فرماں خطم گفت کشتن از دم مانسرخوین خطش نکشیدیم و رفت
 کہا کہ میری حکم کے خط سے سرست کچھ تو نہیں جاؤ گا میں نے اپنی سرکواں کو حکم کے خط سے نکھینچا اور (اسپر ہی) چلا گیا
 یعنی محبوب نے مجھے کہا کہ اگر تو میرے حکم سے سرتابی نہ کرے تو میں بخاؤں ورنہ چلا جاؤں گا۔ لہذا دوسرے
 مصرعے میں کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا یعنی اس کے حکم سے سر نہ پھیرا مگر وہ اسپر ہی چلا گیا اور نہ رکا
 یہ گویا خواجہ صاحب کسی کے سامنے معشوق کی شکایت کر رہے ہیں۔
 عشوہ میداؤ کہ از کوئی ارادت نرم دیدی آخر کہ حیان عشوہ خریدیم و رفت
 فریب دیا کہ میں کو چنے ارادت سے نہ پہرون آخر کار تو نے دیکھا کہ میں نے کیا دیکھا کہ کیا آیا نہ وہ
 مذکورہ بالا شعر کی توضیح ہے شرح طلب نہیں۔

یوں بیان کئے ہیں کہ جب میرا ساقی تنہا ہے اور شراب آب حیات تو مہیات مہیات کہ میں ایسے
وقت میں شراب کو کس طرح تو بہ کروں۔ خلاصہ یہ کہ میں ایسے حالت میں کہی تو بہ کر دے گا۔
بادہ تلخ از لب شیرین لبان در خلاوت می پروا باز نیات
شیرین لیون کی لب کی کڑوی باین خلاوت میں مفری کی آبرو نہ لیتے ہیں
چون دم عیسیٰ نسیم اوز لطف مردہ صد سالہ را بخشد حیات
اوسکے لطف کی نسیم دم عیسیٰ کی طرح مردہ صد سالہ کو زندگی بخشتی ہے
یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے دم کی طرح جو کہ مرد و نکو زندہ کر دیتا تھا اوسکی لطف کی نسیم سوہرے کے
مری ہو کر مرد و نکو زندہ کرتی ہے۔

جز باب آتشین یعنی شراب حل نیکر و دمر این مشکلات
بجز آب آتشین یعنی شراب کے میسر نہ یہ مشکل حل نہیں ہوتی
مطلب یہ کہ یہ مشکل جو مجھے اس غفلت گاہ دنیا میں پیش آتی ہیں یعنی معشوق حقیقی کو عشق کو
باز رکھتی ہیں وہ سوا شراب عشق و محبت ہے ہو کر جسے حل نہیں ہو سکیں گی۔ خلاصہ یہ کہ جب
بادہ محبت پیا ہوں تو اسرار معرفت ہمہ نظر ظاہر ہویدا ہوتے ہیں۔

روزی مابین کہ از دیوان عشق جزئی حرام شد ابرار
ہمارے قسمت کو دیکھ کہ دیوان عشق سے بجز شراب شرخ کا اور کوئی چیز نصیب نہ آئی
دیوان عشق سے مراد روز ازل۔ می حرام شراب سرخ یعنی بادہ عشق و محبت۔ مطلب یہ کہ روز ازل ہی کو
سوا کو عشق و محبت کا اور کوئی چیز ہماری حصہ نہیں آئی۔

شلو ماوار و اح آن زندگی کہ او بر سر کوی معنایان باید وفات
اوس زندگی اردو خوش ہو یہ کچھ کو چہ معنایان میں وفات پا جائے
کوی معنایان سے مراد کمال مراد ہے۔ بانی مطلب صاف ہے۔

حاصل عمر تو حافظ و حبان بادہ صافیت بانی ترہات
اسے حافظ تیری عمر کا حاصل جہان میں شراب صاف ہے بانی فضول
یعنی حافظ تیری عمر کا حاصل (جہان میں پیدا ہونے کا ثبوت) شراب صاف یعنی خالص عشق

در سر کہ بنگری بغمی از تو مبتلاست یک دل ندیده ام کہ ز عشقت خرابست
 جس سیکو تو دیکے گا وہ تیرے غم میں مبتلا ہے مینو کوئی دل ہی ایسا نہ کیا کہ جو تیری عشق میں خراب ہو
 یہ اشعار گویا محبوب حقیقی سے بطور عرض حال کر نیکی تصنیف کئے گئے ہیں اور انہیں عاشق زار عشق کی
 حالت بیان کر کے مطلب کو بوجہ یہ نہیں صاف ہے۔

ہر کہ بدست عشق تو شکر کشیہ بردت اور اور ان جناب سوال و جوابت
 جو کوئی کہ تیرے عشق کے اہل سے تیری در پرست او سکی لہی اوس جذب میں سوال و جواب نہیں
 جو کوئی عشق الہی میں مر جاوے وہ شہید ہوتا اور درجہ شہادت پاتا ہے چونکہ قیامت کو دن شہیدوں کے
 اعمال کی باز پرس ہوگی اسلئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اے محبوب جو کوئی تیری محبت میں تیری در پر
 فنا ہوا اوسکو درجہ شہادت ملا پس اوس سے باز پرس اعمال ہی نہ کی جائیگی۔

حافظ چو زربورہ در افتاد و تابست عاشق نہ باشد آنکہ چو زار اہتابست
 جب حافظ نے زکو برتن میں ڈالارہ شنی پائی وہ عاشق نہیں کہ جسکے زرمیں چمک نہیں

یعنی ظاہر میں تشریح کی ضرورت نہیں۔

خم زلف تو دایم کفر و دین ست ز کارستان او یک شمعہ انیت
 تیری زلف کا پیچ کفر و اسلام کے لئے دایم ہے یہ اوسکی کارستانی کا ایک شمعہ ہے

یعنی اسے محبوب تیری زلف کے پیچ میں مومن اور کافر دونوں پہنتے ہیں تیری عشق کے لئے کفر و
 اسلام کی قید نہیں جو کوئی تجھے محبت کرے گا وہ گویا تیری زلف کا اسیر رہا جاوے گا اور زلف پر پیچ
 کسی کے دل کو پھانس لینا اوسکی ذرا سی کارستانی ہے۔

جمالت معجز حسن ست لیکن حدیث غمزہ ات سحر بین ست
 (گو) تیرا جمال حسن و خوبی کا معجزہ ہے لیکن تیری غمزہ کی باتیں کہلا ہو اجاد سے
 بر آن چشم سیدہ آفرین باد کہ در عاشق کشی سحر آفرین ست
 اوس چشم سیاہ پر صدف آفرین جو کہ عاشق کشی میں سحر کا دل سے
 عجب راہی ست راہ عشق میرہا کہ چرخ ہفتکش منقش زمین ست
 افسوس عشق کی راہ عجیب راہ ہے کہ اوسکا سا توان تاملان سا زمین ست

شد چمان در چین حسن لطافت لیکن
 (دفعہ حسن لطافت کو چین میں خزانہ ہوا لیکن
 گفت از خود بر دہر کہ وصالم طلبد
 کہا کہ جو پیرا دل چاہی وہ اپنی سو قطع ہو جاوے خودی کو چھوڑ
 صورت او بلطافت اثر صنع خدا
 اوسکی صورت لطافت میں صنعت خدا کی شان ہے
 یہ شعر بالکل سہل ہیں اسلئے ہم انکی شرح جان کر چھوڑتے جاتے ہیں اور صرف ترجمہ پر ہی اتنا کرتے ہیں
 رہجو حافظ ہمہ شب نالہ و افغان کردیم
 رہے حافظ کی طرح تمام رات نالہ و فریاد کی
 افسوس کہ اوسکی وداع کو نہ پہنچے اور وہ رخصت ہوا
 اس شعر میں روح یاد دل شکم سمجھا جائیگا۔ یعنی ہم نے حافظ کی طرح عمر بھر نالہ و زاری کی مگر افسوس کہ صبح
 کے وقت اوسکے رخصت کرنے کو پہنچ نہ پہنچے تھے کہ وہ رخصت ہو گیا۔ بعض نسخوں میں وداع کی جگہ
 وصالت ہے۔ اور وصالت ہی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ وصالت کے معنی اس جگہ اچھی طرح چھپیدہ
 ہوتے ہیں۔

ما را از آرزوی نپروای خواب نیست
 بی روی دلفریب تو بودن صواب نیست
 مجھے تیری آرزو میں نپید کی پروا نہیں ہے
 بغیر تیری دلفریب صورت (دیکھے) رہنا ٹھیک نہیں
 اس مطلع کے اول مصرع کا مضمون عربی کے اس شعر کی مطابق ہے۔ عجباً للعجب کیا نام بہ کل نوم علی الحب حرام
 یعنی عجب ہے کہ محبت میں کوئی کیسے سوتا ہے جبکہ تمام عاشقوں پر نپید حرام ہوتی ہے۔ اور دوسرا مصرع
 اسکا مصداق ہے۔ من کان فی ہذا عالمی مقو فی الاخرة اعمی۔ یعنی جو آج کے روز
 دنیا میں انداس ہے وہ قیامت کو بھی ضرور اندھا ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ جس کسی نے جلال دوست دیکھنے کی
 دنیا میں کوشش و فکر کی وہ قیامت کے دن کیا دیکھ سکے گا۔
 در دو چشم نیست تو مشارکس ندید
 کو دیدہ کہ تصور شمیم خواب نیست
 تیری چشم سے کہ نہ میں کسی کو مشارک نہ کیا
 وہ کوئی آنکھ نہ تیری آنکھ کے تصور سے خواب میں

ز جام عشق می نوشید حافظ
 حافظ نے اوسکی جام عشق سے شراب پی کر
 مدامش مستی و رندی ازین
 یعنی حافظ جو ہمیشہ رند و مست رہتا ہے تو اوسکی یہی وجہ ہے کہ اوسنے جام عشق سے کچھ محبت
 پی لی ہے۔

دید ی کہ یار جز سر جو رستم نداشت
 تو نے دیکھا کہ یار سوا جو رستم کو خیال و خیال نہ تھا
 بشکست عہد ماواز و سیم غم نداشت
 ہم سے جو عہد کیا تھا اوسے توڑ دیا اور اوسے کچھ غم نہیں
 اسکا مخاطب دل ہے یعنی اے دل تو نے دیکھا کہ یار کو ہم پر سوا سے جو رستم کر نیسے اور کچھ خیال
 نہ تھا کیونکہ اوسنے جو عہد وفا کا ہم سے کیا تھا اوسے توڑ دیا اور اسکی کچھ پروا نہ کی کہ عہد
 شکنی اچھی بات نہیں۔

یارب گلشن ارچہ دل چمن کہ تو ہم
 یارب اوسکو مت پکڑ اگرچہ دل کو کہو ترکی طرح
 افکن و کشت حرمت صید حرم نداشت
 پکڑا اور مار ڈالا اور حرمت صید حرم کا خیال نہ کیا
 حرم خانہ کعبہ کے احاطہ کو کہتے ہیں کہ جہاں حلال حیوانات کا شکار ہی حرام ہے یعنی اوس جگہ کوئی
 شکاری کسی پرند وغیرہ کو نہیں پکڑتا نہ مارتا ہے ایسا کرنا خانہ کعبہ کی حرمت میں داخل ہے مگر اس
 موقع پر حرم سے مراد محبت الہی ہے یعنی اے اللہ میرے معشوق کو اس تقصیر میں ماخوذ نہ کیجو کہ اوسنے میرے
 کہو تو دل کو جو تیری احاطہ محبت میں پروا نہ کرتا تھا پکڑ لیا اور مار ڈالا۔ گو اوسنے صید حرم کی عزت نہ کی مگر میں
 چاہتا ہوں کہ اوس سے مواخذہ نہ کیا جائے۔ کہو تیرا تھا جب میں اوسے معاف کرتا ہوں تو تو بھی معاف کر دی۔

برسن جہاز بخت بد آمد و گرنہ یار
 ہرگز ظلم کی رسم اور ستم کا طریق نہیں رکھتا
 حاشا کہ رسم جو و طریق ستم نداشت
 جو کچھ جہاز بخت بد آمد و گرنہ یار کا ہرگز یہ طریقہ نہیں کہ وہ ہم پر ظلم و ستم نہ کرے۔ چونکہ
 ہر کے دشمن بلکہ صید حرم شکار کر نیکی ہذا خواہی خود ہی خدا سے کہہ دیں مگر اس میں ہذا را و کو صحت فرمائی ہیں
 جو کچھ پیر گزرا وہ بخت بد کا نتیجہ تھا نہ یار کا قصور۔

دل این عجم جہا کہ شکاری کشید از تو
 باین ہمہ کہ دل خواری کے ساتھ اوس سے جہا اور جہا
 ہر جا کہ رفت می گشت محترم نداشت
 جس جگہ گیا کسی نے اوسکی عزت نہ کی

مطلب یہ کہ عشق کی راہ ایک ایسی عجیب راہ ہے جو سکوس ترقی رکھتی ہے۔ چنانچہ ساتواں آسمان انتہائی
اوج ہے اور ساتویں زمین انتہائے حقیقت پس سالک راہ طریقت باعتبار اپنی علوی مرتبت کے
آسمان ختم ہے ہی اور پچا اور بہ کھانا اپنی عاجزی اور خاکساری کے ساتویں زمین سے ہی پست
ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ سالک اس کی راہ میں جتنی ترقی کرے گا اتنا ہی خواری اور فروتنی کے سبب مائل
ہو پستی ہوتا چلا جائیگا اور اس کے سالکان راہ طریقت عشق کی ایسی نامور راہ اپنی سامنے طے کر نیکی پر ہوتی
تو پنداری کہ بدگوشت جان برد حسابش باکراگاما کا تبین ست
تو جانتا ہے کہ بدگوشت گیا اور جان کو لے گیا اور اس کا حساب کراگاما کا تبین کے پاس ہے
یعنی ای فحالب تو یہ گمان کرتا ہے کہ بدگوشت زن نے مرکز خجائ پای یہ ٹیک نہیں ہے کیونکہ اس کا حساب کراگاما کا تبین
کے پاس ہے اور وہ ضرور اپنی کئی سزا پائیگا۔ کراگاما کا تبین دفعہ شریں جو کہ برآمدی کو نیک و بد اعمال روزانہ لکھتی جاتی ہے
اور ہر وقت اعمال نامہ لکھنے کے لئے اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔

ز چشم شوخ تو کی جان تو ان برد کہ دائم بالکمان اندر کہیں ست
تیری چشم شوخ سے جان کب بچ سکتی ہے کہ جو ہمیشہ کمان کی ہوئے گہات میں ہے
کمان سے ابرو مراد ہیں۔ اور مطلب صاف ہے کہ تیری چشم شوخ جو ہمیشہ ابروؤں کے اندر قتل عاشق
کی تاک میں بیٹھی رہتی ہے اس سے جان عاشق بچے تو کیسے بچے۔

لبت را آب بھوان گشتہ آما چہ جای آب کان ماء معین ست
تیرے لب کو میں نے آب حیات کہا لیکن پانی کہاں وہ تو ماء معین ہے

معین بفتح میم و کسر عین بمعنی جاری دروان اور یہ لفظ معین صیغہ اسم مفعول ہے جس طرح کہ بچ سے
مبہج بننا ہے اس لئے عین سے معین بنا ہے اور معین بہشت میں ایک نفیس چشمہ ہے پس اسی وجہ سے
ماء معین کو آب حیات پر فوقیت دی گئی۔ علاوہ اسکے چونکہ آب حیات کا منبع تاریکی میں ہے اور اسی
اعتبار سے اس کو آب ظلمات بھی کہتے ہیں مگر ماء معین جو بہشت کی نہر ہے اور روشنی میں جاری
اس واسطے اس کو آب حیات پر بدرجہا ترجیح ہوگی۔

مشوانی جان ز کید زلفش ایمین کہ دل برد و کنون در بند وین ست
ای جہان اس کی زلف کے قریب سے بے فکر ہو کہ دل برد و کنون در بند وین ست
کہ دل بے گیا مگر ابھی دن کی فکر میں ہے

منعم از می کن ای صوفی صافی کہ حکیم درازل طینت مار از می صاف شست
 ای صوفی صافی مجکو شراب سے منع نہ کر کہ حکیم نے ازل میں میری طینت کو شراب صاف ہی بنایا تو
 صوفی صافی سے بطور استہزا کے واعظ یا ظاہری صوفی مراد لین گے اور مطلب یہ ہو گا کہ ای صوفی صاف
 مجکو می نوشی ہے کہ جب کا کنا یہ عشق محبت کی طرف سے منع نہ کیجئے کیونکہ خلاق عالم نے میری مٹی کا خمیر ای
 شراب سے گوندایا پس جسکی سرشت میں ہی شراب تائیز ہو وہ شراب (عشق بازی) سے کیسے باز رہ سکتا ہے
 اور آپ کا کہنا کیون مان سکتا ہے۔

صوفی صاف بہشتی نبود زانکہ جوین خرقہ در میکدہ مارہن می ناب بہشت
 صوفی صاف اسواسطے بہشتی نہیں ہو کہ میری طرح جبکہ بہشتی می ناب کے بتانوں میں رہن کیا
 یعنی صوفی صاف جو غیر خدا کی محبت سے پاک و صاف ہے بہشت کی لائق نہیں ہے بلکہ سزاوار بقای الہی ہے
 اسواسطے کہ او نے اپنے خرقہ بہشتی کو محبت الہی میں فنا کر دیا ہے۔

لذت از حور بہشت و لمحضش نمود ہر کہ اودامن معشوق خود از دست بہشت
 حور بہشت اور کنارہ حوض کوثر کے لذت اوی نہیں لے گی جس کسی نے کہ اپنی محبوب کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑا
 جس کسی نے اپنی معشوق کو دامن کو چھوڑا یعنی اوس سے جدا ہوا تو اوسکو وہ لذت نہ حور بہشت میں مل سکتی ہے
 نہ آب کوثر میں جو کہ اوسکی گرفتگی دامن میں مٹی تھی۔ اور یوں ہی کہہ سکتے ہیں کہ جس کسی نے محبوب حقیقی کا ہاتھ
 چھوڑ کر بہشت کر لئے نہ ہوا تھا کیا اوسکو باغ بہشت میں بہ ہو چکا وہاں کی حوروں سے یا آب کوثر سے کیا لذت
 ملیگی۔ خلاصہ یہ کہ ان حوروں میں وہ لطف کہاں جو عشق الہی میں ہے۔

حافظا لطف حق اربا تو عنایت دارد باش فارغ ز غم دوزخ و شادی بہشت
 ای حافظ اگر لطف حق تیری شامل حال ہے تو دوزخ کے غم اور بہشت کی خوشی سے تو فارغ ہو
 مطلب صاف یہی تشریح طلب نہیں۔

ای نسیم سحر آرام کہ یار کجاست منزل آن مہ عاشق کش عیار کجاست
 ای نسیم صبح یار کی آرام کی جگہ کہاں ہے اور اوس راہ عاشق کش عیار کا مقام کونساں
 شب تار ست ورہ وادی ایں پیش آتش طور کجا وعدہ دیدار کجاست
 انہری رات اور وادی ایمن کی راہ درپیش ہے کہاں طور کی آگ اور کہاں وعدہ دیدار

یعنی باوجود اسکے کہ دل بہت سی خجائیں خوری و ذلت کر سہانہ محبت سہیں لیکن اگر کہیں اور گیتا تہی ہوئی او کی عزت ہوئی
اور وہ ان پر بھی لیل بجا گیا چاہے تو بہتا کہ محبوب ہی خواہ بھٹا کہ اور نہ بچے ہو سکو ایسا ہی لیل جانا کہ صیادہ سکتا جانا
ساقی سیار بادہ و باد می بگو انکار یا مکن کہ چنین جام حرم نہ داشت
ای ساقی شراب لا اور مدعی سے کہو کہ پہنے انکار نہ کرے ایسا پایادہ تہیہ پاش تھا
ساقی بر مشد یادہ و یادہ عشق می جو حامد بر گوگرد میں یہ اور مسئلہ تہیہ کہ ای بر مشد شراب محبت لا اور اگر حامد از راہ حشر
لئے زنی کر تو اوس کے ہاری جانب گہر کہ دم ہمارا انکا کیون کر تا ہی اسلئے کہ ایسا جام مصفا ہے کہ عار دل جو چہ بچہ پاشی
نہ تھا اور جیسا تہی سالار میں تو رفت دنیا کی ملکوتی ہی سر کرتا تھا ہم اپنی سانو (دل) میں عالم بالا کا کل حال دیکھتے تہی تہی
ہر رہ روی کہ رہ بحر کم در شش نبرد مسکین بر بد وادی و رہ در حرم نہ داشت
جو مسافر کہ او سکو در کے حرم پر راستہ نہ چلا غریبے جنگل تھپے کے اور کعبہ میں رہ پوچھا
یعنی جس ملک ابتدا ہو کی طرف کی راہ زانی وہ اس کی سب فریاد ہو کہ جو راہ کچھ خون جنگل آکر کر لے کر گویا میں پوچھ سکے غلامیہ کہ او کی
خوش وقت رند و مست کہ دنیا و آخرت برباد و او و صبح غم از پیش و کم نہ داشت
وہ رند اور مست خوش وقت ہو کہ جس دنیا و آخرت کو برباد کر دیا اور کلائی غم کم و بیش کا نہ رہا
حافظ بر تو گوئی فصاحت کہ مدعی ایچش خبر بود و نہر نیز ہم نہ داشت
ای حافظ تو فصاحت میں سبقت کر جا کہ مدعی میں کوئی نہر نہیں اور وہ خبر ہی نہیں رکھتا
یعنی ای حافظ تو عشق میں ثابت قدم رہ اور بختان معرفت کی فصاحت میں مدعی تو سبقت کر جا اسلئے کہ نہ تو اکین کیم نہری جو حیرت انگیز
کر اور نہ تو کے حال ہی خواہ جو حیرت انگیز ہو شاید مدعی کو زیادہ ظاہر ہو اور کہ جو عشق ہی سس نہیں رکھتا
بروای زار و دعوت کلمہ سوی بہشت کہ خدا و را زل بہر شہم نہ سرشت
ای دعا و اجل مجھے بہشت کی طرف نہ بولا کہ خدا نے ازل میں جمی بہشت کے کیم نہیں پیدا کیا
مطلب یہ کہ ای دعا و اجل اپنا کام کر چھ نہ مدد توئی کی غیبت دین بہشت کی طرف نہ بولا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل کو جو محکم
بہشت میں جانکوار اسلئے کہ اس میں نہیں پیدا کیا بلکہ اپنی عشق کو پیدا کیا ہی پس کل کی محبت جو کر بہشت کے نہ پیدا کیا
یک جواز خرم ہستی نتواند برداشت ہر کہ در راہ فنا در رہ حق دانہ نہ داشت
ایک جو یعنی خرم ہستی سے نہیں اٹھا سکتا جسے کہ دار فنا میں راہ حق کے لئے دانہ نہ دیا
تو و تسبیح و مصلیٰ اور نہ زہر و ورع من معنی از و نا قوس و رہ دیر و کشت
تیری پس تسبیح اور جاری نماز اور طہارت زہر و ورع کی گاری کا میری پس معنی از و نا قوس و رہ دیر و کشت کی

مطلب یہ کہ ای دعا و اجل اپنا کام کر چھ نہ مدد توئی کی غیبت دین بہشت کی طرف نہ بولا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل کو جو محکم
بہشت میں جانکوار اسلئے کہ اس میں نہیں پیدا کیا بلکہ اپنی عشق کو پیدا کیا ہی پس کل کی محبت جو کر بہشت کے نہ پیدا کیا
یک جواز خرم ہستی نتواند برداشت ایک جو یعنی خرم ہستی سے نہیں اٹھا سکتا تو و تسبیح و مصلیٰ اور نہ زہر و ورع من معنی از و نا قوس و رہ دیر و کشت
تیری پس تسبیح اور جاری نماز اور طہارت زہر و ورع کی گاری کا میری پس معنی از و نا قوس و رہ دیر و کشت کی

مطلب یہ کہ ای دعا و اجل اپنا کام کر چھ نہ مدد توئی کی غیبت دین بہشت کی طرف نہ بولا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل کو جو محکم

عاشق خسته ز درد غم بجز تو نبوخت

خونیرسی تو کہ آن عاشق غمخوار است

عاشقِ تیرے سحر کے دردِ غم سے جل گیا

تو نے خود نہ پوچھا کہ وہ عاشق غم خوار کون ہے

بادہ و مطرب و گل جلد ہست اولی

عیش بی دوست مہیا نشود یاد گشت

شراب اور مطرب اور گل یہ تمام موجود ہیں لیکن

عیش بغیر یار کے عیسائین ہوتا یا کہاں ہے

بادہ سے ذکرِ محبوب کہ جو بخود ہی کا سبب ہوتا ہے مطرب اسے مرشدِ گلی سے تجلی اور نیز بیانِ اسرارِ مقامات

مراد ہیں۔ باقی مطالب صاف۔

عقل و تواضع شان سلسلہ مشکین کو

دانش ما گوشه گرفت ابروی دلدار بجا است

عقل دیوانی ہوئی و ہشکین زنجیر کمان ہو

دل نے مجھے علیحدگی کی ابرو سے دلدل کہاں ہے

سلسلہ مشکینہ زلف کو کہتے ہیں جس سے جذبہ عشق مراد ہے اور ایروں مشاہدہ تجلیات - یعنی عقل دیوانی

ہوئی ہے پس وہ سدا مشکینِ جذبہ عشق کہاں ہے جس نے اسے باندھ کر ڈالا جائے اور دل جو محسوس

جہاں ہوتا ہے لہذا اسکے لئے ابرو و مدار یعنی مشاہدہ تجلیات کی ضرورت ہر تاک یہ عاشق کو نہ چھوڑی۔

دلم از بزم و صحت شیخ ست ملول

پیارے شاہی کو خانہ خمار کجاست

یہ اول عبادت گاہ: اور شیخ کی صحبت سے ملول ہے

ترسا چھ پارہا کہان اور خانہ خمار کس جگہ ہے

بار ترساجہ سے مرشد کامل مراد ہے اور خانہ خمار سے مقام عشق یعنی میرادل خلوت گزین اور شیخ کی صحبت سے

تو زہد کی علامت ہے، ریختہ ہو گیا ہے پس مرشد کامل اور مقام عشق کہاں ہے تاکہ اس کی طرف متوجہ ہوں

اور اپنی مراد حاصل کروں۔

حافظ از باد خزان در چمن و همرنج

فکر معقول بفرما گل بیخار کجاست

ما فطما چمن دہرین باد خزاں سے رکھ دیتا ہو

فکر معقول کر کے گل بنجار کوٹا ہے

میں نے ایسا حافظ تو اوس یاد خزان سے جو چمن دنیا میں چلتی ہے ریجیدہ مت ہوا ہوا سطرے کے دنیا مانند گل

رہے اور باد خزانِ خار کی طرح بہند اور اس پر تو سہی کہ دنیا میں وہ ایسا پہول کو بسا نہیے کہ حسین کا نہا ہو

ایہ لاری باشتہ کچھ دھری پھر ان نہ

پہلے پڑھیں

ابو اسد زلف بریشان کے یہ کتاب ہے

سزاوارت افتان کی نیند بے منتو نہیں ہے

ابو اسد زلف بریشان کے یہ کتاب ہے

جہاں شب تراستے اوس رات کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وادیِ یمن میں آگ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ آتش طور سے تجلی ہو رہی۔ پس یہ سفرِ رحمت الہی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسرا اوس کے قبر کی جانب یعنی موسیٰ علیہ السلام کو رحمت کے وقت اندر میری رات اور وادیِ یمن والے معاملہ پیش آیا تھا کہ اوس شب میں دولت رسالت اور اعجازِ بیضات شریف ہوئی اور حالتِ قبر طور کی آگ سے نازد ہوئی کہ تجلی کی ایک چٹک سے کوہ طور جل گیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گرے لہذا حافظ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ سالک کو حالتِ قبض میں مضطرب نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ نہ تو وہاں وعدہ دیدار میں کچھ دیر سے اور نہ طور کو جلانے اور موسیٰ کو بیہوش کرنے میں ذرا تاخیر سے خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھنے احوال یہ کہ آگ لینے کو جائیں پیری مل جائے نہ۔

ہر کہ آمد بچہاں نقش خرابی وار . در خرابات نہ رسید کہ ہشیار کجاست
جو کہ جہاں میں آیا صورت فنا کی زائست خرابات میں مت پونچ کہ ہشیار کون ہے

خرابی۔ نونا خرابات مقامِ عشقِ ہشیار۔ باقی دبا خود۔ مطلب یہ کہ جو کوئی اس در فانی میں آیا اوس کا مدار فنا پر ہے کہ کل من علیہا فان پس مت پونچ کہ کون شخص باقی اور برقرار ہے اور ممکن ہے کہ یہ مطلب جو کوئی عشق کے جہاں میں آیا وہ سرا سید اور لایقل ہو کہ مقامِ فنا میں پہنچا اسی مقامِ عشق میں نہ پونچ کہ ہشیار کون ہے۔

آنکس است اہل بشارت کہ اشارت دانند نکلتا ہست بسی محرم اسرار کجاست
وہ شخص اہل بشارت ہے کہ جو اشارہ سمجھتا ہے اس میں بہت سی باریکیاں ہیں محرم اسرار کون ہے
یعنی عشق میں بہت سے نکات ہیں لیکن جو محرم اسرار ہے وہ انکو جانتا ہے پس اوسکو بشارت ہو جو کہ جو اسرار عشق کو اشارہ اور رمز سے معلوم کرے۔

ہر سہرہ موئی مرا با تو ہزاران کاست ماکجا نیم و نصیحت گر بیکار کجاست
ہر سہرہ بال تجھے ہزاروں قصد کہتا ہے ہم کہاں اور بیکار نصیحت گو کہاں
یعنی میرے سر کا ایک ایک بال تجھے ہزار آرزوئیں کہتا ہے پس نصیحت گو کی ملامت بیکار ہے۔
خلاصہ یہ کہ اہل دنیا جو ہماری معاملہ عشق میں دقوف نہیں رکھتی اور طعن کرتے ہیں کہاں ہم عاشق اور کہاں وہ نا آشنا محبت ہماری اور انکی درمیان میں بہت بڑا فرق ہے۔

دوش باد از سر کویت بگلستان بگذشت
ای گل بن چاک گریبان تو بچیزی نیست
کل تیر کوچه سے ہو کر صبا باغ کو گئی ہے
ای گل ریز تری گریبان کا چاک ہونا خالی از غلت ہے
یعنی ای عاشق تیر سے یہ چاک گریبان جن سے مراد رسوائی و پریشانی ہے بے سبب نہیں بلکہ عشق کی وجہ سے
کیونکہ کل باد فیض جسکا کنایہ عشق معرفت کی طرف ہر اوسن محبوب کے کوچ سے عاشق کے گلستان وجود میں آکر
گذری۔ اسلئے تو نے اپنا گریبان چاک کیا۔

ورد عشق ارچہ دل از خلق نہان بیدار
حافظ این دیدہ گریبان تو بچیزی نیست
دل اگرچہ عشق کا درد خلق سے پوشیدہ رکھتا ہے
ای حافظ تیری پر دیدہ گریبان بے سبب نہیں ہے
یعنی ای حافظ اگرچہ تیرا دل درد عشق کو خلق سے چھپاؤ پیر تاہر لیکن اشکباری جو بلا وجہ نہیں ہر صدمہ
کہے دیتی ہے کہ تو کسی پر عاشق نہ ہے۔

دیدمش دوشک ہرست و خرامان میر
جام جمی بر کف و در مجلس ندان میر
مین نے کل اوسے دیکھا کہ مست و خرامان جاتا تھا
جام جمی بر کف و در مجلس ندان میر
نساغ شراب ماتہ میں اور ندان کی مجلس طرف گیا تھا
شش کی خیر یا مشوق کی طرف یا رشد کی طرف کو راجع ہے یعنی کل میں نے رشد کو دیکھا کہ جمی محبت سے مست
چہ ہوتا ہوا ماتہ میں شراب معرفت کا پیالہ لئے ہوئے ندان در میدان کی مجلس میں کو گیا تھا تاکہ شراب معرفت سے
میراب کرے۔

یاد مہ چہرہ من بادل گریبان میر
متفر شدہ و زبندہ گریبان میر
میر ایاد مہ پارہ بادل گریبان گیا
سندہ سے متفر ہو کر بہا گیا
چونکہ بعض مضمون میں اس غزل کا مطلع ہی ہے اور تمام غزل کا مضمون اس سے ربط کیا تاہو معلوم
ہو رہوتا ہے لہذا ہم مطلع اول کی شرح کرینگے بعد اسکی شرح لکھیں میں چونکہ اس میں فیض و لادیت یا عدم
مشاہدہ کا مضمون ظاہر کیا گیا ہے اسلئے غزل کے کل اشعار کی جداگانہ شرح کی ضرورت نہیں رہے۔

چون ہمی نقشش ای مونس در زمین
نخست میگفت دل از زہ پریشان میر
جب میں نے اوس کو کہا کہ ای میری بڑائی بکسار
نخست کہتا تھا دل از زہ پریشان میر
نقش خوارزم و خیال لب جھون میر
نقش خوارزم کا نقش خیال کناہ جھون کا ماتہ تھا
نقش میگفت دل از زہ پریشان میر
نقش کہتا تھا دل از زہ پریشان میر
نقش خوارزم کا نقش خیال لب جھون میر
نقش کہتا تھا دل از زہ پریشان میر

خواب کا اشارہ تغافل کی تھا اور نرگس فغان چشم مست یافتہ انگیز جس سے نقد ذات عبارت ہے
 سے ہست چشم ایجا یعنی نقد ذات کو عیان بیند وجود کائنات پر زلف پریشان عالم کثرت
 اور سچ و تاب سے مقصود اسکی آراستگی ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ای محبوب ابوس مشاہدہ ذات سے
 تیرا تغافل یا اخفا کہ جو تجھے عالم اطلاق میں حاصل تھا اور اس آراستگی زلف پریشان یعنی ظہور عالم کثرت
 کچھ نہ کچھ غرض ضرور ہے یعنی یہ سب باتیں نہ خیالی از علت ہیں اور نہ ہماری پریشانی اور سرگردانی محض
 برائے بیت ہے۔

از لب شیر روان بود کہ من میگفتم کاین شکر گردنمکدان تو بی خبری نیست
 تیر لب سے دودہ جاری تھا کہ من کہا کرتا تھا کہ نمکدان کے اس پاس یہ شکر بے نیچو نہیں ہے
 نمکدان سے دہن باد شکر سے وہ ہی شیر مراد ہے۔ مجازی مطلب یہ ہے کہ میں تیری ایام طفولیت میں کہا کرتا
 کہ اس دہن سے فتنے برپا ہونے والے ہیں۔ ہونٹوں سے دودہ پھینکا اور دودہ کی خوشبودہن کو انا شیر خوا
 بہ کی حالت طفلی ظاہر کر کے واسطے بولا کرتے ہیں۔ پس از لب شیر روان بود سے زمانہ طفلی یعنی روز ازل
 مراد ہے اور حقیقی اعتبار سے یہ مطلب ہے کہ روز ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے پوری طور پر اپنا ظہور مخلوق پر
 کیا تھا یعنی یہ تخلیقات منوعہ اور انوار متلونہ نہ تھیں۔ تو میں اپنی آپ سی یہ کہتا تھا کہ او شکا ہمیر یہ لطف
 و فضائل محض بے نیچو نہیں ہے کہی نہ کہی خلق کر کے اپنا والدہ شیدا بنا بیگا۔

چشمہ آب حیات است دمانت اما زیر لب چاہ ز نخذان تو بی خبری نیست
 تیرا منہ آب حیات کا چشمہ ہے لیکن لب کے نیچے چاہ ز نخذان ہی ہے سبب نہیں ہے
 جان من باد فدا کی تو ظہین میدا تم در کمان ناوکے گان تو بی خبری نیست
 میری جان تجھے قربان ہو میں یقین کرتا ہوں کمان میں تیرا ناوکے شرکان بڑا علت نہیں ہے
 کمان سے ابھرنے والے شرکان سے پلکیں مراد ہیں۔ تیرے کمان کے واسطے یہ الفاظ لائے ہیں مطلب صرف یہ ہے کہ
 میری جان تجھے نثار ہو چو اسکا کچھ خوف نہیں بدشاہی چکی ہے مگر کمان ابو میں ناوکے شرکان کا
 ہونا بھی محال از علت نہیں

بتلا می بغم و محنت و اندوہ فراق ایدل این نالہ و افغان تو بی خبری نیست
 تو غم و محنت اور رنج و فراق میں مبتلا ہو ایدل این نالہ و افغان تو بی خبری نیست
 ایدل تیرا نالہ و فراق ہے سبب نہیں

اس عالم میں سالک پر ظاہر ہوئے وہ درہ کشوں یعنی عاشقوں کے مشاہدہ تجلی ہے ظاہر ہوئے۔
 بیاومعرفت من شنو کہ در نہ سخنم ز فیض روح قدس نکتہ سعادت
 میری معرفت کی یاد سے شنو کہ میری کلام میں روح قدس کے فیض سے نکتہ سعادت ہو چکا ہے
 یعنی ای طالب چونکہ معرفت محض یاد ہے اس لئے تو میری کلام میں جساو روح القدس کے فیض سے نکتہ سعادت
 ہو چکا ہے معرفت کا حال پڑھ دوسروں کے سخن میں یہ اثر اس لئے نہیں کہ اونکو باریکی کلام کے واسطے کسی
 فیض نہیں ہو چکا۔

مجزر طالع مولود من بحر زندگی کہ این معامله با کوکب ولادت رفت
 میری طالع ولادت سے سوا ہر تری کو اور کچھ نہ ہوگا کیونکہ یہ معاملہ کوکب ولادت سے ہی چلا آتا ہے
 یعنی میری کوکب ولادت کا یہی اثر تھا کہ جو کوئی اس وقت پیدا ہوتا وہ سوائے عشق بازی اور زندگی کے
 اور کچھ نہ کرے پس ای طالب جبکو مجھے یہی سواستی اور زندگی کو اور کام کی امید نہ رہی چاہے کہ کوکب نہ ہی
 اس وقت پیدا ہوا ہوں۔

ز بامداد بدست دگر برآمدہ وظیفہ می دوشین مگر زیادت رفت
 صبح کو تو دوسرے طور پر برآمد ہوا شاید کہ وظیفہ می دوشین کا زیادہ ہو گیا تھا
 وظیفہ می دوشین سے مراد مشاہدات تجلیات ہیں یعنی ای سالک آج تیرا حال کچھ اور ہے ایسا معلوم ہوتا ہے
 کہ شاید تجکو رات مشاہدہ تجلی کا زیادہ ہوا ہے۔

مگر بمعجزہ کوشد طبیب عیسیٰ دم چرا کہ کار من خستہ از عبادت رفت
 مگر وہ عیسیٰ دم طبیب معجزہ میں کوشش کری اس واسطے کہ مجھ خستہ کا کام عبادت ہو گیا
 عاشق کہتا ہے کہ عیسیٰ نفس طبیب کو میری زندہ کرنے کے لئے معجزہ کو کام میں لانا چاہئے اگر صرف عبادت ہی
 کیا تو عبادت سے میرا کام نہیں چلے گا اس واسطے کہ میں اسکی بحر میں قریب لڑک ہوں۔
 ہزار شکر کہ حافظ زراہ میکہ دوش بکنج زاویہ و طاغوت و عبادت رفت
 ہزار شکر کہ کل میکہ سے حافظ کوشہ طاغوت و عبادت کی طرف گیا
 یعنی بڑی شکر کی بات ہے کہ حافظ زندگی کو چوڑھا رکھ کل میخانہ سے یہ نامحرب عبادت کی طرف گیا اور
 زاهد بن گیا بعض نسخوں میں یہ شعر یوں ہے سے ہزار شکر کہ حافظ براہ میکہ دوش بکنج زاویہ و طاغوت

خوارزم سے بہشت اور لب حیوان سے لب کوثر تک سلیمان سے دنیا مراد سے یعنی بہشت کا نقش اپنی آنکھوں میں جمائے ہوئے جو من و ثمر کا تصور کرتا ہوا دنیا کے ہزاروں گلوں کے ساتھ یہاں سے ہمارا
 بیشدا آنکس کہ چو او جان سخن کس شناخت
 من حمید یدم و از کالبدم جان سیر
 وہ شخص کونسا ہو کہ جسے اُس سخن کی جان کو پہنچا
 میں دیتا تھا کہ میری بدن سے جان جاتی تھی
 گفتم اکنون سخن خوش کہ بگوید پاما
 کان شکر لہو خوشگوی سخن از سیر
 میں نے کہا کہ اب مجھے یہی باتیں کون کریگا
 کہ وہ شکر لہو خوشگو سخن ان تو چلا گیا
 لا بہ بسیار نمودم کہ مرا سود نداشت
 ز انکہ کار از نظر رحمت سلطان سیر
 میں نے بہت سی چالوسی کی لیکن اوسنی مجھ پر فایہ نیا
 اس واسطے رحمت سلطان کی نظر سے کام میرا گذر گیا
 جب محبوب نے جان کا قصد کیا تو اسلئے کہ اب اسرارِ معرفت ہمے کون کہو گا میں نے اوسکی بہت سی چالوسی
 اور خوشامد کی لیکن وہ کچھ ہی سود مند ہوئی اسواسطے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی مرضی یوں ہی تھی کہ معشوق
 ہمے جدا ہو جاوے چنانچہ اوسنے ایک نئی سنی اور چلا گیا۔

پادشاہ از کرم از سر جرمش بگذر
 چہ کند سوختہ از غایت حرمان سیر
 اے پادشاہ اپنے کرم سے اوسکی گناہوں سے درگزر کر
 سوختہ دل کیا کرے کہ بے نصیبی کی غایت ہو گیا
 چون بشد آن صنم از دیدہ حافظ غائب
 اشک ہموارہ ز رخسار بدامان سیر
 جب کہ وہ محبوب حافظ کی نظروں سے غائب ہو گیا
 آنسوؤں کا تار رخساروں سے دامن کی طرف گرتا رہا

معنی ظاہر میں یہ شرح کی کچھ ضرورت نہیں معلوم ہوتی
 ہر آن جستہ نظر کرنی سعادت رفت
 بکج میکہ وہ خانہ ارادت رفت
 ہر مبارک نظر جو طالب سعادت ہوا
 میخانہ کے کونے اور خانہ ارادت میں گیا
 یعنی سعادت اوسی شخص کو ملی کہ جس نے میخانہ کے کونے میں عزت اختیار کی اور ہر شد سے بیعت ہوا۔
 میکہ سے منزل عشق مراد ہے۔

ترطل در وکشان کشف کرد سالک را
 رموز غیب کہ در عالم شہادت رفت
 در وکشان کے ہمانہ سے سالک کی راہ کھلی
 غیب کے ہبید کہ جو عالم شہادت میں گویا
 رموزِ محفی شاید تجلی اور عالم شہادت سے دنیا مراد ہے۔ یعنی جو کچھ کہ اسرارِ معرفت اور غیب کے ہبید

اوسکی ذات مراد ہو گی۔ صبا کا کنایہ مرشد کی جانب حکایت زلف سے مقصود امر ارشاد عشق ہی یعنی حب عاشق نے اپنی ذات کو تہر استغی دی تو مرشد نے اس کو عشق کا قصہ بیان کر کے پشیمان کر دیا کہ تجھ کو محض عشق کی وجہ سے یہ مرتبہ حاصل ہوا اور نہ تو کہان اور یہ کمال کہان۔

کنون باب می لعل خرقہ می شویم نصیبہ ازل از خود نمیتوان انداخت
ابکے میں شراب سرخ سے خرقہ دھوتا ہوں یہ نصیب ازل کا سبب ہے اپنی آپس میں ڈالا جا

شراب سے خرقہ دھونا بمعنی عشق کرنا۔ یعنی میں جو عشق کر رہا ہوں یہ از خود نہیں کرتا ہوں بلکہ ازل ہی میری قسمت میں لکھ گیا ہے پس یہ شراب میں جبہ کا دھونا ازل سے ہے کچھ آج سے نہیں اور نہ میں نے خود بخود جبہ کو شراب سے رنگا ہے۔

نبود رنگ دو عالم کہ نقش الفت بود زمانہ طرح محبت نہ این زمان انداخت
دونوں عالموں کا رنگ نہ تھا مگر نقش محبت موجود زمانہ نے کچھ بنیاد عشق کی اس وقت سے نہیں ڈالی

یعنی کچھ عشق و محبت کی بنیاد کو زمانہ نے اس وقت سے نہیں ڈالا ہے بلکہ یہ بنیاد اس وقت سے پڑی ہوئی ہے کہ جب دونوں عالموں سے کوئی عالم ہی موجود نہ تھا۔

من از ورعی و مطرب ندیدی برگز ہوائی مرغی کاغذ در این و آن انداخت
میں زہد و تقویٰ کی وجہ سے می و مطرب کو بھی نہ دیکھا لیکن مرغ بھونکی ہوائے بھگو اس میں آن میں لا
میں بچوں سے مشوق لوگ مراد ہیں یعنی میں تو بڑا پارسا تھا لیکن ان مشوق کی خواہش نے مجھے می و مطرب اور اس آئینہ میں سب ہی میں مبتلا کر دیا۔

جہان بکام دل کنون شو کہ دوزخ مرا بہندگی خواجہ زمان انداخت
اب جہان دل کے قصہ میں ہو جاو کہ گردش زمان کی بسندگی میں ڈالا

خواجہ زمان بمعنی مرشد کامل جہان بکام دل شدن بمعنی مقصود دل بر آمدن۔ یعنی اب کہ گردش فلک نے مجھ کو مرشد کامل کی اطلاع میں لایا ہے۔ بیشک میں اپنی ذلی مقاصد میں کامیاب ہو گا اور مراد کو بھگو

مگر کشاکش جلتا دین خرابی بود کہ قسمت از لش آدمی معان انداخت
شاید کہ عطف کا لفظ اسی خرابی میں تھا کیونکہ قسمت ازل سے اس آدمی معان میں ڈالا
معلوم ہوتا ہے کہ شاید عطف کی کامیابی اسی خرابی میں تھی جو قسمت ازل نے اس کو عشق بانی اور مرشد بانی میں

اسکا مطلب برعکس ہوتا ہے۔ **خست**
 خمی کہ ابروی شوخی تو در گمان اندا **خست**
 وہ خم کہ جو تری ابرو سے شوخ کی گمان میں نہ
 شراب خوردہ خود کردہ کی شدی خمین **خست**
 شراب پی کر عرق میں ترکیب تو خمین میں گیا تھا
 کہ ترے چہرہ کی آب نہ گل ارغوان میں لگا دی
 عاشق پوچھتا ہے کہ ای محبوب تو مست ہو کر عرق بر رو باغ میں کب چلا گیا تھا کہ ترے چہرہ کی دھن
 گل ارغوان کو فیرت سے جلادیا۔ واضح ہو کہ گل ارغوان کی مشابہت عشوق کے چہرہ پسینہ دار سرد بکائی

اور اوس کی رعایت سے یہ مضمون لائے ہیں۔ **خست**
 بیک کرشمہ کہ نرگس خود فروشی کرد **خست**
 ایک ہی کرشمہ سے نرگس خود فروشی کرنے لگی
 یعنی او محبوب نرگس عرف الہوس ایک کرشمہ سے کہ جو اسکو چشم عشوق سے تشبیہ دیکاتی ہو خود فروشی کرنے لگی
 یعنی شہرہ آفاق ہو گئی۔ تو تری نگاہ کہ جو ایسے ایسے صدفافتنے جہان میں اوٹھاتی ہے کیوں مشہور نہ ہو اور
 عالم کو کیوں اینا مفتون و شیدا نہ بنائے۔

خست
 ز شرم آنکہ بروی تو نسبتش کردند **خست**
 اس شرم سے کہ اسکی نسبت تری چہرہ سے کی گئی
 بہ نرم گاہ چمن دوش مست بگذاشتم **خست**
 میں کل نرم گاہ چمن میں مست ہو کر گذرا
 یعنی کل میں مستی کی حالت میں باغ کی سیر کو اسلئے کیا کہ ترے دہن سے غنچہ کو جو نسبت دیتی ہیں کیا یہ نسبت
 صحیح ہے اور میں اسکا یقین کروں یا نہ کروں نہ

خست
 صبا حکایت زلف تو در میان اندا **خست**
 صبا نے تری زلف کا قصہ در میان لا ڈالا
 طرہ مقتول یعنی طرہ پیچیدہ خلاصہ یہ کہ بنفشہ نے اپنے طرہ پیچیدہ میں گرہ لگائی یعنی اسکو سنوارنا کر آراستہ
 کیا تھا مگر صبا نے تری زلف کا قصہ بیان کر کے اسکو شرمندہ کر دیا حقیقی طور میں بنفشہ سے عاشق طرہ مقتول

شام سبز لعل و خونی زلف جس سے دنیا راوے مقصد سے صبا کا اشارہ مرشد کی جانب لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں چونکہ میں عاشق ہوں اور او سکی خوبی کو پا گیا ہوں اسلئے ہر صبح کو میری بحث مرشد سے اس بنا پر ہوتی ہے کہ وصف شام سبز لعل میں جس کا اشارہ جذبہ عشق کی طرف ہر دم نہ مارتا چاہے اور نہ او سکا پروردہ فاش کرنا چاہئے تاکہ مذہبیوں کو قیل و قال کا موقع نہ ملے۔

من ازین طالع شوزیدہ بر حجم ورنہ بہرہ مند از سر کویت و گریخت گیت
 میں اس نصیب کم بخت کی وجہ سے بچ میں ہوں ورنہ کیا اور لوگ تیری کوچہ سے بہرہ مند نہیں ہیں
 یعنی میں اپنے شومی طالع سے بچا ہوا ہوں ورنہ دوسری لوگ تیری کوچہ سے بہرہ مند ہو رہے ہیں اگر میرا نصیب ایسا ہوتا تو میں ہی مزد بہرہ مند ہوتا۔

از خیال لب نوشین تو ای چشمہ نوش غرق آب عرق اکنون شکری گیت
 ای چشمہ نوش تیرے لب شیرین کے خیال سے اب کون سی شکر ہے کہ غرق آب شرم نہیں ہے
 آب چشم کہ پرو منت خاک در تست زیر صد منت او خاک وری گیت گیت
 میری آنکھ کا آنسو کہ جیسے تیری در کی خاک کا احسان ہے کون سے در کی خاک ہے کہ جو او سکا صد احسان کوئی برابر ہے
 ای محبوب چونکہ میری اشکون بہر تیری در کی خاک کا احسان ہے اسلئے وہ کونسو دروازہ کی خاک ہے کہ جیسے میرے اشکون کے صد احسان ہوں۔

از وجود انقدرم نام و نشانیست کہ مسرت ورنہ از ضعف در انجا اثری نیست
 وجود سے میرا صرف اس قدر نام و نشان معلوم ہوتا ہے کہ مسرت ورنہ ضعف کو نہ انجا اثر ہے کہ نہیں ہے
 چونکہ میں مقام عشق میں ہوں پس میرے وجود سے صرف اس قدر نشان باقی ہے کہ بہت کہہ سکے نہیں
 ورنہ جو کچھ اثر یا نشان کمال ضعف کا ہوتا ہے وہ سب مجھ میں موجود ہے۔ یعنی ضعف کمال کو پہونچ گیا ہے اور کچھ باقی نہیں رہا۔

شیر در باد یہ عشق تو رو باہ شود آہ ازین راہ کہ در فی خطری نیست
 شیر تیری جنگل عشق میں بوٹری ہو جاتا ہے آہ کہ یہ راہ کہ جس میں بہت سی خطری موجود ہیں
 یعنی تیرے بیابان عشق میں در اگر شیر ہی بہت کے ماری تو ٹری ہو جاتا ہے۔ فہم کن اس آہ عشق میں بڑی خطرے موجود ہیں۔

والہدیا۔ بی مغان سے مراد اداؤں لوگوں کی محبت ہے کہ جو عشقِ الہی کی آگ میں اپنی آپکو سوختہ کر دیں۔
 روشن از پر تو رویت نظری نیست کہ نیست خالِ کت بر صری نیست کہ نیست
 تیرے چہرے کے پر تو سے ہر نظر روشن ہے تیرے دل کی خاک احسان کو نسی چشم پر نہیں ہے
 قاعدہ ہے کہ نفی کا نون نفی پر واقع ہو کر اثبات کے معنی دیتا ہے اسلئے نیست کو نیست کو معنی ہے جو ہے
 مطلب صاف ہے اور اس کا خطاب معشوق یا مرشد کی طرف سمجھنا چاہئے۔

ناظر روئی تو صاحب نظر اندولی سرگیسوی تو در میح سری نیست کہ نیست
 تیرے چہرے کے دیکھنے والے صاحب نظر تو ہیں لیکن کون سر ہے کہ جس میں تیرے گیسو کا خیال نہیں ہے
 صاحب نظروں سے مراد وہ اولیاءِ کامل ہیں جو دیدہ باطنی سے ہر شی من جمال باری تعالیٰ کا شاہد کر دیں
 یعنی ہر چند کہ تیری قلبی محبت اولیاءوں سے مخصوص ہے لیکن مخلوق میں کوئی ہی ایسا نہیں کہ جس میں عمومیت
 کے ساتھ جاری و ساری نہ ہو۔

اشک غامز من او سرخ بر آید چہ عجب خجل از کردہ خود پردہ دری نیست کہ نیست
 میرا چلنے والا اشک اگر خون کی سرخ ہو تو کیا عجب؟ کون پردہ دری جو اپنی کٹے ہوئی سے شرمندہ نہیں ہوتا
 یعنی اگر میرا اشک آنکھوں سے مثل خون سرخ نکلتا ہے تو کچھ تعجب نہیں اسلئے کہ یہ دل کا پردہ فاش کر دیا ہے
 اور ایسے پردہ کا فاش کرنا لازماً شرمندہ و پشیمان ہوتا ہے۔

کمر کین بھن بستہ چہ بندی کہ ز مہر بر میان دل و جانم کمری نیست کہ نیست
 تونہ کر کینہ کو بچ بستہ کہنے کیوں لہذا لہجہ کے میرے دل اور جان کی کمر پر جو ہے
 تابدا امن نہ نشیند ز نیست گروی سیل اشک از نظم سرگز نیست کہ نیست
 تاکہ تیرے دامن پر ہوا سے گرد نہ بنے سیل اشک میری نظر سے راہ گزین میں ہے
 یعنی یہ میری گریہ و زاری تیری راہ گز کو اس واسطے ترک کرنے کے لئے ہے تاکہ جب تو راہ میں گزرے تو ہوا سے گرد نہ بن کر
 تیرے دامن پر نہ بنے۔

تا دم از شام سز زلف تو ہر چا نرزد با صبا گفت و شنیدم سحری نیست کہ نیست
 تاکہ تیری زلف کی سیاہی میں ہر یک دم نہ مایں صبا کے ساتھ میری گفت و شنید سحر کو ہوتی ہے

طرف ہے اسیر میں۔ ہر شخص وہ مومن ہو یا کافر ہمیشہ یار ہو یا ست نیک ہو یا بد بادشاہ ہو یا خیر غرض کہ
اپنے اپنے خیال میں نہیب تیری طالب اور تیری ہی طرف کو رجوع کرنا واسطے ہیں یہاں تک کہ تیری ہر مخلوق
وہ جاندار ہو یا جانور درخت ہو یا پتھر پانی ہو یا ہوا تیری یاد سے غافل نہیں وہت من شقی ہا لا شمع یجوز
روئی تو مگر آئینہ لطف الہی است . حاکم چنیں بہت درین روی و نہایت
تیرا چہرہ مگر لطف الہی کا آئینہ ہے قسم خدا کی ایسا ہی ہے اور اس میں کوئی عیب و تشویش نہیں
زاہد و ہدم تو بہ زروی تو زری روی بخش ز خدا شرم و زروی تو حیاست
زاہد نے غم تیری ادوی تو بہ کرائی ہو کی عجیب عزت ہے نہ اس کو خدا سے شرم نہ تیرے روی کی حیا
اس میں تو بہ کرنا خواستے زاہد کی مٹی پلید کی گئی ہے یعنی اے دوست زاہد مجھے تیری صورت دیکھنے سے تو بہ
کراتا ہے۔ ذرا اس کی صورت تو دیکھ کہ کیا مقول ہے جس کو نہ تو خدا سے شرم آتی ہے اور نہ تیری ادوی
حیا کا خیال ہوتا ہے۔

نرگس طلبد شیوہ چشم تو ز ہی چشم مسکین خیرش از سر و دریدہ حیات
نرگس تیری آنکہ کا شیوہ طلب کرتی ہے کوئی عجیب ہے نہ اس کو بیچارہ کو تیری بید سے خبر ہے نہ آنکہ میں حیا ہے
یعنی تیری آنکہ تو عجیب آنکہ ہے مگر نرگس اس کا سا شیوہ اختیار کرنا چاہتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس
دیکھا کو تیرے بید کی کیا خبر کہ اس چشم میں کیا بید ہو ہو چو نکہ او ملکی آنکہوں میں حیا نہیں ہے شاید
اس وجہ سے وہ ایسی ناشائستہ حرکت کی مرکب ہوئی اگر غیرت دار ہوتی تو چلو بہر پانی میں ڈوب مرنے لے
از بہر خدا زلف میارای کہ مارا شب نیست کہ صد عیدہ با باد صباست
خدا کے لئے زلف کو مت سنوار کہ ہمارے لئے کوئی شب نہیں ہوتی کہ سو جنگری باد صبا پیش آتی ہو
ظاہری مطلب صاف ہی باطنی اعتبار زلف سے مراد عالم کثرت و تعین میں میاں سے اوکھا نہ سنوارنا باد صبا سے
دم زندگی یعنی اے محبوب حقیقی تو عالم کثرت تعینات کو ہمارے واسطے آراستہ فرما کیونکہ ہر شب باد صبا سے
(دم زندگی میں) ہو جنگر سے کرنے پڑتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہم گرفتار دنیا ہو ناہین چاہتے اور تفکرات دنیا ہو کہو مجبور
کرتی رہتی ہیں۔

باز آئی کہ بی روی تو ای شمع دل افروز در بزم حرفیان اثری نور وضیاست
ای شمع دل افروز لوٹ آگے تیری رخ روشن کے عاشقوں کی بزم میں ذرا ہی اثر و دشنی کا نہیں

نہ من دل شدہ از دست تو خونین جگر
از غم عشق تو پر خون جگری نیست
مین ہی دیگر تیری تازہ خونین جگر نہیں ہوا ہوں
کون سا جگر ہے کہ جو تیرے عشق سے پر خون نہیں
از سر کوئی تو رفتن تو انہم گامی
ورنہ اندر دل بدیل ہی نیست گریست
تیرے کوچے سے من ایک قدم ہی نہیں اٹک سکتا
ورنہ دل بدیل کے اندر کون سفر پر نہیں ہے
یعنی سر اول ہر سفر کو نیکو طیار سے یا اوسین بہت سے سفر میں مگر تیرے کوچے سے ایک قدم ہی سرکنے کا

ارادہ نہیں۔
تو خود ای شعلہ خشنودہ چہ داری دیر
کہ کیا بے حرکات جگری نیست
ای شعلہ خشنودہ تو خود اپنی خیال میں کیا کہتا ہے
کون سا جگر ہے کہ جو تیری حرکات میں کیا نہیں ہوا
اسے محبوب عالم جو کوئی جگر ہے وہ تیرے غمزہ و ناز کے شعلے سینہ کباب ہو رہا ہے نہیں معلوم کہ تو اس
سوختگی جگر اسے کیا مطلب رکھتا ہے۔

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد
وز در مجلس رندان خبری نیست
راز کا پردہ سے باہر لانا مصلحت نہیں
ورنہ کونسی خبر ہے کہ جو رندوں کی مجلس میں نہیں ہوجاتی
یعنی ہم رند لوگ جن سے عاشق مراد ہیں راز کا افشا کرنا مصلحت نہیں سمجھتے۔ ورنہ دہنوں جہان کا ہمد

ہم پر سنگش ہے۔
بجز این نکتہ کہ حافظ از تو ناخوشنود
در سراپائی وجودت ہنری نیست

معلوم اس نکتہ کے کہ حافظ تجھے ناخوش ہے
کونسا ہنر ہے کہ جو تیری سراپا کو جو دین نہیں

یعنی ای محبوب تیری ذات سر اسر تعریف باوصاف حمیدہ ہی اور کوئی ہنر کیا مال ایسا نہیں کہ جو تیری سراپا میں
موجود ہو البتہ حافظ تجھے خوش نہیں اسلئے کہ تو اس سے وفا نہیں کرتا۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ جو دین
سے جزیں قدر تو ان گفت و در مجال تو عیب ہے کہ خال ہر دو وفا نیست روی زیبا راہ حقیقی اعتبار کو کیا
کہنا سخت ہے ادلی ہے لیکن جو کہ عاشقان الہی مجذوب ہوئے ہیں اسلئے او کو کتنے میں ہرج نہیں۔

کس نیست کہ افتادہ ان زلف دوپٹا
وررہ گذری نیست کہ دائمی زبلا نیست

کوئی ایسا نہیں کہ جو تیری زلف دوپٹا کا اسیر نہ ہو
ایسی کوئی رہ گذر نہیں کہ جس میں بلا کا جال نہیں ہے

یعنی ای محبوب حقیقی ایک میں ہی تجھ پر عاشق نہیں ہوں بلکہ ہر دو عالم تیری زلف میں جسکا اشارہ جذبہ عشق کی

یعنی بیچارہ عاشق ملاست کے بیرون کو کیسے روک سکتا ہے کیونکہ یہ تو اس کی ازلی قسمت ہے اور کوئی کچھ ایسا نہیں کہ جسکے پاس مقدر کی ضرب روک سکے لے ڈال ہو۔

در صومعہ زراہد و از خلوت عابد جز گوشہ ابروی تو محراب دعا
عبادت خانہ میں زراہد کو خلوت میں عابد کو تیرے گوشہ ابرو کی سوا کوئی محراب دعا کی گنجین
خلاصہ یہ کہ زراہد عبادت خانہ میں عابد خلوت میں صوفی خانقاہ میں سب تیری ہی طرف کو متوجہ ہیں کیونکہ تیری محراب ابرو کے سوا اور کوئی جگہ دعا کی نہیں۔

ای چنگ و بربودہ بخون دل حافظ فکر مگر از عزت قرآن خدایت
ایک تو نے حافظ کے دل کے خون میں چنگل کر لیا شاید کہ تجھے قرآن خدا کی عزت کی فکر نہیں
یعنی ای شخص توجہ حافظ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کے دل کے خون میں ایسا چنگل ڈبوتے کو پیرتا ہے شاید تیرے دل میں قرآن پاک کی عزت نہیں اور نہ اس کا اندیشہ ہے کہ جو شخص قرآن حافظ ہو اس کا قتل گنہ عظیم ہے حافظ صاحب چونکہ قرآن حافظ تھے اسلئے یہ لفظ لائے ہیں۔ بعض نسخوں میں عزت کی بجائے غیرت ہے پس اگر اسکو غیرت پڑھیں تو یہ معنی ہوں گے کہ اگر قاتل تجھ کو قرآن پاک کی غیرت نہیں جھینے اللہ تعالیٰ نے فلولم کی مین قتل مؤمن متعجباً تجھ کو جہنم خالداً یعنی جسے مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

رواق منظر چشم من آشیانہ تست کرم نما و فرودا کہ خانہ خانہ تست
میری مرد مک چشم تیرا آشیانہ ہے کرم کر اور تشہیف لاکہ یہ گہر تیرا ہی گہر ہے
رواق منظر چشم یعنی آنکھ کی پتلی یعنی ای محبوب تیرے ملنے کی بگداہی ہی آنکھ کی پتلی ہے پس کرم فرما اور شوق تشہیف لاکہ یہ گہر تیرا ہی خانہ بے تکلف ہے اور اس میں سوائے تیرے کسی دوسری کی گنجائش نہیں۔

بلطف خال خط از عارفان ربودی ل لطیفہائی عجب زیر دام و دانہ تست
تو نے عارفوں کے دل کو خال و خط کی لطیف لیلیا تیرے دام و دانہ کی تیرے عجب عجب لطیف ہیں
خط سے دام اور خال سے دانہ مراد ہے۔ حقیقی صورت میں زلف اور خط و خال کا کتنا یہ مصنوعات کی طرف پابند ہے عشق و مشاہدات تجلیات کی جانب ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تو نے عاشق کے دل کو بذر نیوہ اپنی مصنوعات کے سے لیا۔ اور اسے اپنا آپ کو بذر زہرہ جہاز کے پردہ کے پوشیدہ کر لیا یہ تیری دام و دانہ کی تیرے عجب عجب لطیف ہیں

دی مشد و گفتم صنما عہد بجا آر گشتا غلط اینخواجہ درین عہد نیست
 کل جات وقت میں نے کہا کہ ای بار وعدہ وفا کر کہا کو اینخواجہ غلط یہ زمانہ ہی تو فنا کا نہیں
 کل جس وقت یا رہا نے لگا تو میں نے اس سے وعدہ وفا کرنے کو کہا یعنی یہ کہا کہ مدت جاتو نے تو بخار کا
 وعدہ کیا تھا مگر وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ اینخواجہ میں کیا کروں اس زمانہ میں وفا کہیں نہیں۔ نیست
 بیمار غریبان سبب ذکر جمیل ست جانان مگر اس قاعدہ در شہر شہامت
 غریبوں کی غم خواری ذکر جمیل کا سبب ہوتی ہے مگر ایساں تمہاری شہر میں یہ قاعدہ نہیں
 چون چشم نودل می برداز گوشہ نشینان و نہال تو بودن گداز جانب نیست
 جب تیری آنکھ گوشہ نشینوں کا دل لیجاتی ہے تو ترسے پیچھے پڑنا ہماری طرف کا گناہ نہیں ہے
 یعنی جب تیری آنکھ ہم گوشہ نشین لوگوں کا دل لئے جاتی ہے تو اس کو لینے کے لئے ترسے پیچھے دوڑنے میں
 ہمارا کیا گناہ ہے کیونکہ جو کوئی کچھ لے نہا گتا ہے تو اس سے چہین نئے کے لئے پیچھے دوڑا ہی کرتے ہیں۔
 گر پر مغان مرشد ماشد چہ تفاوت در پیچ سری نیست کہ سری از خدا نیست
 اگر پر مغان ہمارا مرشد ہوا تو کیا فرق ہے کوئی بھیہد ایسا نہیں جو نہ تو مرید و نہ عن سہنو
 مطلب یہ کہ اگر سچے زہد واقعی کو چھوڑ کر پر مغان سے بیعت کر لی تو اس میں کیا فرق ہے اسلئے کہ جو خیال ہو اسکی
 طرف سے ہے اور اوس کی طلب کے لئے ہے پر مغان کیا کچھ نہیں سکھاتا اور کوئی بہایت نہیں کرتا کہ جو
 زاہد ہی کرتا ہے۔

گفتن بر خورشید کہ من چشمہ نورم دانند بزرگان کہ سزاوار سہامت
 سورج کے مقابل میں کہنا کہ میں ہی چشمہ نور ہوں بزرگ لوگ جانتی ہیں کہ سہا کو زیبا نہیں
 یعنی سورج کے سامنے سہا کا بہ نہ عوی کرنا کہ میں ہی چشمہ نور ہوں اسلئے کہ کسی زیبا نہوگا اس بات کو چھلند
 اور بزرگ لوگ جانتی ہیں کہ اگر سہا ایسا کہے تو اسکی یہ حماقت ہوگی اسبطح اگر معشوقان مجازی اس
 محبوب کی برابری کا دعویٰ کریں تو بہت ہی بچا ہے یا اور معشوق میری معشوق کے سامنے ایسا کہیں تو ہی
 معیج نہیں

عاشق چہ کند گر نخورد سیر ملامت با پیچ دلاور سیر تیر قضا نیست
 عاشق کیا کرے اگر ملامت کے تیرے کہاے کیونکہ کسی بہادر کے پاس تیر قضا کی رکھ لے وہاں نہیں ہے

تو خود چہ یعنی ای شہسوار شیریں کار
کہ تو سنی جو فلک رام تازیانہ تست
ای شیریں کار شہسوار تو خود ہی کیا لبت ہے
کہ فلک سا تو سن ہی ترا سطح فرمان ہے
رام تازیانہ بمعنی سطح فرمان۔ جیسا کہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ باقی مطلب صاف ہی محتاج شرح نہیں۔ جیسا کہ آسمان
فرمان پر وار ہے وہ ہی اسکا مخاطب سمجھنا چاہئے۔

سرور مجلس است اکنون فلک قصاص درد
کہ شعر حافظ شیریں سخن ترانہ تست
تیری مجلس کا راگ اب آسمان کو قصص میں لایگا
اسلئے کہ حافظ شیریں سخن کے شعری ترانہ میں ہیں
مطلب صاف شرح کی ضرورت نہیں ہے۔

ساتھی بیا کہ یار ز رخ پردہ گرفت
کار خراغ خلوتیان باز در گرفت
ای ساتھی چل کہ یار نے رخ سے پردہ ہٹایا
گوشتہ نشینوں کے چراغ نے تازہ رونق پائی
یہ غزل قبضہ بید بسط کے حال میں لکھی گئی ہے کہ ای ساتھی تجلی رخ محبوب نے پہر ظہور فرمایا جس سے گوشتہ نشینوں
بزم چراغ کو تازہ رونق ہوئی پس اب تو ہی آ اور شراب معرفت پلا۔

آن شمع سرگرفتہ دگر چہرہ بر فروخت
وان پیر سا بخوردہ جوانی ز سر گرفت
اگر اوس سرگرفتہ شمع نے چہرہ روشن کیا
تو اس پیر کہ سن سال نے تو سر سے جوانی پائی
شمع بر گرفتہ کا اشارہ رخ یار کی طرف اور تجلی مشاہدات کی جانب ہے پیر سا خوردہ سے عشق مراد ہے یعنی
جب اوس یار نے اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا کر پہر ظہور فرمایا تو پیر کہ سن سال عشق ہی بھلا کس نہت منے
افسردہ اور نیم مردہ ہو رہا تھا از سر نو جوان ہو گیا۔

آن عشوہ داد عشق کہ مفتی ز رہ دست
وان لطف کرد دوست کہ دشمن گرفت
عشق نے وہ عشوہ دکھلایا کہ مفتی جی رہے ہو
دوست زدہ ہر بانی کی کہ دشمن نے پناہ مانگی
یعنی جب یار نے اپنا جمال نکال دیا تو عشق کے زور میں مفتی ہی فتویٰ دینا ہوں لگئے۔ اور جب دوست
ظہور فرمایا تو وہ دشمن منکر جم میر طعنہ زنی کیا کرتے تھے علیحدہ ہو گئے یعنی اوہوں نے بعض بعض سے پہر
اختیار کر لیا۔

ز بہار زین عبارت شیریں و نازب
گوئی کہ پستہ تو سخن در شکر گرفت
اس شیریں اور نازیب عبارت شیریں و نازیب
گوئی کہ پستہ تو سخن در شکر گرفت
گوئی کہ پستہ تو سخن در شکر گرفت

جو چین نہیں آتے۔

دلت بھل گئی بلبل چرخ شاد کہ در چین ہمہ گلبانگ عاشقانہ تست

ای بلبل تیرا دل گئی دھل چکے شاد ہو جو کہ چین ہر مین عاشقانہ آواز تیری ہی تو ہے
بلبل کو دھانیہ چین کہ ای بلبل تیرا دل گئی دھل چکے خوش ہو جو کہ تمام چین میں سوا تیری عاشقانہ آواز
اکہل کی گئے مین نہیں آتی۔ ضعیف محال ہے گل کا کتنا یہ معشوق حقیقی کی طرف اور بلبل سے مرشد کامل مراد ہے
یعنی ای مرشد کامل خدا کرے کہ تجھے معشوق حقیقی کا وصال ہو کہ اس چین دنیا میں عاشقانہ آواز تیری سوا
کسی اور کی نہیں سنی جاتی۔

علاج ضعف دل یا بلبت کُن کہ آن مفرح یا قوت در خزانہ تست

ہمارے ضعف قلب کا علاج ایو لب کو ادا کر کہ وہ مفرح یا قوتی تیرے خزانہ میں ہے
مفرح یا قوتی ایک قسم کی مقوی بخون کو کہتے ہیں جس کا جزو اعظم یا قوت ہوتا ہے۔ یہاں مقوی و مفرح قلب کا
کنایہ اسرار عشق کی طرف ہے۔ خزانہ سے مقصود سینہ شد جو معرفت کے نور سے سنور ہوتا ہے اور چونکہ اسکا
مخاطب مرشد ہوا لئے کہتے ہیں کہ ای مرشد کامل تو اپنے سینہ کے خزانہ سے مفرح یا قوتی یعنی قتال و معار
کی باتیں نکال کر سنا کہ دل کو رحمت حاصل ہو۔

بہ تن مقصوم از دولت ملازمت فانی خلاصہ جان خاک آستانہ تست

تیری ملازمت کی دولت بے پناہی تن کو قاصر ہو لیکن جان کا خلاصہ تیری دہلیز کی خاک ہے
جہ جای من کہ بلرز و سپر شہدہ باز ازین جیل کہ در انبانیہ بہانہ تست
میں کس میں ہوں مگر فلک شہدہ باز ہی تہرا باز ان جیلوں سے کہ جو تیری مکر و فریب میں ہیں
یعنی ای محمد ب تیری فریب اور بہانے اس قدر میں کہ جسے آسمان باوجود اس شہدہ بازی اور سنگری کے
تہراتا ہے تو ہر مین کہیں شہادۂ ملازمت میں ہوں جو ادنیٰ سے نہ تہراؤں۔

من آن نیم کہ دم نقد دل بہر خوشی در خزانہ بہر تو و نشانہ تست

میں وہ نہیں کہ ہر شے کو نقد دل بہر خوشی اس خزانہ کو مہر پیر تیری ہی مہر اور تیری نشانہ
یعنی اس خزانہ پر حسین نقد دل کہنا ہی تیرے ہی نام کی مہر لگی ہے پس میں وہ نہیں ہوں کہ سوا تیری
اور میں نے ہر شے کو نقد دل دیدیا کروں۔

یہ قول علیہ السلام پھر فرزندِ میکیا اچھی بات کہی تھی کہ فراق کا حال حیلہ تقریر و تحریر سے باہر ہے دل پر وہ صدمہ گذرتا ہے کہ جسکو بیان نہیں کر سکتے۔ اگر پر کنگان سے عاشق اور یار سے معشوق مراد ہیں

تب پہلے ہی مطلب ہو گا۔

حدیثِ ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر
کنایتی ست کہ از روزگار حیران گفت
شہر کے واعظ نے ہول قیامت کی شاگب سنائی
(بلکہ) حیر کی حالت کی طرف ایک اشارہ کیا ہے
نشان یار سفر کردہ اتار کہ پرسم باز
کہ ہر چہ گفت پرید صبا پر نشان گفت
یا سفر کردہ کا نشان پر کس سے پوچھوں کہ
فغان کہ آن مہ نامہربان دشمن دوست
جو کچھ صبا علیحدہ شدہ نے بیان کیا ہے وہی شکایت
فریاد کہ اوس مہ نامہربان دشمن دوست بنے
غم کہن بھی سا کوزہ دفع کنید
بشرک صحبت یاران خود چہ آسان گفت
پُرانے غم کو دیرینہ شراب سے دور کیا کرو
لفظ دہقان باعتبار سچ بونیوالے کے لائی میں ہے

یعنی مرشد نے فرمایا کہ اپنی پُرانے غم کو پُرانی ہی شراب سے دور کرتے رہا کرو کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ خوشدلی کا تخم نہیں سہ یا اس سے خوشدلی پیدا ہوتی ہے۔

مہی مقام رضا بعد ازین و شکر قیاب
کہ دل بدرد تو خورد و ترک درمان گفت
میں اور مقام رضا اسکے بعد رقیب کا شکریہ
کہ دل کو تیرے درد کی عادت ہوئی علاج چھوڑ گیا

یعنی اب رقیب کی شکایت کی ضرورت نہیں بلکہ شکر کا موقع ہے اس واسطے کہ دل کو قیاب کی وجہ سے دردِ غم اوٹھانے کی عادت ہو گئی اور میں نے اس کا علاج چھوڑ دیا یا رقیب نے گو کسی دوسری غم سے علاج کرنے کو منع کیا مگر چونکہ مجھے رنج و غم کی عادت ہو گئی ہے لہذا میں اس کے مشورہ کا شکر یہ ادا کرتا ہوں گا
گرہ بباد مزین کوجہ ہر مراد و زرد
کہ ازین سخن بمثل باد بیا سلیمان گفت
ہو امین گرا نہ لگا اگرچہ حسب مراد چلے
کہ یہ بات بطور مثال کہے ہو انی حضرت سلیمانؑ کی کہ

ہو امین گرہ لگانا دنیا پر اعتبار نہ کرنا۔ گرہ بباد مزین یعنی دنیا پر اعتبار نہ کرنا چاہیے کہ وہ بالکل تری ہے۔ بات خود ہوائے بطور مثال کہے حضرت سلیمانؑ علیہ السلام سے کہی ہے

مطلب یہ کہ میں تیری اس شیریں اور دلفریب عبارت سے پناہ چاہتا ہوں کہ جسکی وجہ سے پستہ نے جو ایک حقیر ہوئے ہے شکر سے مقابلہ کی لڑائی کی گویا تیری باتیں بہت ہی شیریں اور دلفریب ہیں چونکہ معشوق کے دہن کو پستہ سے تشبیہ دیتی ہیں اسلئے پستہ دہن کے واسطے لائے ہیں۔

بارغمی کہ خاطر ماخستہ کردہ بود عیسیٰ دمی خدا بفرستاد و برگرفت
غم کے بوجہ نے کہ ہمارے دل کو زخمی کیا تھا خدا نے عیسیٰ آدم کو بھیجا اور اس سے نجات دلوائی
یعنی اوس یار کے غم بھرنے جو ہمارے دل کو زخمی کر دیا تھا خدا نے ہر آدمی کی جاکہ بھیجا جان بچائی یعنی غم کو خوشی سے تبدیل کر دیا۔

ہر سرود قد کہ بر مہ و خورشید من فروخت چون تو در آمدی بی کار گرفت
جو سرود قد کہ چاند سورج پر حسن و خجست کرنا تھا جب تو آیا تو اوسے دوسرا کام اختیار کر لیا
جو معشوق مجازی کہ خوبصورتی میں چاند و سورج سے باتیں کرتے تھے یعنی مدد خورشید و قمر پر حقوق رکھتی تھی جب تیرا ظہور ہوا تو اونہوں نے اس مدد خوشی کو چھوڑ کر دوسرا کام اختیار کر لے۔

زین قصہ ہفت گنبد افلاک پر صدا کو تہ نظربین کہ سخن مختصر گرفت
اس قصہ کی آواز سے ساتوں گنبد آسمان کہہ رہے ہیں ہماری کو تہ نظری کہ بات کو مختصر کر دیا ہے
یعنی قصہ عشق وہ قصہ طویل ہے کہ جس سے ساتوں آسمانوں کے گنبد گونج رہے ہیں مگر ہماری کوتاہ نظری یا کوتاہ سخن دیکھنا چاہئے کہ ہم اسکو مختصر کر رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہم اپنی کوتاہ سخن سے اس قصہ عشق کا حال مختصر کر دیتے ہیں اور نہ یہ بہت طویل ہے۔

حافظ تو این دعا کہ اموی کہ یار تعویذ کر و شعر ترا و نبر گرفت
حافظ تو نے یہ دعا کہس سے یہ کہی کہ یار نے تیرے اشعار کا تعویذ بنایا اور اوسکو سونے میں لپیٹا
یعنی اسے حافظ تو نے دعا کی قبولیت کے لئے مانگنے کا ڈھنگ کہاں سے اڑایا کہ تیرے کلام کو یار تعویذ بنا کر سونے میں رکھا۔ یعنی تیرا کلام مقبول الہی ہو گیا۔

شہیدہ ام سخن خوش کہ میر کنگان گفت فراق یار نہ آن میکند کہ بتوان گفت
سنا میں نے کیا اچھی بات میر کنگان نے کہی فراق یار وہ نہیں کرتا کہ بیان کیا جاسکے
میر کنگان سے حضرت یعقوب علیہ السلام اور یار سے ابو نکر و نزد حضرت یوسف علیہ السلام مراد ہیں یعنی

سوا دلوح ہمیش را غریز از بہر آن دارم کہ جائز النسخہ باشد ز نقش خال ہندو
 لوح ہمیش کی چاہی کوین اس غرض سے غریز کہتا ہے کہ تیرے خال ہندو کے نقش سے جان کا نسخہ بنا کہ
 یہ اشعار نہ تو مشکل الفہم ہی ہیں اور نہ انہیں لغات میں اس لئے ہم انکی شرح محمد اچھوتے جاتی ہیں
 اور صرف اردو ترجمہ نہ لکھا کرتے ہیں۔

تو گر خواہی کہ جاویدا بجان یکسیر سیرا صبارا گو کہ بردار ز مانی برفع از روست
 تو اگر چاہتا ہے کہ ہمیشہ جہان کو سنوار تار سے تو صبارا کو حکم دے کہ وہ تیرے دیر کر کے موندے اور برفع آوے
 و گر رسم فنا خواہی کہ از عالم براندازی بیشتان زلف تاریزد ہزاران جان سرخ
 اور اگر تو چاہتا ہے کہ فنا کی رسم کو عالم سے اڑا دے تو زلف کو جہاز تار کے ہزاروں جانیں تیرے سر پر مال کرے
 یعنی اگر محبوب حقیقی اگر تو چاہتا ہے کہ اس دنیا سے فنا کی رسم جاتی ہے تو تو اپنی زلف کو جہاز تار کے ہزاروں جانیں تیرے سر پر مال کرے
 ہزاروں ہزار اگر فنا میں کل ٹپیں اور رستی کے رواج پر وہ دنیا سے اڑا دے۔

من و باد صبا مسکین و سرگردان بی حال من از افسون چشمیت مرثیہ از بوی گیت
 میں اور غریب صبا دونوں سرگردان اور بی حال ہیں میں تیری چشم کے بھری سست ہو اودہ تیرے گیسو کی خوشبو
 من از لطف صبا دارم سپاس نگہت جانا و گر نہ کی گزیرودی بحر کا ان ازین شہوت
 میں لطف صبا کی نگہت جانا کا سپاس گزیروں و گر نہ تیرے صبح کی وقت اس طرف کو گزرے کب ہوا
 یعنی اوجہ ان تیری نگہت جسکا میں شکر گزار ہوں صبا کی عنایت سے صبح کو میری پاس پہنچتی ہے ورنہ تو کب میری پاس
 پہنچ کر گزرا کہ تیری نگہت میری پاس پہنچا تو سب دیکر سے پہنچتی ہو۔

سوا و دیدہ ہر وقتی بجز دل ہمیدرم عزیم دارم این سہیاد خال ہندو
 جو وقت کہ آنکھوں کی سیاہی خون دل کو ساتھ دیکھتا ہوں عزیمت میں اسوی تیری خال ہندو کی اوسوی بہت عزیز تھا ہوں
 نرہی ہمت کہ حافظ رست از دنیا و از مہی نیاید ریح در شمع بحر خاک سرکویت
 نرہی ہمت کہ حافظ دنیا و مہی کو جھکڑی دھوٹ گیا سوا نرہی تیرے کوچہ کی خاک کی کوئی چیز سیاہی نظر میں نہ آتی
 خلاصہ یہ کہ سوا اے تیری کوچہ کی خاک کے کوئی چیز حافظ کی نظروں میں نہیں آتی پس وہ دنیا و آخرت کے
 تمام جگروں سے چھوٹ گیا۔

جو بالکل سچ ہے خلاصہ یہ کہ دنیا پر مغرور ہونا اور اسکی ہوس نکرنا چاہئے دیکھ تو سہی کہ باد جود اس
 عظمت و شوکت کے حضرت سلیمان کیا ہو وادوہ تمام سامان سلطنت و مملکت کے کہاں چلے گئے۔
 مرن بخون و چرا دم کہ بندہ مقبل قبول کرد سخن ہر سخن کہ جانان گفت
 چون و چرا میں دم نہ مار کہ مقبول بندہ نے برہہ بات قبول کرنی کہ جود دوست فی کبی
 خلاصہ یہ کہ بندہ مقبول وہ ہی ہے کہ جو راضی برضائے خدا و جود حقیقی کی کجاوری اطاعت میں دم نہ مار سکے۔
 بعشوہ کہ سہرت و ہذرا را ہ مرو ترا کہ گفت کہ این زال ترک و شان گفت
 جو کہ فریب کہ آسان تھے و ذراہ سوت ہلک تجھے کہنے کہدیا کہ یہ بوڑھی ترک دستاں کہا
 یعنی ہر فریب کہ جو آسان تھے دی او سکی وجہ سے راہ راست کو نہ چوڑا اور مغرور ہو تجھے کہنے کہا کہ اس زال
 ترک و شان نے فریب کیا اور آخر الامر اپنی دام فریب میں نہ پھانسا۔

بیاد بادہ بخور زانکہ پیر مسیکہ دوش بسی حدیث غفور و رحیم رحمان گفت
 شراب لا اور پی اسلج کہ کل پیر مسیکہ نے بہت سی باتیں غفور اور رحیم رحیم کی کہیں
 پیر مسیکہ سے مراد پیر و مرشد یعنی ای مخاطب خوب دل قبول کر شراب پی یعنی شہبازی کر کیونکہ کل پیر و مرشد
 خدا کی یہ صفتیں کہ وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا رحمن ہے بیان فرمائی تھیں پس جب ایسا بخشنے والا اور عاف
 کرنے والا قادر مطلق ہو تو ہم شراب جس سے مراد وہ ہی شراب مجاہد کیوں نہ تھیں۔
 کہ گفت حافظ از اندیشہ تو آمد باز چہ این نگفتہ ام آنکس گفت بہتان گفت
 کہنے کہا کہ حافظ تیری فکر سے باز آگیا میں نے یہ نہیں کہا جس نے کہا او سنی جھوٹ کہا
 یعنی ای محبوب تجھے کہنے کہدیا کہ حافظ نے تیرا عشق چوڑ دیا واللہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا جس کو سنی
 تجھے یہ بیان کیا ہے او سنی مجھ پر تمہیں لگائی ہے۔

مد اہم مست میدار دیشم جعد کیسوت خرابم میکنم دردم فریب چشم جادو
 تیرے جعد کیسوی نسیم مجھے ہمیشہ مست رکھتی ہو تیری چشم جادو کا فریب ہر دم خراب کرتا ہو
 خراب یعنی مست اور حقیقی صورت میں فریب کا کتنا یہ ظہور و خفا کی جانب ہے باقی مطلب صاف۔
 پس از چندین شکلیای شبی یار تو اجداد کہ شمع دیدہ افروزیم در محراب ابرویت
 اہر ب نہوی شکلیای سہ کوئی رات تو دیکھنا لازم ہو کہ تیری محراب ابرو میں تھنے آنکھوں کی شمع روشن کی

جو بندہ یا بندہ کسی محنت، امکان نہیں جاتی جو تجھے ڈھونڈے گا تو آخر کار او سول ہی جائیگا۔

ازروان بخششی عیسیٰ از غم پیش تو ہم
 عیسیٰ کی جان بخششی کا تیری سامنے دم نہ ہو گیا
 منکہ ازالش سودائی تو اہی از غم
 میں تیری آتش عشق میں آہ نکروں
 روز اول کہ سبز لعل تو دیدم گفتم
 روز اول ہی میں جب میں تیری زلف کو دیکھا تھا کیا
 کی تو ان گفت کہ برداغ و لم صابر شد
 کب کہا جا سکتا ہے کہ میری برداغ صابر ہو
 کہ پریشانی امین سلسلہ را آخر نیست
 کہ اس سلسلہ کی پریشانی کا سر نہیں ہے

روز اول یعنی روز ازل یا روز ابتداء عشق۔ سبز لعل سے مراد ہے عشق مراد ہے یعنی میں نے
 جس روز کہ تیرا جذبہ عشق معلوم کر لیا اسی روز کہ آتا ہے اسکی سلسلہ دار پریشانی ختم ہوگی یعنی خواہاں
 اور بلیات عشق کی کہی انتہا نہیں ہو کر گئی۔

سر ہونڈ تو تہناہ دل حافظ راست
 تجھیں لجا نیکا خیال صرف حافظ کو دلو ہی نہیں
 کیست آنکس ہونڈ تو در خاطر نیست
 وہ کون شخص کہ جو تجھے ہونڈ ہونیکا خیال نہیں

یعنی میں ہی تہنا ترے عشق میں گرتا ہوں تو تجھے ہونڈ ہونا نہیں چاہتا ہوں بلکہ کون ایسا ہے جو ایسی
 آرزو نہیں رکھتا۔

بی مہرخت روز مرا نور نما ندہ است
 تیرے رخ کو سورج بغیر کسی اور میری لہو روشنی نہیں ہے
 وز غم مرا جز شب بچو ر نما ندہ است
 دور از رخ تو چشم مرا نور نما ندہ است
 تیری چہرہ سے درد ہوں کہ میری آنکھیں نور ہو گئیں

یعنی تیری رخصت کے وقت جو گریہ و زاری کہ میں نے کی۔ اس سے میری آنکھوں میں روشنی نہ رہی پس
 وہ آنکھیں جنہیں نور نما ہو تیرے چہرے سے علیحدہ ہی اچھی ہیں۔

من بعد چہ بود از قدمی رنجہ کند دو
 میری بعد اگر دوست قدم رنجہ فرمائی کیا فائدہ
 از جان معنی در تن باخو ر نما ندہ است
 کہ جان سے ایک معنی ہی تن لاغریں نہیں رہے
 بلکہ سید جانم تو بیا کہ زندہ مانم پس از انکہ من ناخیم بچو کار خواہی آمد۔

مردم دیدہ ماجز بخت ناظر نیست دل گزشتہ ماغیر تراؤا اگر نیست

میری اکہ کی پتی تر مرغ کے سوا اور کی کہنہ والی ہیں دلی گزشتہ بجز تیری دوسری کا ذکر نہ ہوا لایں

اشک حرام طواف حرمت می بند گریہ از خون دل لاش می طابہریت

میری اشک تیری حرم کے طواف کیلئے احرام باندہ تیری اگرچہ دل تیری خون کی کسی وقت پاک نہیں ہوتی

قاعدہ ہے کہ طواف کعبہ کا احرام پاک ہو کر باندہ تہے میں۔ لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ اسے محبوب حقیقی میرے آنسو تیرے حرم کے طواف کرنے کے لئے احرام باندہ تہے میں باوجودیکہ وہ کسی وقت دل کے خون سے پاک وہ صاف نہیں رہتے۔ علاوہ اسکے چونکہ عربی میں خون کو دم کہتے ہیں اسلئے اس شعر میں خون اور دم کے الفاظ بھی رعایتی ہیں۔

لیستہ دامن قفس باد چومرغی وحشی طائرہ سدرہ اگر در طلبت سائریت

مرغ وحشی کی طرح قفس کے جال میں بند ہے جا طائرہ سدرہ بھی اگر تیری طلب میں نہ ہوا لایں

طائرہ سدرہ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ یعنی اگر جبرئیل علیہ السلام ہی تیری طالب نہوں تو ادھو سی وحشی طائر کی طرح قفس میں اسیر ہو جانا چاہئے۔

عاشق مفلک اگر قلب لاش کرد شمار کنش عیب کہ بر نقد روان قادریت

مفلک عاشق نے اگر اپنے نقد دل کو شمار کیا تو اس پر عیب لگا اسلئے کہ وہ سکے عمر دینی پر قادر نہیں

یعنی اگر مفلک عاشق کے پاس سکے چہرہ شاہی معشوق پر قربان کرنے کو ہوں اور وہ اپنی دل کا کہو طافندی شمار کری تو اس کو شرم مت دلا اسلئے کہ جو کچھ اس کے پاس تھا وہ اسے سنے موجود کر دیا اور جو چیز اس کے قبضہ اقتدار سے باہر ہو وہ کہاں سے لائے۔ خلاصہ یہ کہ عشق الہی اور اطاعت خداوندی ہر شخص اپنی استعداد اور اقتدار کی موافق کرتا ہے پس حقیر عاشق یا ضعیف پرستش کنندہ کو حقارت کی دیکھنا نہیں چاہئے اس کی ذات مستغنی ہو وہ توڑے کو بہت اور بہت کو توڑا کر دیتا ہے۔ بہت سی نذر گزشتہ والے اوس بارگاہ عظیم میں اکثر نہیں پہنکنے پاتے اور حقیر شیکش لیا لیا نوالے بس اوقات مقبول ہو گئے ہیں۔

عاقبت دست بران سر بلند شمس ہر کر اور طلبت نہمت اوقاص صریت

آخر کار اوس سر بلند تک پہنچنے کا اوسکا ماتہ جسکی ہمت تیری طلب میں قائم رہی

یعنی میری آنکھوں کی پتلیاں جو ہمیشہ خونِ ناب جگر میں غرقاب رہتی ہیں اوسکی وجہ یہ ہے کہ اوسکی
محبت کا چشمہ ہمارے سینہ میں موج زن ہے۔

آبِ حیوانِ قطره از لعلِ محو شکرش۔ **قصہ عکسِ روی آن مہ تاملت ما**

آبِ حیات اوسکو لبِ شکرستان کا رنگِ قطرہ ہے۔ آفتاب کا گہیرا اوسکی روشنی تابان کا ایک عکس ہے۔

تا نخت فیہ من روحی شنیدم شقیں۔ **میر من این معنی کہ ما زان دم فی زان ما**

جس وقت میں نے نخت فیہ من روحی کو سنا کہ مجھے اس معنی کا یقین ہو گیا کہ ہم اوس سے ہیں وہ خود

اللہ تعالیٰ نے نخت فیہ من روحی کا اشارہ انسان کی طرف کو فرمایا کہ میں نے اوس میں اپنی

روح پہونکی ہے لہذا خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب سے نخت فیہ من روحی کو سناں کو

اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہم اوس سے ہیں اور وہ مجھ سے ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم اور وہ دو نہیں۔ بلکہ ایک ہی

ہیں۔ اور جو فیاضِ کرام کلہی مذہب ہے کہ وہی ایک چیز یعنی خدا عالم کفرت اور تعدد میں اپنی بیست شمار

صورتوں کے ساتھ ظاہر ہوا ہے چونکہ خدا فانی نہیں اسلئے نخت فیہ من روحی کے اعتبار سے روح ہی

فانی نہیں وہ اپنی ہوسلی اصل میں لمباتی ہے جہاں سے جدا ہوئی تھی۔

ہر دلی را اطلاع نیست بر اسرارِ غیب۔ **محرم این سر معنی دار علوی جان ما**

ہر دل کو غیب کے بید پر اطلاع نہیں۔ اس بید معنی دار علوی سے ہماری جان واقف

چند گوئی ای مذکر شرح و خیال پوشش یافتہ۔ **دین ما در ہر دو عالم صحبت جانان ما**

ای مذکر کریمو الدین کی شرح کب تک کو جائیگا کہ دو دن جہاں میں ہمارا دین اپنی بار کی صحبت ہے۔

یعنی ای دو اعظا دین دین پکارنے والے اور دین کی شرح بیان کریمو الے چپ ہو جا اسلئے کہ یہاں او

وہاں صرف دوست کی صحبت میں رہنا ہی ہمارا مذہب ہے۔

حافظا تا روز آخر شکر اس نعمت گزار۔ **کان صبح از روز اول داروی درمان ما**

ای حافظہ مرتے دم تک اس نعمت کا شکر ادا کرتا جا۔ کہ وہ محبوب روز اول ہی سے ہمارے درد کی دوا ہے۔

ای حافظہ چونکہ محبوب حقیقی روز اول سے ہی تیرے اوپر نظرِ لطف و عنایت مبذول کرتا اور تیری ہر ادا کو

بر لاتا رہا ہے پس تو ہی اوسکی نعمت کا مرتے وقت تک شکر ادا کئے جا۔ **مصرع**

شکر نعمت مائی تو چند را کہ نعمت مائی تو۔

میرفت و خیال تو ز چشم من و میگفت
تیرا خیال میری آنکھ سے گیا اور کہتا گیا
نزدیک شد آندہم کہ رقیبان تو گویند
وہ وقت قریب ہے کہ رقیب تجھے کہیں
خلاصہ یہ کہ وقت موت کا اتنے قریب ہو چکا گیا ہے کہ دربان تجھے کہیں گے کہ اب میری دربارگاہ
عالی بر عاشق بیمار خستہ نہیں رہا یعنی ہجر کے صدموں سے رحلت کر گیا۔

وصل تو اجل از سرم دور زمین و آسمان
تیرا وصل موت کو میری پاس سے دور کہتا تھا
صبرست مرا چارہ ز ہجران تو لیکن
تیرے ہجر کا علاج میری لئے صبر تو ہی ولیکن
در ہجر تو گر چشم مرا آب نماند
اگر تیری جدائی سے میری آنکھ میں پانی نہیں رہا
یعنی اسے محبوب اگر ترے عشق میں گریہ و زاری کے سبب میری آنکھیں خشک نہ ہو گئیں اور لو نہیں آنسو نہ
پتہ نہیں رہا تو اس غم کو قبول نہ کر کہہ دے کہ اگر آنکھوں میں پانی نہیں رہا تو عاشق آنکھوں سے خون دل
کھرانے کے لئے مجبور نہیں ہے اور سکو چاہئے کہ بجائے آنسو دن کے خون دے۔

حافظ ز غم از گریہ پرواخت بخندہ
خافظ غم و گریہ کی وجہ سے ہنسنے کی طرف متوجہ ہوا
خلاصہ یہ کہ حافظ نے بسبب غم و زاری کے کبھی ہنسنے سے غرض نہ کی اس لئے کہ جو شخص ماتم زدہ ہو
اویسے ادعاے خوشی و خرمی سے کیا کام۔

مدتی شد کالتش سودائی او در جان ما
تیرا ہمت ہوئی کہ اس کو عشق کی آگ ہماری جان میں ہی
مردم چشم بجان ناب جگر غرقند از ان
میری آنکھوں کی پلکیاں خون ناب جگر میں اسلغ غرق ہیں
وین تمنا میں کہ احم ذر دل و زبان ما
اس آرزو کہ مجھ کو ہمیشہ ہمارے دل و زبان میں رہتی ہے
چشمہ مہر خوش در سینہ نالان ما
کہ اس کے چہرہ کی محبت کا چشمہ ہماری سینہ نالان میں

اس غرض سے کہ مجھے اس درے خاص نیاز حاصل ہے۔ **ست** **ست**
 چہا ہمہ در جوئل و خوش بند ز مستی **ست** **ست**
 تمام شکے مستی سے جوش و خوش میں ہیں اور وہ شراب کے جو اس جگہ ہر حقیقت کی نہ مجاز
 خون سے طالبان حقیقت اور می سے فی عشق مراد ہے در انجا کا اشارہ آستانہ مرشد کی طرف
 یعنی وہ شراب کہ جو ہمارے مرشد کے پاس ہے وہ حقیقی ہے مجازی نہیں اور اوس میں اشارہ ہے کہ
 طالب لوگ جوش و خوش سے مست اور نشہ میں متوالے ہو رہے ہیں۔
 از وی ہمہ مستی و غرور ست و تکبر **ست** **ست**
 اوس سے مستی اور غرور تکبر سے زد ہوتا ہے اور مجھے لاچارگی اور مجبور نیاز مندی کرنی پڑتی ہے
 مستی و غرور تکبر سے استغناء محبوب مراد ہے اور مطلب یہ کہ محبوب کا کام استغنا کرنا اور محبت کا
 کام عاجزی اور نیاز مندی سے پیش آنا ہوتا ہے۔

شرح شکن زلف خم اندر خم جانان **ست** **ست**
 جانان کی زلف پیچ در پیچ کی شکن کا بیان **ست** **ست**
 زلف کا پیچ در پیچ جس سے جذبہ عشق مراد ہے اور عشق کا قصہ ایسا طویل طویل ہے کہ جسکو
 کسی طرح مختصر کر کے بیان نہیں کر سکتے۔

باول مجنون و خم طرہ ایلی **ست** **ست**
 طرہ ایلی کی خم کا بوجہ مجنون کے دل پر ہے **ست** **ست**
 برد و خستہ ام ویدہ چو یاز از ہر عالم **ست** **ست**
 میں نے باز کی طرح آنکھوں کو تمام عالم کی سی لپاڑی **ست** **ست**
 قاعدہ ہے کہ باز کی آنکھیں شکاری لوگ کسی دیتی میں لپٹا لھا فظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے
 اپنی آنکھیں تمام عالم کے دیکھنے کی سی لپٹیں میں یعنی دنیا میں کسی کو نہیں دیکھوں گا جسوقت کہ میری
 آنکھوں کو تیری رخ زیباکا دیدار میرے ہو گا اوسوقت کہ ہوں گا۔

رازیکہ بر خلق نفیتم و نہ گفتیم **ست** **ست**
 جو راز کہ ہم خلق سے چھپا دینے اور نہ کہیں **ست** **ست**
 بادوست بلویم کہ او محرم راز **ست** **ست**
 دوست کی کہدیتی ہیں کہ وہ محرم راز ہے **ست** **ست**

امروز شاہِ انجمنِ دلیبران کیست دلبر اگر ہزار بود دلبران کیست
 آج کے روز دلبروں کی انجمن کا شاہ ایک ہے دلبر اگر ہزار ہوں مگر جو دل لیکھا وہ ایک ہی ہے
 یعنی دلبروں کی انجمن کا بادشاہ صرف وہ ہی ہے جو تیرا محبوب ہے دنیا میں دلبر لاکھ ہی مگر جو میرا دل
 لے گیا وہ صرف ایک ہی شخص ہے اس شعر میں دلبروں کا اشارہ حضور سرور کائنات کی طرف
 سمجھنا چاہئے۔

من بہر آن کی دل و دینِ ادہم بہا عیسم بکن کہ حاصل سر و جہان کیست
 میں نے اس ایک کی واسطے دل و دین برباد کر دیا ہے مجھے عیب نہ لگاؤ کہ حاصل دونوں جہان کا ایک ہی ہے
 سودا ئیانِ عالم پندار را بگوئی سرمایہ کم کنند کہ سود و زیان کیست
 عالم پندار کے سودا ئیوں سے کہہ دو سرمایہ کم کر دین کہ نفع نقصان ایک ہی ہے
 یعنی عالم مغرور کے عاشقوں سے کہہ دو کہ وہ سرمایہ دنیا کم کر دین اس لئے کہ اس کا نفع نقصان سب برابر ہے
 خلاصہ یہ کہ ظاہری دولت و ثروت عجبی من کام نہیں آتی۔

خلقی زبان بدعوی عشقش کشادہ اند ای من غلام آنکہ دلش بازبان کیست
 ایک خلق نے اوس کے عشق کے دعویٰ میں زبان گھول لی ای مخاطب میں اوس کا غلام ہوں کہ جس کا زبان دل لگتا ہے
 یعنی اوس کے عشق کا دعویٰ تو ہر کس کو ناکس کرنے لگتا ہے مگر اسے مخاطب میں اوس کا غلام ہوں کہ جس کا
 دل اور زبان ایک ہے یعنی جیسا کہ وہ زبان سے کہتا ہے ایسا ہی دل سے عاشق الہی ہی ہے
 یا یہ کہ میرا مرشد جس کا میں مرید ہوں اوس کی دل و زبان ایک ہے۔

حافظ بر آستانہ دولت نہادہ سر دولت دران ہرست کہ با آستان کیست
 حافظ نے آستانہ دولت پر سر رکھا ہے دولت اوی سر میں ہے جو ایک آستانہ پر ہو
 مطلب یہ کہ حافظ نے جس آستانہ پر سر رکھا ہے اوس سے عالی کوئی آستان نہیں ہے پس جو کچھ دولت
 وقت سے وہ حافظ کے ہی سر میں ہے۔

المنۃ لہ کہ در میکہہ بازست ز انزو کہ مرا بردار و روی نیازست
 شکر خدا کہ میخانہ کا دروازہ کھل رہا ہے اس واسطے کہ مجھ کو اوس در پر روی نیاز حاصل ہے
 میکہہ ہے مقام عشق و محبت۔ یعنی خدا کا شکر کہ میرے لیے عشق و محبت کا دروازہ کھل رہا ہے اور یہ صرف

ایک ہی سی ہن اور وہ سب جگہ تیری غی سائے مرتا۔
 کنون کہ نمیدد از بوستان نسیم بہشت من شراب فرج بخش یارِ حور بہشت
 اب کہ باغ سے نسیم بہشت چل دی ہے مین ہون اور شراب فرج بخش یارِ حور بہشت
 بوستان سے مراد وجود سالک نسیم بہشت سے الفاس مقصود مین جو باغ وجود سے آتی رہتی مین
 اور یا لعلی نسیم مین شرابِ معشوق و محبت اور یارِ حور بہشت کی عبارت مرشد کامل کی یعنی قلب کی حالت جہاں مین ہون
 اور وقت تک عشق و محبت اور مرشد کامل کی نہیں جوڑو نکا اور زندگی بہرِ نیرِ انقلب ایسے بہرِ گاہ۔

چمن حکایت اردی بہشت میگوید نہ عاقل نہیں کہ نسیم خرید و نقد بہشت
 باغِ اردی بہشت کی باتیں کہتا ہے وہ عاقل نہیں کہ نقد کو چھوڑ کر اودھار کرے

اردی بہشت اوس فارسی مہینہ کا نام ہے جو موسم بہار مین واقع ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ کہ باغ موسم
 بہار کی باتیں کہتا اور یہ کہتا ہے وہ بیوقوف ہے کہ جو نقد کو چھوڑ کر اودھار کی امید کرے۔

بھی عمارت دل کن کہ این جہان خراب دران نہرست کہ از خاک بسازد خشت
 دل کی عمارت کو شراب کی تعمیر کر کہ یہ جہان خراب اس خیال مین ہے کہ ہماری خاک سے اینٹیں بنائیں

خلاصہ یہ کہ یہ جہان خراب اس خیال مین ہے کہ ہمیں برباد کر کے ہماری خاک سے اینٹیں بنائی پس
 ای مخاطب تو اپنی عمارت دل کو عشقِ الہی سے تعمیر کرتا کہ بقا باللہ ہو جائے اور یہ زمانہ بھگو نیست و نابود
 نہ کر سکے کیونکہ عشقِ الہی مین فنا ہو نیو الا خدا کے ساتھ باقی ہو کر زمانہ کی دست برد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔
 تعمیر کی رعایت سے اینٹ کا لفظ لائے مین۔

وفا مجوی ز دشمن کہ پر تو می ندد چو شمع صومعہ افروزی از چراغِ کشت

دشمن سے وفاء نہ ہونڈ کہ روشنی نہیں دیگا جو تو عبادتِ خانہ کی شمع بتخانہ کی چراغ کی روشنی کرے
 یعنی اگر تو کشت مین پرستش کر کے اوس سے اپنے عبادتِ خانہ کی عبادت کا نتیجہ نکالنا چاہے تو یہ نہیں
 ہو سکتا۔ وہ دشمن ہے اور دشمن سے وفا کی امید نہیں رکھنا چاہیے۔ فائدہ۔ گو صومعہ نصاریٰ کو مسجد کہ
 کو کہتے مین مگر بیان ویر کے مقابلہ مین خانقاہ کے معنی دے رہا ہے۔

مکن بنامہ سیاہی طامت من مست کہ الہ بہت کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت
 مجتہد کا نام سیاہی طامت سے نہ لکھ کون جانتا ہے کہ یو کی پیشانی پر تقدیر نے کیا لکھا

در کعبہ کوئی تو ہر آن کس کہ در آید از قبلہ ابروی تو در عین نماز بست
 تیرے کچے کے کعبہ میں جو شخص کہ آجاوے تیرے ابرو کے قبلہ سے عین نماز میں ہوتا کہ
 خلاصہ یہ کہ جو شخص تیرے کوچہ میں جو بمنزلہ کعبہ کے ہو جلا آدمی تو وہ تیرے محراب ابرو کے قبلہ میں
 گویا عین حالت نماز میں ہے۔

ای مجلیان سوز دل حافظ مسکین از شمع پر سید کہ در سوز و گداز بست
 اے ہم صحبتو حافظ کے دل کا سوز شمع سے پوچھو کہ سوز و گداز میں ہے
 یعنی اے ہم صحبت لوگو میری دل کا سوز شمع سے پوچھو جو کہ خود سوز و گداز میں رہتی ہے۔ ظاہر
 کہ درد مند کے حال کو درد مند ہی خوب جانتا ہے۔

میر من خوش میروی کاندہ سر اپامیر ترک من خوش می خرامی پیش بالا میر
 میر اسو کر کیا خوب پلٹا میں میں میر اپا قربان ہو جاؤ ترک من خوش می خرامی پیش بالا میر
 گفتہ بدی کی میری چشم این بچیت خوش تقاضا میکانی پیش تقاضا میر
 خطیر میری سانسو کہتا تھا کہ لک بیکار جلدی کیا کہ خوش تقاضا میکانی پیش تقاضا میر
 عاشق میجو محرم بت ساقی کجاست گو خرامان شو کہ پیش قدر عنایا میر
 میں عاشق میجو محرم بت ساقی کہاں ہے گو خرامان شو کہ پیش قدر عنایا میر
 تو نگاہی کن کہ پیش چشم شہلا میر کہو کہ خرامان ہو تاکہ تیرے قدر عنایا کو سانسو جان دن
 اب تو نگاہ بھیر ڈال تاکہ تیری نظروں کی سانسو مر جاؤ تو نگاہی کن کہ پیش چشم شہلا میر
 گاہ پیش درو کہ پیش مداوا میر گاہ پیش درو کہ پیش مداوا میر
 تو کہی میں درد سوا کہی علاج سے مر تا ہوں گاہ پیش درو کہ پیش مداوا میر
 دارم اندر خیال آنکہ در پا میرست من سر می یہ خیال کہ کتابوں کی تیری قد و نمونہ مر جاتا
 ای بچہ جای تو خوش پیش تو ہر جا میرست ای بچہ جای تو خوش پیش تو ہر جا میرست
 اے محبوب مجھو سب جگہ میں ہر جگہ تیری سانسو مر تا اے بچہ جای تو خوش پیش تو ہر جا میرست
 یعنی اگر حافظ کو تیری خلوت دل میں جگہ نہیں ملتی تو یہی کچھ بچہ نہیں اے لئے کہ تیری واسطے سب جگہ

سزو کہ از ہمدہ دلبران ستانی یاج
اگر تو تمام حسینوں سے خراج دے تو جانو
چرا کہ بر سر خوبان عالمی جان تاج
اسلئے کہ تو خوبان جهان کو سہ کاتاج جو
یہ شور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں ہے اور دلبروں سے اور تمام انبیاء
علیہم السلام مراد ہیں۔ باقی مطلب ظاہر ہے۔

دو چشم شوخ تو بر ہم زدہ خطاوتن
تیری دونوں آنکھوں نے خطا و ختن کو ہم پر ہم دیا
بچیں زلف تو باچیں ہند و ادہ خراج
اور تیری زلف کی شکن کو باچیں اور ہند و ادہ خراج دیا
خطا و ختن باچیں اور ہند و ادہ چاروں نام ملکوں کے ہیں مگر مصرعہ ثانی میں چیں زلف کی صفت ہے
ملک چیں کے لئے نہیں آیا ملک کے نام کا لطف تو ظاہر ہے لیکن یہاں اسکے معنی مشکین کھمیں
جیسا کہ بچے ترجمہ کیا ہے۔

بیاض روی تو روشن جو عارض خورشید
تیری چہرہ کی سفیدی مانند عارض آفتاب کی روشن
سواد زلف تو تاریکتر ظلمت داج
تیری زلف کی سیاہی اندھیری رات سے زیادہ تاریک
بیاض روسے رحمت اور سواد زلف سے قہر مراد ہے۔ داج عربی میں اندھیری رات کو کہتے ہیں۔
مطلب ظاہر ہے۔

لب تو خضر دمان تو آب حیوان
لب تیری خضر اور دمن تیرا آب حیات
قد تو سرو و میان تو موی گردن عالج
قد تیرا سرو و کرتیری بال گردن مانتی شاکی طبع کوی
ازین مرض بحقیقت کجا شفا یا ہم
اس مرض سے حقیقت میں کیسے شفا پاؤں
کہ از تو درد دل من میرسد بعللاج
کہ تجھے میری درد دل کا علاج نہیں ہو سکتا
بعض مرض عشق سے حقیقت میں مجھے صحت نہوگی اسلئے کہ اسے محبوب تو کچھ درد دل کا علاج نہیں کرتا
خلاصہ یہ کہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

دمان تنگ تو دادہ باب خضر بقا
تیرے دمن تنگ سے آب خضر کو بقا رحمت کی
لب چو قند تو برد از نبات مصر رواج
تیری لب قند ساک نے نبات مصر کو بیکار کر دیا۔
آب خضر سے آب حیات اور بقا سے زندگی مراد ہے نبات مصر صری کے لئے آیا ہے لب قند اور نبات
مصر کی رعایتیں ظاہر ہیں۔

گدا چرانزند لاف سلطنت امروز
نقد آج کیلے لاف سلطنت کا نہ مارے

کہ خیمہ سایہ ابرست و بزم گاہ گشت
کہ سایہ ابر کا خیمہ (ادسکی چتر) اور بزم گاہ ادسکی دنیا ہے

لب کشت سے دنیا مراد ہے باقی مطلب صاف محتاج تشریح نہیں۔
 قدم در پلخ مدار از جنازہ حافظ
 حافظ کو جنازہ سے دو چار قدم در پلخ نکرو
 کہ اگرچہ غرق گناہ است میر و ذبیہ بہشت
 اگرچہ غرق گناہ ہے لیکن بہشت کو جاتا ہے
 مطلب صاف تشریح طلب نہیں۔

درد مارا نیست در مان الغیاث
فریاد کہ ہمارے درد کا در مان نہیں
دین و دل بردند و قصد جان کنند
دل و دین بے گئے اب جان کا قصد کرتے ہیں
دہ ہائی بوسہ جانی طلب
فریاد کہ یہ دل بیجا نہ اے۔ ایک بوسہ کی قیمت میں جان طلب کرتے ہیں۔

خون ماخوردند این کافر دلالان
ان کافردلوں نے ہمارا خون پی لیا
ای مہم جو دھم کے روز غریبوں کی داد دے
ای مسلمانان چہ درمان الغیاث
فریاد کہ ای مسلمانوں اسکا کیا علاج
از شب یلدائی بحران الغیاث
جدائی کی اندھیری رات سے - فریاد

فصل سے مراد دولت دیدار محبوب حقیقی یا بر شد کامل کی صحبت۔ یعنی دیدار کے روز ہم غریبوں کو
 داد دے کہ ہم پر سحران کی شب تار بڑی سختی کرتی ہے۔

ہرز ماغم درد ویکرمی رسد
 ہر وقت ناکزہ درد ہو بختا ہے

زین حریفان بردل و جان الغیث
 ان حریفوں سے دل و جان پر فریاد

گشتہ ام سوزان و گریان الغیث
 فریاد کہ میں سوزان و گریان ہو گیا ہوں

ہرچو حافظ روز و شب بے خویشتن
 حافظ کی طرح دن رات بے خودی سے

قتادہ در دل حافظ سوا ہی جو تو سہی . کینہ مندہ خاک در تو بودی کج
ما فظ کو کینہ تیر کی طرح شامی کی نوس بہر ہی . او کا تھن کردہ کینہ تیر سے دلی خاک ہوتا

کاج بھی کاش ۔ کہو کہ فارسی میں کین مجھ سے دل جانا ہے ۔
اگر بہ مذہب خون عاشق مست مباح . صلاح ماہر آنت کا بن ترا صلاح

اگر تیرے مذہب میں عاشق کا خون کرنا جائز ہے . تو ہماری بھی یہی صلاح ہے جو میری ہے
یعنی اے محبوب اگر تیرے نزدیک عاشق کا خون کرنا درست ہے تو ہمیں بھی بول ہے تو شوق تیر کی کوبا

سوا بودی تو تفسیر جابل الطلمات . برائن روی تو تبیان فائق الاصلاح
تیر سے ہالوں کی سیاہی بیان شب تار کی کالی . تیرے چہر کی سفیدی بل صبح کے ظاہر کرنوالی کی ہے

فائق یعنی شگاف کرنوالا (اہم فاعل) اصلاح جمع صبح فائق الاصلاح یعنی صبح ۔ مطلب یہ کہ
تیری زلف تار کی ہے ۔ اور میرا رخ مثل آفتاب کے روشن ۔ اصلاح کا الف اگر تیر سے پڑنا جاری

لو دا حد اور اگر تیر سے پڑ میں تو جمع کے معنی دیتا ہے ۔
نرودیدہ ام شد حسرت در کنار روان . کہ خود ترا کھنڈ دسیان آن طلاح

بریں آنکھوں نے سوچنے والے جاری ہوئے . کہ خود طلاح بھی اونکے دریاں دری میں گرنا
لجج آب حیات دوست قوت روح . وجود خاکی مارا از دست قوت روح

لب تیر مثل حیات کے قوت روح کی ہے . ہمارے وجود خاکی کا اوس ہی رزق دہو خاکی کا
زیرک لف کمدت کسی نیافت خلاص . نہ از کجا بچہ ابرو و تیر غمرہ بخلح

تیری کمدت زلف کے بچل کے کسی نے خلاص کی . نکا بچہ ابرو اور غمرہ سے کچھ نہائی نصیب ہی
بیا کہ خون دل خوشتن بجل کردم . اگر مذہب تو خون عاشق مست مباح

آگاہی نے دل کا خون تیرے بچے جان کر دیا . اگر تیرے مذہب میں عاشق کا خون کرنا درست ہے
نہا دقل لشیں ہو سہ لبصہ تلبیس . نیافت کا مثل میں اذو بعد اصلاح

ادھر بجل سے سو فریوں کی اپنا ہوس نہ دیا . اوس یہ ہے دکھا تخلص سکون زاری کی بھی تھا
صلاح دتوبہ تقوسے زما مجوزا ہر . زربہ عاشق و مجنون کی سخت صلاح

اگر غامد کسی پر ہر کاری اور توبہ تقوی نہ دہنڈا . زہر عاشق اور مجنون کی کسی پر ہر گامی میں پائی

چراغی شگنی جان من سنگلی دل ضعیف کہ بہت اوبناز کی خواج

ای جان من سنگلی سے کس واسطے توڑی ڈالتا ہے دل ضعیف کو جو شیش کی طرح نازک ہے

زنجبج کلج کے شیش کو کہتے ہیں جو بہت نازک ہوتا ہے اس کے تشبیہ دل سے دی گئی ہے

اور سنگلی مشق کی صفت ہے۔ سنگ اور شیش کی رعایت ظاہر ہے۔

واضح ہو کہ مشق سوائے عاشقوں کے غیر عاشق کئے گئے سنگل نہیں ہوتا۔ مشق میں جان و دل لگے

بہت سی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً اس کے ایک خوبی سنگلی کی یہی ہمارا مطلب ہے کہ شخص جس محبت

اپنے عجب کے لئے سنگل ہو جائے اگر اوس میں یہ صفت نہیں تو وہ مشق نہیں چونکہ انسان کا

انسان سے بوجہ ایک ہی اصل ہونے کے ازلی تعلق ہے اسلئے وہ دل محبت کرتا ہے اپنی محبوب

دل کو صرف اس وجہ سے کہ اس کے افعال اس کی حسب خواہش نہیں ہوتے ہمیشہ ستم گار

جفا کشی دشمن جان سنگل ظالم ہے رحم وغیرہ خطاوں سے مخاطب بناتا ہے

اگر انصاف سے دیکھا جائے یعنی عاشق کے سوا کوئی غیر عاشق شخص مشق کی ان صفات کا

استحسان کرے تو شاید ان میں سے ایک ہی اوس میں موجود نہ پائے گا۔

یہ عاشق دل کی کمزوری تھی کہ اس نے باوجود ایک اصل اور ایک ہی جنس سے

ہونے کے کسی کو اپنے سے زیادہ سچا سمجھ لیا اور اس کو اپنی تمناؤں کا مرکز یا مراد

قرار دیکر مرید ہو گیا ورنہ دونوں برابر ہیں اور ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں مگر چونکہ

عشق و محبت کا سلسلہ آسمان کے نیچے بہت وسیع ہے اسلئے عاشق کی سب شکایتیں بجا اور

مشق کے سب افعال سراسر ظلم و جور ہے پھر ہوتی ہیں جسم انسانی کے تمام اعضاؤں میں عشق کا

تعلق زیادہ تر دل سے ہوا اسلئے بسا اوقات کوئی شخص ایسے آدمی پر بھی عاشق ہو جاتا ہے جو غیر

ذرا ہی خوبصورت نہیں جیسا ہر عاشق زینح کی طرح یوسف سے ہی خوبصورت پر عاشق نہیں ہوتا

بلکہ بہت سی مخلوق مجنونی طرح اس سے سیاہ خام پر بھی تعلق ہونے دیکھے ہیں اس کی صاف ظاہر ہے کہ

عشق محبت صرف اسی تعلق لازمی اور روحانی بنا پر نہیں۔ انسان کو اگر اسوای انسان کی کوئی اور چیز

پر بھی تعلق ہو تو اس کو نہ ملے پر بے اختیار ہو گا اور مشق کے بحر میں کیسا بچپن اور ازکار رفتہ ہو جائیگا

یہی دلیل ہے کہ انسان کی بنا پر ہم عشق کو ازلی تعلق بتلا رہے ہیں۔

کر سکتا۔ پس اگر کو اپنے کام سے باطل ہو جائیگا تو مجھے خوف ہو کہ شاید تیرے لئے ویرم اور باز نہ ہو۔

بیابان وہ کہ درویش بجز خوارید و بود۔ آنگہ عیان صبح چو شہزادہ پیرایہ صبح
شراب لاکہ اوکا دن بجز تمام ہو سکا۔ شہزادہ کی لابی طبعی کا جام صبح و شام چو شہزادہ
جرع صبح سے سوج مراد ہی یہ صواب یہ کہ جس کے لئے کہ جام صبح و شام کے ساتھ رکھا جانی
صبح کے بعد شراب پی اور کتا دن بجز خوارید و بود۔ اسے مانتی تھکے ہی شراب دیو آکا و سو
علی الصبح بیکر نماز دن تمام سے گزیرا۔

کر اہم طاقت شاید کچھ عذاب کی صورت۔ کہ گنگہ صبح و شام چو شہزادہ پیرایہ صبح
مجیدہ صبح سے کوئی طاقت لپٹا ہو۔ کہ عذاب کی صبح و شام چو شہزادہ پیرایہ صبح
فائق الی صبح چو شہزادہ پیرایہ صبح۔ کہ عذاب کی صبح و شام چو شہزادہ پیرایہ صبح
حال عذاب نہیں کہ حق قتل اور نہیں کیا ظاہر و باطن۔ اور نہیں معلوم ہے کہ عذاب کی صبح و شام چو شہزادہ پیرایہ صبح
سے کوئی طاقت بند کچھ ہے۔ فلا حد یہ کہ انجام کا حال کیسی کہ معلوم نہیں۔

زمانہ شام شام شام و حکمت شرع۔ راحت اور دل جان کو شام و صبح
شاہ شام کا عہد ہی اور حکمت شرع کا زمانہ۔ اسے دل و جان شام و صبح و شام و صبح
شاہ شام ایک بادشاہ کا نام تھا۔ مگر انجکاس کو مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا مرشد کامل ہیں۔
یعنی اسے مخاطب شرع محمدی کا دور دورہ ہی حکمت کا زمانہ سمجھا جاتا ہو پس تو صبح و شام و صبح و شام کا
راحت و آرام ہم پہنچانے کی کوشش کو جا۔

بہو صبح چو حافظ شہزادہ روز آور۔ کہ شگفتہ گل عیشیت رشعلہ صبح
صبح کی امید پر صبح حافظ نے رات کو دن کیا۔ تاکہ تیرے عیش کا پہول نفع کہ شعلہ سے کھیلے
جو کہ صبح یعنی باسید و شل شب بردار اور دن۔ رات کاٹ کر دن لانا۔ شعلہ صبح سے مراد آفتاب ہو
یعنی حافظ نے تیرے گل کی امید پر صبح کی رات کو کاٹ کر دن نکالا شاید کلاس کے عیش صبح
پہول صبح کی روشنی سے ہی کھیلے۔ خلاصہ یہ کہ صبح محبوب میر ہو۔ قاعدہ ہے کہ ہر قسم کے پہول
سو صبح کی روشنی سے کھیلے اور تمام صبح کی گرمی سے بچنے میں۔

پیا کہ لپٹت کہ بریا تو کشیم مدام
و تخریب شرب شراباً کد لکھ لکھ لکھ
بیا کہ کیا چیز ہے کہ شربتی با دین لکھ
ہم بیٹے کی ہنزدہ دن کی حج پیتے ہیں
بیا کہ کیا چیز ہے۔ یعنی بیا کہ بھر شراب کی اہل و عقیقہ بھی کیا ہے۔ مہو ستی یا دین پیتے کی ہنزدہ
(شراب) نہ ج بھر بھر کسے پیتے ہیں۔ خطا ہے کہ اب بیا کہ دہ پیا کہ سے سیری نہیں ہوتی بلکہ شرح
ہوتی ہے۔

دعا ہے جان تو روزانہ حافظاً
دام تاکہ بود گردش مسا و صبح
تیری جان کی حافظ کے روز زبان ہو جو
ہمیشہ جب تک کہ صبح و شام چکر لگاتے ہیں
یعنی جب تک صبح و شام ہوتے ہیں یا دنیا قائم ہے اس وقت تک حافظ کی دعا تیری جان کی ساری
کے لئے روز زبان رہی۔

بین ہلال محرم نجومہ ساغر سراج
کیا ہاں ہلال من ست سال صلح و صلح
محرم کا چاند دیکھ کر شراب کا پیالہ پی
کہ یہ ہمیشہ اٹھان کا ہی اور یہ برس صلح و صلح
جو کہ ہاں سال محرم کے چاند کی شرع ہو اسے لکھا فرماتے ہیں کہ یہ شرع سال محرم کا ہمیشہ اس
ہاں کا ہی اور یہ سال صلح و صلح کا پس تو شراب محبت پی اور عیش کر بعض نے لکھا ہے

کہ شرع سال سے مراد ہندوئی ناک لکھ ہے جب سا لکھ پر داروات کا ظہور ہونا شروع ہوتا ہے
عزیز دار نیان صیال کا ند م
مقابل شب قدر است و روز اشفاق
زلزلہ و صاع کو عزیز کہہ کا د سد م
۱۵ رجب کا دن ۱۴ رمضان کے مقابل ہوتا ہے
چونکہ علمائے کرام میں غالب میں شب قدر ۱۵ ذی قعدہ الیائیک کہ ہوتی ہے اسلئے شب قدر کے لئے
۱۵ رجب کا دن ۱۴ رمضان کے مقابل ہوتا ہے۔ باقی مطلب صاف ہے۔

نزع ہر سر و نیای و دن کسی نہ کند
یہ آشتی بہر ای نور دیدہ گوی طالع
دنیا کے سوائے ہر چیز کوئی نہیں کیا کرتا
صلح آشتی سے ای نور چشم بہتری میں سبقت لیا
ولا تو فارغی تو کار خوشی می ترسم
کہ کس درت نہ کشاید جو کلمہ گنی عقل
ای دل تو اپنی کام ہی غلط خواہ میں ڈرنا ہوں
کہ جھکوئی در روزہ نہیں کہوئے گا کہ تو کبھی کمر کرے
یعنی اگر تو اپنے ماتھے سے کبھی کہوئے تو میرے واسطے کئی در معصوم نہیں کہوں سکتا یعنی روزہ نہیں

تسیر مشک تاتاری جمل کر دینے
غیمیم موسے عنبر لوتے فرخ
شک تاگری کی ہو کو شرمندہ کر دیا
زلف عنبر پوستیخ کی نہک ہے
اگر میل دل سر کج بانیست
بو میل دل من سوئے فرخ
اگر کسی شخص کے دکا بل کسی کی طرف ہو تلو
نوسرے دل کابل فرخ کی جانب ہے
یعنی اگر کسی کا دل کسی شخص کو پسند کر لیا کرتا ہے۔ یا ایسا ہو اگر نہ کہ کوئی کسی پر عاشق ہوا
نوسرے فرخ کو پسند کیا ہے۔ اور میں ادب پر عاشق ہوں۔

علامہ خاطرے آنم کہ باشد
جو حافظ چاکرے مہدی فرخ
میں ادسکی خاطر کا علامہ ہوں
جو حافظ کی طرح زلفی کا نو کر ہو۔
یعنی میں ادسکی خاطر کا علامہ ہوں جو حافظ کی طرح فرخ کی زلف کا چاکر ہو۔ خلاصہ یہ کہ میں فرخ تو
فرخ بلکہ اسکے علامہ کا بھی علامہ ہوں۔

ابر کنواری برآمد باد نوروزی وزید
دور می می خواہم و مطرب کہ میگوید رسید
ابر بہار آیا اور ہوا نوروز کی حسلی
شراب کا دار چاہتا ہوں اور مطرب کہو کہ آدمی
آؤ فارسی سینہ کا نام ہے۔ باد نوروزی کا اشارہ شہادت تہنات کی ابتدا کی طرف مطرب سے
مراد مرشد کہ جو حالات حقائق اور معارف بیان کرتا ہے۔ یعنی شاہدہ تہنات کی تہا ہی میں
مرشد کمال کو اور شراب محبت کو چاہتا ہوں کہ حالت عشق و محبت میں مرشد کمال کی زبان سے
بیانات حقائق کی نثر سہیان سنو۔

شاہد ان جلوہ میں شمس کیسی ام
ای فلک این شمساری تا کی بایک شہید
معشوق جو میں پیر و میری تہیانی عالی
اے فلک تجاں کب تک ادھانی جا بگی
یعنی میرے پاس کچھ زلف بھی نہیں کہ جس سے معشوق کی خدمت کر سکوں پس ای فلک تہنات
یہ شمساری اور تجاں مجھے کب تک ادھانی پڑے گی۔ معنی اعتبار سے یہ معنی ہیں کہ شاہدہ
تہنات کا جلوہ ہوتا ہے۔ میرے پاس کچھ نہیں کہ ادب پر کار کران یعنی میں اسکی خوشی جو
تہنات سستی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ زلف عشق میں میں۔ عشق ادبی کہ ہے کہ جسکے پاس کچھ نقدی مشوق
نہا کرے کہ ہو۔

دل میں رہو اسے روی فرخ بود آشفته بچون موسے فرخ
میرا دل چہرہ معشوق کی ہوس میں ۛ نفل زلف فرخ آشفہ و پریشان ۛ
فرخ حافظ صاحب کے معشوق کا نام ہے۔ لہذا ازلے میں کہ میرا دل رو سے فرخ کی ہوس میں
اوی فرخ کی زلف کی طرح پریشان ہے۔ چہرہ ظاہری طور سے عاشق تھے۔ اور یہ تمام غزلوں کے
آخر تک اوی کے نام سے تصنیف ہوئی۔

بجز نیند و زلفش مع کس نیست کہ بر خوردار شد از روی فرخ
سوا او سکی کا فر زلف کی کوئی ایسا نہیں کہ فرخ کی چہرے سے خطا اٹھائی نہ ہو ۛ
سیاہ نیک بخت است آنکہ ایم بود ہمراز ہمراؤں سے فرخ
دھبہ نیک نہیں جو کہ ہمیشہ فرخ کا ہمراز اور ہمراؤں ہوتا ہو ۛ
سیاہ بھی جیسی جیسا اشارہ زلف کی طرح ہے۔ یعنی سوائے زلف کے کوئی ایسا نہیں کہ محبوب کا ہمیشہ
ہمراز اور محبت بلکہ ہم نفل رہتا ہو۔

شو و چون بید گزان سرو آزاد اگر بند قد و تجو سے فرخ
سرو آزاد بید کی طرح کانپنے لگے اگر فرخ کا قد دل بند دیکھ جائے
بندہ ساتی شراب ارغوانی بیا و ترس جاو سے فرخ
اسے ساتی شراب ارغوانی لا زرخ کی تر گیس چشم جاو و تر کی یاد میں

ساتی سے مراد کمال مراد ہے۔ صوفیوں کا کلام کا قاعدہ ہے کہ معشوق حقیقی سے عشق کرنے کے لئے ظاہری
ظہر پر کسی معشوق مکانی کی صورت کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکال کر لے میں کہ جب صورت ایسی اچھی اور خوب ہے
تو اسکا بنانے والا کیا ہوگا۔ چنانچہ اسی خیال کو وہ اپنے عشق کا مرکز قرار دیتے ہیں۔ اور حقیقت
عشق حقیقی پر ہو جانے کا رنجہ ہی ہے لہذا خواجہ فرخ فرماتے ہیں کہ اسے مرشد کمال فرخ کی چشم
عابد فریب کی یاد میں عشق حقیقی کا جام ملا تاکہ اسکا سرور زیادہ ہو اور ہم اسکی صورت کی یاد سے
یہ خیال کریں کہ ایسی اچھی صورت کا بنانے والا بھی ضرور اچھا ہوگا۔

دوتا شد قاتل مچون کمانے ز عزم موسے جانا بروی فرخ
پیرا دکان کی طرح آؤ ہر اہو گیا جب فرخ کی ابروؤں کے عزم سے ملا

پیر عاشق کش نہاغم بر دل حافظ کہ زو
 این قدر اغم کہ از شعر ترش من مجید
 عاشق کش تیر من نہیں جانتا کہ کسے حافظ کو دلوار
 صرف اتنا جانتا ہوں کہ او کو شعر سے ترخون بگنا تھا
 پیر عاشق کش سے عشق مراد ہی یعنی سمجھنے پہنچن معلوم کہ حافظ کے دل پر عشق کا تیر کسے باران
 البتہ اتنا جانتا ہوں کہ اوسکے اشعار اوسکی حال کے گواہ ہیں یعنی ایسے اشعار ہوسے زحمتی
 دل کے اور کوئی نہیں پڑھ سکتا ۔

اگر ان طاہر قدسی زور دم باز آید
 حکم نگذشتہ بہ پیرانہ سرم باز آید
 اگر وہ محبوب پھر دروازہ سی پھر آوے
 میری عمر گذشتہ پیرانہ سالی کی لوشے
 طاہر قدس مراد محبوب حقیقی ۔ زور دم باز آید ۔ یعنی مہر پھر ظہور فرمائے ۔ تو میں پھر اپنے من سے
 سر لے جان جاؤں ۔

دارم امید بان اشک باران کہ نگر
 برق دولت کہ نیت از نظر م باز آید
 من اپنی اون محکمان کا سیو سیر کہتا ہوں کہ شاید
 برق دولت جو میری نظر سے چلی گئی تھی پھر آج
 میرے آئینہ جو مینہ کی مثال کہتے ہیں اوکسی وجہ سے مجھے امید ہو کہ شاید برق دولت جو میری
 نظر سے روپوش ہو گئی ہے پھر چھلنے لگے ۔ یعنی آہ وزاری سے عشق کو اپنی طرف متوجہ کروں
 برق کا لفظ باران کی مناسبت سے لائق ہے ۔

گر نثار قدم بار گرامی نہ کھن
 جو ہر جان بچہ کار دگر م باز آید
 اگر بار کے گرامی قدم پر نثار نہ کر دن
 تو میرا جو ہر جان دوست کہ نسو کا مین آؤنگا
 آنکہ تاج سیر خاں کفیاںش بود
 از خدا کی طلبیم تا بسرم باز آید
 اوسکی خاک کفیاں جو سیر کا تاج تھی
 من خدا سے چاہتا ہوں کہ میرے سر پر آجائے
 کہ بر فی ولتی از با ہم سعادت نہ ہم
 گریہ بہنم کہ من تو ہم سرم باز آید
 نوہ ولتی کا اتفاق نام سعادت پر جانوں
 خواہم اندر عشق وقت جو باران غرر
 اگر میں پرتھوون کہ سفر ہے میرا نہ نوٹ آیا
 باران غرر کی طرح میں سخی چھچھ جاؤنگا
 شخصم ار باز نیامد خبرم باز آید
 جسم میرا اگر ناچھو گا تو خبر تو آئے گی ۔

یعنی میں عشق کی مشابہت میں اوسکے چھچھے چھچھے بارہ سنوں کی طرح جاؤنگا وہ سے ہرگز

مختار جوست آبروی خود یعنی باید فروخت

باوچ کل از ہمای حروف می باید خرید

پیشکش کریم کا قوطی اپنی آبرو یعنی نہیں چاہئے

شراب اور گل کا جلیہ کی قیمت کو خریدنا چاہئے

ایسے نہ ہیں جبکہ قوطی الرجال کی یعنی عارف کامل یا صاحب کریم نظر نہیں آتا تو ہر کس نامکس سے
البتہ اگر کے اپنی آبرو وریزی نہ کرنا چاہئے۔ لکھ خرقہ پارسائی کی قیمت میں عشق اور شاہ محبوب
جمل کرنا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ پارسائی کو جو فکر رندی اختیار کرنا مناسب ہے۔

غالباً خواہد شود از دولت ہمہ کما دوش

میں ہمہ گیر دم دیا و صبح آئین میں مید

غالباً میری مراد حاصل ہوگی کہ کل

میں دیکھ کر آجھا اور صبح قبولیت کی ہوتی آتی تھی

یعنی یقیناً میرا مطلب حاصل ہوگا میں اعتبار دے کہ کل حیرت میں رہا دیکھتا تھا تو صبح ہوتی آتی تھی
جو دعا کی اعانت کا وقت سمجھا جاتا ہے۔ گو بہت دیکھتا تھا اور صبح آئین کہہ ہی تھی۔

بالہو جز صد ہزاران خندہ گل آند باغ

ان کریمی کو تیرا ان گوشہ ہوم شنید

تبسم لب و رسو بہ از خنداج ساتھ عشق و باغین آبا

گو یا کہ کریم کریم کی گوشہ سے سنائی دی

و منی گر چاک شد در عالم رنجی پاک

جامہ درخشاںی نیز سے باید و رید

اگر حالت رندی میں اس عاک ہو تو کیا حوت

نیک نامی کا بھی حیا نہ ضرور بھاڑنا چاہئے

یعنی اگر میں حالت رندی میں بد نام ہو تو کیا فکر ہے اس لئے کہ نیک نامی میں بھی شہرت ہوتی ہے۔
خود نکلا و میں بھی نام ہوتا ہے اور میں بھی نام ہی ہوا۔

ازین لطافت کو لب لعل تو من گفت کہ گفت

وان لطاول کر نہ رفت تو من ہم کہ دید

یہ پیشہ جو کہ تیرے لب سے پہنچے ہو اور سچی کہ کہ

اور وہ ظلم کہ جو میں نے جبری لطف دیکھا اور سچی کہ کہ

عدل سلطان کرنے پر سد حال مظلومان عشق

گوشہ گیران ز اس سلس طمع باید برید

بادشاہ کا عدل اگر مظلومان عشق کا عاشق ہو مجھے

لوگوں میں پیچھے والوں کو آرام کی امید طمع کر دینی چاہئے

سلطان سے محبوب عقلی مراد ہے اور مطلب صاف یہی اگر محبوب حقیقی سلطان عشق کی پرستش

نہ کرے تو عزت نشین تو کو آرام کی امید منقطع کر دینی چاہئے۔ اس میں جسم اس میں مل کے

مستغرق ہے۔ جب عشق کی بے سوچائی سے دل چین ہوگا تو گویا جسم کو بھی کچھ میں راحت نصیب
نہ ہوگی۔

سیل است آب دیدہ و بر سر کہ بگذرد
 کر خود دوش ز شک بود ہم رخا رود
 ہماری آنکھوں کا پانی نہ بھی جبر ہو کر کہ گزرے
 اگر خود دل اوسکا پھر تو تھکا سہی لہجے
 مطلب یہ کہ ہمارا سیل خشک ایسا تیز رو ہے کہ جس شخص کے پاس ہو کر گزری اگر اوسکا دل پھر بنا پڑا ہو
 تب بھی جگہ سے ٹپکے۔ خلاصہ یہ کہ جو کوئی ہماری گریہ و زاری کو دیکھ لے تو چاہے وہ کیسا ہی
 سنگدل ہو بہر بان ہو جائیگا۔

مارا بہ آب دیدہ شب و روز ماجر است
 زین رنگد کہ بر سر کوش چارود
 مجھ کو انکھوں سے شب و روز جھگڑا کرنا پڑتا ہے
 اس رنگد زمین کہ خواؤ کج کو جہ کی کوسو اٹھ جاتی ہو
 یعنی مجھ کو اپنے آنسوؤں کی رات دن لڑائی کرنی پڑتی ہے کہ تم اس رنگد زمین جو کوجہ محبوب کو جاتی ہو
 نہ ہو یا کرو۔ خلاصہ یہ کہ اوسکے کو جہ میں جو مقام و صالی ہے۔ گریہ و زاری کی کیا نتیجہ۔ یا یہ کہ مجھ کو جہ
 محبوب میں اپنی گریہ و زاری سے تعجب آتا ہے۔ علاوہ اسکے اس شعر میں مآرا۔ آب دیدہ۔ اور
 مآجرا و سر کو۔ اور رنگد کہ الفاظ قابل لحاظ ہیں کہ کس ترتیب سے نظم ہوتے ہیں

خورشید خاور کی کنداز شک چارہ چاک
 گرماہ مہر پرور میں دہشت بارود
 شاہ خاور رنگ کو کپڑے پہاڑ ڈالے
 اگر میرا مہر پرور ماہ لباس پہنے
 حافظ کو سہے سیکر و یکم نصیب دل
 چون صوفیان بصفہ دار الصفا
 حافظ سنجانہ کی گلی میں صدق دل سے
 اس طرح جاتاہے کہ جیسوئی لوگ عبادت خانہ خانقاہ
 خلاصہ یہ کہ بطرح صوفی لوگ صدق دل سے خانقاہ کو عبادت کے لئے جلتے ہیں اسی طرح حافظ
 سبھی عقیدہ متندی اور صفائی قلب سے سنجانہ کو جایا کرتا ہے۔

از سر کو سہے تو سر کو علالت برود
 نرود کارش و آخر نخالت برود
 جو کوئی کہ تیرے کو جہ کی لال کر کے نکلتے
 اوسکا کام نہ چلے اور آخر کار شرمندگی ہو کر آئے
 یعنی جو سالک کہ تیرے کو جہ عشق سے اگر ملول ہو کر سنجیے تو وہاں سے ٹھکڑاؤ سکا کہیں کام
 نہ آئے گا اور نتیجہ میں شرمندہ ہو کر پھر تیرے کو جہ کو لے گا۔
 سالک ان نور ہدایت طلبد راہ بدست
 کہ بجائے زسد گر بصدالت برود
 جو سالک کہ ہدایت کی روشنی ہو دو کی راہ نہ ہو بدست
 اگر گمراہ جاوے گا تو منزل پر نہیں پہنچے گا

بچو رو و نکلا۔ بالقرین اگر یہ جسم ان کا لطف سے نجات پا کر نہ لوٹا تو میری خبر تو آئے گی
یعنی لوگ یہ تو کہیں گے کہ فلان کے فلان کے اور پر جان دیدی

بانش غلغلِ حنا کی سب شکر خواہ صبح ورنہ گریش نہ آہ سحر مہماں ز آید
جنگ کی آواز کا شور و صبح کی بھی نیند اٹھوانے ورنہ اگر سو تو پیری کہ بھوک کی آواز اٹھ کر آوے
جنگ سے عارف مراد ہی جنگی آواز صبح کو عاشقانِ الہی کی راحت افزائی کا باعث ہوتی ہے
شکر خواب وہ نیند کہ جو بعد صبح کے ہو مینی بھی نیند۔ مطلب یہ ہے کہ عارف کی ہوجن کا شور و آواز
صبح کی خواب شیریں میری آواز محبوب کے کان تک نہیں پہنچنے دینی۔ ورنہ اگر وہ میری آہ
سحری سن لے تو ضرور وہاں آ جائے یعنی میری طرف متوجہ ہوئے لگے۔

آرزو مندِ شاہ جو ماسم حافظ ہمتی تا بسلاست ز درمہ باز آید
ای حافظ بن مراد شاہ کو دیدار کا آرزو مند ہو اٹھل مڈکرتا کہ سلامتی میری دروازہ میں پیراؤ
حافظ کا خطاب لکھنؤ ہے۔ اور دوسرے مصرعہ میں لفظ دل محذوف ہے۔ یعنی اسے دل
میں اوس سے روکے دیوار کا منظر ہوں۔ پس تو میری مدد کرتا کہ وہ بھر بخیر و عافیت میری گھر آئے۔

از دیدہ خونِ دل ہمہ بروی مارود بر روضے باز دیدہ مذاخم ہمارود
آنکھوں سے خونِ دل بکسر ہمارے چہرہ ہاوی نہیں معلوم کہ چہرے سے آنکھوں پر کیا کچھ چھڑا ہوا
اس میں آہ و زاری ہجران کا بیان کیا ہے کہ میری استخاری حالت ہر محبوب میں حدی گذر گئی۔
مادرِ دلِ سینہ ہوا کی ہفتہ ایمم برباد اگر رو و سرما زان ہوا رو
جھنے سینہ میں ہوا عشق پوشیدہ کر رکھی ہے اگر ملہا سر برباد ہو جائے تو وہ ہوا بھی برباد
یعنی جھنے سے سینہ میں عشق کی ہوا بھر رکھی ہے۔ اگر ملہا سر جاتا ہے تو شاید سودا عشق
بھی جاتا رہے۔ ورنہ نہیں۔

بر خاکِ راہ باز نہادیم روی خوش بر روی مارو است اگر آشتارود
مین نے یار کی خاکِ راہ پر ہونہا کہہ دیتے اگر دست ہمارے ہونہا پر قدم رکھی تو سناڑی
یعنی ہم نے اپنے ہونہا کو دست کی راہ کا فریق کر دیا۔ اگر وہ ہمارے ہونہا پر پیر کیلک
گذرے تو زہے نصیب۔

اس شعر کے مضمون سے مراد ہوا سالک دو دن مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی مرشد یا سالک جو یہی معرفت حق کا جام ہاتھ میں رکھتا ہے۔ وہ گویا اپنے وقت کا حبیب ہے۔
یعنی جام حبیب اپنے جام میں دنیا کا حال دیکھ لیتا تھا۔ اسی طرح وہ بھی سب بھید معلوم کر سکتا ہے۔

آئے کہ خضر حیات از ویاست در میکن جو کہ جام دارد
وہ پانی کہ جس سے خضر فی عمر جاوید پائی میخانہ میں ڈھونڈھ کہ جام کا جو ہے
میخانہ جو وہ ہی مقام عشق مراد ہے۔ یعنی وہ چیز کہ جس سے عمر جاوید ملتی ہے عشق کے جام میں ہے اور کہیں نہیں۔

سر رشته جان بجا بگذارد بکاین رشته از وہ کام دارد
جان کا تعلق جام پر جوڑ دی کہ یہ سلسلہ اس سے متعلق ہے
بیرون زلف ساقیانیت در دور کسی کہ کام دارد
اسی ساقی تیرے لب کے سوا نہیں در دور کسی کہ کام دارد
یعنی جو کوئی کہ زمانہ میں کچھ مقصد رکھتا ہے وہ مقصد تیرے لب کے بغیر نیت یا ہمت نہیں ہو سکتا۔

ماوے زاهدان و تقویٰ تیار سر کد ام دارد
سہم بہن اور ٹیلے پناہ لوگ میں اور تقویٰ دیکھیں کہ یار کس طرف متوجہ ہوتا ہے
بر سینہ پیش درویشان لعلت نکے تمام دارد
درویشان کے زخمی سینہ پر لعلت نکے تمام دارد
نرگس ہج شیوہا مستی نرگس نے تمام مستی کو شیوہا
نرگس نے تمام مستی کو شیوہا تیرے خشم خوش دام سے لکھتے ہیں
یعنی نرگس نے پستی کے تمام شیوے تیری آنکھ کے مشاہدہ سے حاصل کیے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ عاشق لوگ تیری آنکھوں کو دیکھ کر خود بھی پستی اور مہیا کی سیکھ گئے۔

خلاصہ یہ کہ سالک کو مادی مطلق کی ہدایت سے یا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے یا مرشد کی ہدایت سے معشوق حقیقی کی راہ نہ ہونڈنا چاہیے اگر وہ خود بخود وہاں پہنچنا چاہے گا تو گمراہ ہو جائیگا۔ اور مقام عشق تک نہیں پہنچے گا۔

گروسی آخر عمر می معشوق پر رسید
خفیف اوقات کہ کیسے مطالبات برود
آخر عمر کا مظلوم معشوق و شراب سے حاصل کر
اون اوقات پر افسوس کہ جو تخیل و عین ہوتے ہیں
ایک دل لگم گشتہ خدارا مدد سے
کہ غریب رہنم و رہ ہدایت برود
ایک دل لگم گشتہ کی دلیل خدا کے واسطے مدد کر
کہ غریب اگر راہ پر نہ چل سکے تو دلیل سے چلا جائے
دلیل لگم گشتہ کا اشارہ مرشد کامل کی طرف ہے۔ اور غریب کا اپنی جانب یعنی اسے خدا کا
برائے خدا مدد فرما۔ اور اس غریب گم کردہ راہ کو دلیل ہدایت سے راہ دکھانا کہ یہ گم گشتہ راہ
منزل مقصود پر پہنچ جائے۔

حکم مستوری و سستی ہمہ بر خاتمہ است
کس نہ انت کہ آخر کی حالت برود
طاعت اور محبت کا حکم خاتمہ پر موقوف ہی
کوئی نہیں جانتا کہ آخر میں کیا حالت گذریگی
یہ حال کہ فلان طاعت گذار اور فلان محبت گزار تہا نتیجہ میں معلوم ہوگا۔ اس وقت کسی کو خبر نہیں کہ آخر
میں کیا پیش آئے۔

کاروانے کہ بود بدرقہ اش لطف خدا
بجمل ہنشیند بہ جلالت برود
حسب قافلہ کار سہما لطف الہی ہو۔
وہ شوکت کے ساتھ قیام کرتا اور شان کو قائم کرتا ہی
بصنون ظاہر ہے تو صنیع طلب نہیں۔

حافظ از چشمہ حکمت بکفت آو جامی
لو کہ از لوح دل نقش جہالت برود
اسے حافظ و ریاست حکمت کی پالہ پر ہے
شاید کہ تیرے لوح کی جہالت کا نقش مٹ جائے
چشمہ حکمت سے مراد عشق محبت۔ یعنی اسے حافظ تو عشق محبت کے دریا سے ساغر پر ہے
ناب کہ خود بھی اور جہالت کا نقش جو تیرے لوح دل پر نقش ہے کا عدم ہو جائے۔

آنکس کہ بدست جام وارد
سلطانی جہم مدام وارد
جسکے ہاتھ میں جام ہے
وہ ہمیشہ جہم کی حکومت رکھتا ہی

رہے

چشم من کردہ ہر گوشہ ان جل سہل نامہ ہی ہر وقت تارہ بابے وارو
 بیری آنکھ نہ ہر کوئی کو اسکو رو آنسوئی جاری نہ کہ تیرے سرو ہی کو پانی سو سیراب سکھ
 قاعدہ ہی کہ درخت پانی سو سرسبز رہا ہے لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ بیری آنکھوں نے
 آنسوؤں کی رو ہر طرف کو اسکو جاری کی ہے کہ تیرے قد کا درخت تارہ و سرسبز رہے۔ اور صاف
 ظاہر ہے کہ عاشق کی گمید و فریاد معشوق کی رونق اور شہرت کا باعث ہوتی ہے۔

غمزہ شوخ تو خونم بظلمت سیریزد و صحتش باد کہ خوش را می صوبانی وارو
 تیرا غمزہ شوخ سیرا خون حلا سے ہوتا ہے اوسکو فراغت ہو کہ وہ نیک راے رکھتا ہے
 ز صحتش باد۔ یعنی اوسکو کوئی مزاحم نہ پہنچے۔ یعنی تیرا غمزہ جو بیدار خون کر کے حلا کرتا ہے اگر
 اس بات کوئی پہنچ نہ پہنچے۔ کیونکہ وہ نیک راے ہے۔

چشم محمور تو دار و زولم قصد چکر ترک مست است مکر میل کیا ہے وارو
 تیرا چشم محمور جو میرے دس چکر کا قصد کرتا ہے یہ ترک مست شاید کباب کی خواہش کہتا ہے
 جان بجا رہا نیست ز نور و می وال ای خوش آن چشمہ کما ز دوست بجا می وارو
 بیری جان ناوان کو تجھے سوال کی مجال نہیں ای وہ چشمہ شخص خوش قسمت ہو کہ دست جواب پاس
 یعنی اسے محبوب بیری جان ناوان کو تجھے سوال کی مجال نہیں۔ وہ عاشق خوش قسمت ہے کہ جو معشوق
 سے سوال کرے اور جواب ہی مشرف ہو۔

کے کند سوئی لہستہ حافظ نظرے چشمہ مست کہ ہر گوشہ خرابے وارو
 حافظ حسنہ دل کبیرن کب نظر کرتی ہے تیرا چشمہ مست کہ جسے ہر طرف خرابی پہنچاتی
 چشمہ مست سے ذات سراسر استغنا مراد ہے۔ باقی مطلب صاف۔

اگر زیادہ غم دل زیادہ ماہر و نہیں حادثہ بنیاد ماہر جا بہرے وارو
 اگر شراب غم دل کو ہماری یاد ہی نہ پہنچا تو حادثات کی غارتگری ہماری بیخ و بنیاد کو کھینچے
 غم دل سے غم دنیا اور شراب سے عشق محبت مراد ہے۔ یعنی اگر عشق حقیقی ہماری یاد ہی
 فکرات دنیا کو نہ محو کرے تو حادثات کی غارتگری ہماری بیخ و بنیاد کو جڑ سے اکھاڑے۔
 پھینکے۔

و کرم زلف تو دلم را و دوست که صبح و شام دارد

سیرے دکن بزیغ زلف کا ذکر صبح و شام کا طبیعت ہو گیا ہے

در چاہ دقن جو حافظا می جان حسن تو دو صد غلام دارد

ای جان تیرے چاہ دقن میں حافظ کی طرح تیرا حسن دو سو غلام رکھتا ہے

یعنی اسے دوست تیرا حسن حافظ سے دو سو غلام اپنے چاہ دقن میں اسیر رکھتا ہے۔

غلام یہ کہ حافظ کی طرح تجھ بہت سی عاشق ہیں +

آنکہ از سنبل اوغالیہ تابے دارد باز بادل شدگان ناز و عتابی دارد

وہ کہ حسن لعل ہو غالیہ بھی سج نہاں کیا تا ہو اس پر بھی عاشقوں نے ناز و عتاب کیا ہو

از گزشتہ خود میگذرد و همچون باد چه توان کرد کہ عمرست و شبابی دارد

اپنے عاشق کو پاس سے ہوا کی طرح گزر جاتا ہے کیا کیا جاوے کہ عمر ہے جو جلدی کرتی ہے

چونکہ معشوق ہے گزشتہ عاشق کے پاس سے ہوا کی طرح جلد گزر جاتا ہے۔ اسلئے گویا وہ عمر

کی مانند ہے کہ ادھر آئی ادھر چلی گئی معشوق کے آنے اور چلے جانے کو عمر کی آمد و رفت

سے تشبیہ لگتی ہے +

ماہ خورشید نمائش زینچ وہ زلف آفتابی است کہ دیش سجائی دارد

اوس کا خورشید نما زلف کے پس پر کف تاب ہے کہ اپنے سلسلے بادل رکھتا ہو

ماہ کا کانا یہ معشوق کے چہرہ کی طرف اور خورشید نما اس کی صفت ہے۔ یمن کی ضمیر معشوق کی طرف

سمجھنی چاہئے یعنی تیرا چہرہ زلف کے پس پر وہ طرح چھا ہوا ہے کہ جیسے بادل میں آفتاب

چھا ہوا ہو +

آب حیوان اگر نیست کہ در دل آب یا روشن بہت اینکہ خضر بہرہ سیرا دارد

آب حیات اگر ہی ہو کہ لب یار کے پاس ہو قویہ صاف ظاہر ہے کہ خضر کو سیرت سمجھو رہی تھی

یعنی اگر آب حیات ہی ہے کہ جو لب معشوق میں ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جو آب حیات خضر کو ملا وہ

آب حیات نہیں تھا بلکہ مراب تھا + حقیقت میں اصل آب حیات میں داخل ہی۔ علاوہ اسکی آب حیات

نہا در روغن۔ مراب کے الفاظ خضر کی روایت سے آئے ہیں

دیگر

حقیقی کے پاس ہو بچا دے۔

اگر وہ پیشِ منت نہا برانگیزد
وراز طلب پیشِ نیکیند بر خیزد
اگر اس کے پیچھے جانا ہوں تو فتنے اٹھتے ہیں
اور اگر طلب سے بچتا ہوں اور لڑائی نہیں ہوتی
یعنی اگر میں اس کی محبت کا دم بھرتا ہوں (عشق کرتا ہوں) تو آفتوں اور بلاؤں کا سامنا ہوتا ہے
اور اگر اس کی طلب سے باز رہ کر کسی دوسرے سے التفات کرتا ہوں تو وہ خفا ہوتا ہے۔

غرض کہ میں عجیب صحبت میں گرفتار ہوں۔

وگر بر بکذری یکدم از وفا داری
چو گرو در ششِ مستم جو باد بگریزد
اور اگر کسی منت رہ بکذریں وفا داری سے
شکل گرد کے اس کی راہ میں بڑھا ہوا آئندہ کھٹکے گا
چو کویش کہ چاہا کسان بیامیزی
چنان کند کہ شکم بخون بیامیزد
جو اس سے کہوں کہ تو آدمیوں سے کیوں ملتا ہے
تو وہ پکڑے کہ میری کسوا کین خون ملاوے
یعنی اگر میں اپنے معشوق سے کہہ دوں کہ تو عینوں سے کیوں رابطہ ضبط رکھتا ہے تو وہ میرے ساتھ
یہ سلوک کرے کہ میری آنکھوں سے بچا دے اسٹاک کے خون رولٹے۔ خلاصہ یہ کہ اتنا کہنے سے
وہ جو رستم اور زیبا کر گیا۔

وگر کہم طالبِ نیم بوسہ صد افسوس
نہ حقہ پیشِ چون شکر و زور یزد
اور اگر میں آدابوسہ بھی طلب کروں تو سیکڑوں افسوس
اس کو حقہ ہیں سے شکر کھٹکے گرنے لگیں
نیم کا لفظ قلت کے لئے آتا ہے جسے کہ ایک ادہ بوسہ اردو کا محاورہ ہے۔ اور سطلت ہی
کہ اگر میں اس سے ایک کبا بلکہ نصف بوسہ بھی طلب کرتا ہوں تو اس کے گونہ ہی سیکڑوں افسوس
نکھر کر طرح پھرتے ہیں یا افسوس کے معنی کلمات محنت مثل گالی وغیرہ کے ہوں۔ اور شاید
اسی رعایت سے شکر کا لفظ لایا ہے۔

من آن فرب کہ در گیسو می بینم
بہن آہ سے کہ در خاک بہ زور یزد
میں وہ فرب کہ جو تیری تصویر میں دیکھتا ہوں
بہت سی آبرو میں گرا رہا ہے برباد کرتا ہے
فراز و خلیل با بان عشق و دام طلب
کجاست شیردے کے کرہا بہ پرہیزد
بہا بان عشق میں فراقِ نیش کے نہایت دام لگا چکا ہے
وہ شیردل کو نیش ہے کہ بلا سے نہ ڈرے

و اگر نہ عقل مستی فروخت کند چگونہ شستی ازین و طے بلا بر
 اور جو عقل مستی کا سنگ گرنڈا لے تو کس طرح کشتی اس در طے بلا سے نکلے

مضمون بشر بلا کی تو صبیح ہے یعنی اگر عقل مستی کا سنگ اس حوادث دنیا کے دریا سے
 ناپید اس زمین نہ ڈالے تو کشتی جو کس طرح اس بہنور سے پار نہیں ہو سکتی۔

طیب عشق منم بادہ خور کہ این معجون فراغت آرد و اندیشہ بلا بہرہ
 میں عشق کا طیب ہوں شراب پی کہ معجون فراغت لاتی ہو اور اندیشہ اور فکر کو دور کرتی ہو
 یعنی اسے عاشق درد مندین اس عشق کا حکیم ہوں اور میری تجویز تیرے دہستے پہی کہ تو شراب
 پی یہ شراب محبت و طرفہ معجون ہے کہ تمام عجبر کے کھجیرون سے فارغ کرتی اور سب فکرون
 اور بلاؤں کو دور کرتی ہے۔

دل ضعیف از ان میکش لطیف چمن کہ جان زمرگ بہ دلداری صبا بہر
 سیر ضعیف دل اسلے کھلو کہ چمن لطیف لیتی جاتا ہے کہ جان موت سے صبا کی دلداری میں بچتا ہے
 چمن سے کبھی شد مراد ہے اور مطلب یہ کہ مرشد کمال کی دلداری میں میری جان مرگ کے پنجے
 سے بچ جائیگی اسلے بیدار دل کھلو و مان لئی جاتا ہے۔

گزار ظلمات است خضر را ہے جو مباد کاش محرومی آبا بہر
 گذر ظلمات کی طرف ہے خضر سے راہ بونہو مباد کہ محرومی آگ ہاری پانی کو خشک کر دی

ظلمات سے راہ عشق اور خضر سے مرشد کمال مقصود ہے یعنی اس تار کی راہ عشق میں مرشد سے
 رہتہ معلوم کرنا چاہئے کہ میں ایسا نہ ہو کہ محرومی کی آگ ہارے اس آب خود کو سوتہ کر دے۔

فتان کہ با ہم کس زند کینہ با فلک کسے ہو دکہ دستے ازین و غایر
 زیاد کہ سب نے فلک کینہ دور سے بازی لاری کوئی ایسا تھا کہ حواس غاسے پیش لے گیا ہو

سوخ حافظوں حال و بیارفت مگر نسیم پیاسے حذا می را بہر
 حافظ مل گیا اور کسی نے اسکا حال رسوا کیا مگر نسیم کوئی پیام خدا کیلے تو ہی ہو بجا و

حذا کو رہنے حذا یا براسے حذا ہی حافظ آتش عشق میں سوختہ ہو گیا اور کسی نے اسکا
 حال نہ دیکھا ہے نہ کہا ہے مباد صبا تو ہی بہرانی کرا اور خدا کے دہستے حافظ کا پیام محبوب

دلبر کہ جان فرسودہ کام دلم نکشود از دلو
نوسیدہ توان بود از و باشد کہ دل داری کند

دلبر کہ جس جان تباہ ہوئی او مقصد دل پر ہی رہا
اوس سے نا امید نہونا چاہئے شاید کہ دل داری کرے

لا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ

گفتہ گرہ نکشودہ ازان طرہ من دہم
گفتا من فرمودہ ام تا با تو طراری کند

مینا کہ کہ میں نے اوس طرہ نگہ نہ کر کوئی وجہ ہو کہ
فرمایا کہ میں نے اوس کو حکم دیا ہے کہ تیرے ساتھ عبادی کرے

فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اوس محبوب میں نے جب سے عیلا عشق کیا ہے شائد و بلیات عشق سے راحت

نہیں ملی جو اپنے فرمایا کہ میں نے اوس کو حکم دیا ہے کہ تیرے ساتھ چلا کی کر کے تم کو مصیبت سے بچرین گرفتار

رکھو۔ خلاصہ یہ کہ رنج و مصیبت تیرے نام زد ہو چکی ہیں۔

پشمینہ پوش تند خو کہ عشق نشینہ است
از سیش ریزی بگو تا ترک شکاری کند

اوس پشمینہ پوش تند خو کہ عشق کی نشانی ہو
اوس کی سئی کا ذرا سا حال کہو تا کہ شکاری چوڑ نہ ہو

پشمینہ پوش ترا بد خوش لباس طاعت ربائی کرنا ہو یعنی زاہد خوش لباس سے کہ جسے عشق محبت

کی عین پائی ہے عشق کی مستی کا ذرا سا حال بیان کر دو تا کہ شکاری چوڑ نہ ہو مست لا بفعل بن جائے۔

چون من گدا می نشان شکل بود اطفالان
سلطان کجا عیش نہال بازید بازاری کند

مجھے برفشان گدا کو طفلان محبوب باری کرنا مشکل ہو
بازید بازاری کیسا نہ کن بادشاہ غصہ عیش کیا کرنا ہو

زان طرہ پیچ و خم سہلست اگر بنیم ستم
از بند و زنجیرش چہ غم آنکس کہ عیاری کند

اوس طرہ پیچ و خم دار کو میری ستم دیکھنا آسان ہو
جو شخص کہ عیاری کرتا ہو اوس کو قید و بیری ہو کیا غم

یعنی تم کو اوس طرہ پیرار کے جو رو ستم کی کچھ پروا نہیں اس لئے کہ جو شخص کہ عادی جرم ہو اوس کو قید و

بند کی کچھ فکر نہیں ہوتی۔

شد لشکر غم بعد از رنجت میخو اہم مدو
تا فرزدین عبد الصمد باشد کہ غمخواری کند

غم کا لشکر شہار ہوا بی قسمت مدد چاہتا ہوں
جب تک کہ فرزدین عبد الصمد غمخواری کرے

عبد الصمد کا شاہ مرشد کی طرف ہوا خواجہ صاحب کے مرشد کا نام ہے ہر حال طلب اس سے زیادہ توضیح نہیں چاہتا۔

ہا چشم پر نیزنگ و حافظ مکن اہنگ
کان طرہ شہرنگ و بسیار کاری کند

حفاظ و سکی چشم پر نیزنگ سوا سکی پاس کا قصد نہ کر
کہ اوس کا طرہ شہرنگ بہت مکاری کرتا ہے

تو عمر خواہ صبوری کہ رخ شہد باز ہزار رازی بن طرف تر براستین
 تو عمر کا طائب ہوا و صبر کر کہ فلک شہد باز ہزار و طربین طرف تر اوٹھائے گا

طرف تر یعنی ایک سے ایک زیادہ عجیب یعنی تو اپنی زندگی جاہ اور صبر کر۔ اگر تو زندہ رہا تو
 دیکھنا یہ فلک شہد باز کیسی عجیب جا لیں جلتا ہے۔ اگر ستین کئی روز کا بستین و

براستانہ تسلیم سربہ حافظ اسے حافظ استانہ تسلیم سربہ ہکا دے اگر چھکرا کر گیا تو زمانہ تجھے آمادہ جنگ ہو جائیگا
 یعنی اسے حافظ تو استانہ تسلیم سربہ نیاز ہوگا دے۔ اگر تیری کر گیا تو زمانہ تجھے برسرِ جنگ

ہوگا۔ اور جھکو جین نہیں لینے دے گا۔
 آن کہ سیت کر زوی کرم نامی وفاداری کھند

وہ کون ہو کہ از روی کرم مجھے وفاداری کرے

اول بانگ نای و بی گویدین پیغام کوے

اول نے کے ساز و نمہ و ادسکا پیغام سنائے

یعنی ایسا کون شخص ہے کہ اپنے کرم کے خیال سے میرے ساتھ وفاداری کرے۔ گو

میں بدکار ہوں مگر وہ مجھے بدکار کے ساتھ پہلائی احسان سے پیش آئے کہ اول تو مجھ کو پہلی

کے نمہ کی آواز سے دوست کا پیغام پہنچائے۔ پھر چالہ بھر شراب اسے ختم معرفت سے

کیا ہے۔ واضح ہو کہ یہ خطاب سرشد کی طرف ہے جو کہ شد کمال دل سخنان حقائق و معارف

طالب حقیقت کو سنانا بعد ازان اسرار معرفت ہو آگاہ کرنا ہی ایسی حالتیں طالب پرہد کی کیفیت طاری

ہوتی ہے سادہ سے عرفان کا نشہ و کی رنگ و بی من ساری ہو کر عجیب سر و بخشا ہے وہ ایسا سر و دہے

کہ جسکی تشبیہ اس مجازی ضربت کو نشہ کی بالکل نہیں دیکھا جاسکتی۔ کیونکہ اس میں کیفیت کے سوا خوار کا نام

نہیں ہوتا اور نہ اسکی اثر کسی نفس جو اینہ کو حرکت دیتی ہے جو اس نشہ کی حالت میں صفت ہے

غرض کہ وہ اسی حالت سے جہکا بذریعہ حرف و صوت کے ظاہر کرنا ممکن نہیں۔ قاعدہ ہے کہ اہل کاع

نصوتی زیادہ شرباشی کی آواز سے تاثیر ہوتے ہیں اور اس میں سے حافظ صاحب نے اول بانگ نای کی

آواز سے دوست کا پیغام سنائے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ابنی جان قربان کروں حافظ تو ترک غمزه بخوان شب کی
 دانی کہا است جام تو خوار زم با مجند
 کیا تو جانشاہد خبری جاگیدن ہر خوار زم با مجند ہر
 جو نہ بضم خار و بفتح (ج) خوار زم و مجند کیستائیں دو فصیح ہیں جو سینوں کے لئے مشہور ہیں۔ لہذا
 فرماتے ہیں کہ اسے حافظ تو مشفقوں کے غمزدہ خیال کو نہیں ترک کرنا اگر ترک نہیں کرے گا تو سب سے
 خوار زم و مجند کو مجید یا مایہ نگاہان کے حسین ستم پیشہ ہو کر ہیں اور عاشقوں کو خوب ستانا جانتی ہیں۔
 اگر کوئی تو بوی میں رساں باد بجز وہاں جہان را بباد خواہم داد
 اگر تیری کوچہ ہو امیری پاس خوشبو ہو نچادی تو اس خوشبختی میں جہان کی جان نثار کروں
 بباد کا لفظ مراد ہے میرے اگر ہوائیری ہو میری پاس ہو نچادی تو میں ابی تو اپنی بلکہ سارے جہان
 کی جان اس خوش خبری میں قربان کر ڈالوں یا اس خوش خبری کے بدلہ میں جہان کی جان
 ہوا کو دیدوں۔

اگرچہ گرد برا نیگتے زہستے من غباری از من خاک کی بدامنت مقاد
 اگرچہ تو نے میری ہستے کو ہوا میں ڈھلادیا لیکن میری خاک کا غبار تیری دامن پر نہ پڑے گی
 گرد برا نیگتن برباد کروں۔ خلاصہ یہ کہ اگرچہ تو نے میری ہستی کو برباد کر ڈالا لیکن میں یہ بھی نہیں
 چاہتا کہ میری خاک کا غبار تیری دامن پر پڑے اور اس سے تجھے تکلیف ہوئے۔
 تو تار و میمن ای نور دیدہ در بستے دگر جہان در شادی ہر دم من کشاد
 ای نور شمع ہے کہ تو مجھ پر خوشی کا درازہ بند کیا ہو کسی تو بھی در شادی میرے لئے نہ کہولا
 خیال دے تو ام دیدہ میکند پر خون ہوا کی زلفت تو ام عمر میدہد برباد
 تیرے خیال کا خیال آنکھوں میں خون کو دیتا ہے اور تیری زلفت کی خواہش عمر کو اکارت کی ڈالتی ہے
 نہ در برا چشمی نہ غائب از نظری شاید میکنی از من تمیر و می از باد
 نہ آنکھوں کو سامنے ہے نہ نظر و سر غائب نہ تو مجھ کو دہی کرتا ہے اور نہ میری یاد کو فراموش ہوتا ہے
 میرے محبوب حقیقی نہ تو تو میری آنکھوں کے سامنے ہے اور نہ اوسے غائب نہ تو مجھے یاد فرماتا ہے۔
 (ہلات ہے) اور نہ میری یاد ہی سے جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تیرا حاضر و غائب یکساں ہے۔ عباد وہ اس کے

بے آینه جانظا و سکو چشم عابد فریب کرد چه سے او سکر محبت کا دھیان نہ کر اسلئے کہ طرہ شیرنگ بہت سی
مکاری کرنی چاہتا ہی۔ خلاصہ یہ کہ دلا و پسند میں پھانسی لیتا ہو۔

ای پستہ تو خندہ زوہ و بان قند
ای پستہ کیستے تو خندار او گر مخند
ای پستہ تو کیا چیز ہو خدا کیلئے زیادہ بخش
ای پستہ تو خدا کیلئے وہاں مست نہیں کیونکہ شیرا خندہ او سکو
بسم کر سار منی محض بر حقیقت ہے۔

خواہی کہ برنجیوت از ویدہ رو و خون
اگر تو چاہتا ہو کہ تیری تاکہ و نونگی ندی جاری ہو
دل ہوا سے صحبت دو و کسان خند
تو دل انسان زادوں کی ہوا سے صحبت میں ندی
بے اگر تو چاہتا ہو کہ تھکو مصیبت میں خون کی آنسو نہ دہا نا پڑیں تو تو معشوق کا عشق نہ کر بلکہ عشق الہی

جو قابلیت وغیرہ سے پاک ہو۔

کہ طرہ مینمای و گہ طعنہ مینری
کسی تو طرہ دکھانا ہو اور کسی طعنہ مانتا ہے
ما یسعیم معشت مرد خود پسند
ہم خود پسند شخص کے معشت نہیں ہیں
زین قصہ بگذرم کہ سخن میشود بلند
اس قصہ سے دور گذر کر تاہوں کہ بات بڑی ہوتی ہو
نیا رہے تو اندیئے طوبی کی طاقت نہیں کہ تیرے قد کی ہماری کر سکے لہذا میں اس قصہ سے دور گذر
کر تاہوں ورنہ بحث کو طول ہوا جاتا ہے۔

زائشکے حال میں آگاہ کے شود
میری پریشان حالی کب خبر دار ہو سکتا ہو
آزاد کہ دل نگشت گرفتار این کنند
وہ شخص کہ جکاول اس کنند میں گرفتار نہیں ہوا
بازار شوق گرم شد آن شمع کماست
بازار شوق گرم ہوا وہ شمع بج کمان ہے
تا کہ اپنی جان او سکر آتش رخ پسند کروں
سبب نہ کروں بے شمار کروں۔ یعنی بازار شوق گرم ہو رہا ہے معشوق کمان ہی تاکہ او سکو چہرہ پر

بیا میکدہ وضع و ترسب جا ہمین اگر چه چشم پا و اعظا از حقارت کرد
 شراب خانہ میں آسیر اقرب و مرتبہ دیکھ اگر چه و اعظا نے ہماری طرف حقارت کی نظر کی کہ
 میکدہ سے مقام عشق یا عالم جبروت مراد ہے یعنی اسی مخاطب عالم عشق یا عالم جبروت میں آ اور
 اوس جگہ ہمارا مرتبہ محبوب حقیقی کے نزدیک دیکھنا کہ ہم کو حقیقت معلوم ہو جائے اگر چه عالم ناسوت میں
 ظاہر میں و اعظا ہم کو ذلیل و خوار سمجھتا اور ہم پر حقارت کی نظر میں ڈالتا ہے۔

نشان مہر محبت جان عاشق جوئی اگر چه خانہ دل محنت تو غارت کرد
 محبت و وفا کا نشان عاشق کی جان پر ڈھونڈا اگر چه تیری محنت نے خانہ دل کو برباد کر دیا ہے
 یعنی اسی محبوب کو تیری محنت اور مصیبت نے عاشق کا خانہ دل ویران کر ڈالا تاہم اگر سہر ہی
 تو ہذا وفا کا نشان پانا چاہتا ہو تو اس کو جان سے ڈھونڈو۔

اگر امام جماعت بخواند ش امروز خبر و مہید کہ حافظ کی طہارت کرد
 اگر آج بھی جماعت کا امام بلائے تو اس سے کہہ دو کہ حافظ شراب سے وضو کیا
 خلاصہ یہ کہ حافظ شراب سے مس تھا پھر بھی ہے اور تمنا یہ بھی ہے وہ آج نماز نفل کہہ

نہیں پڑے گا۔
 بستر جام جم آنکہ نشن تو نے کرد کہ خاک میکدہ کل بھر تو نے کرد
 جام جم کر بید پا و سوت نظر کی جاسکتی ہے کہ جب میکدہ کی خاک کو آنکہ بستر بنالیا جاوے

جم سے مراد اور جام سے ساغر عشق و محبت مراد ہے اور مطلب یہ کہ مرشد کر جام کا راز و سوت
 دیکھا جاسکتا یا سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب بخانہ کی خاک جس سے مقام عشق متصور ہے بجائے
 سر کے آنکھوں میں لگائی جائے اور نہ ان آنکھوں سے وہ راز کہیں دکھائی نہ دیکھا

گدائی در مینخانہ طرفہ اکسیر نیست گرین علی کبھی خاک زر تو نے کرد
 مینخانہ کوہ کی فیزی طرفہ اکسیر ہے اگر تو اس پر عمل کرے ہو نا کر سکتا ہے
 مباحث بی می و مطرب یز حیرت خجود کزین ترانہ غم از دل بدر توانی کرد

خیلہ آسمان کو نیچر بلا شراب و مطرب کمرست رہ اسلئے کہ یہ ترانہ غم کو دل سے باہر نکال دینا کہ
 می سے عشق و مطرب سے مراد اعتبار اس کے کہ وہ مخالف اور معارف کو بیانات کر کے منہ بند کر دے

خائن سے مخلوق کا تعلق ایسا زبردستی ہے کہ تو وہ دوسرے کو بھول سکتا ہے لیکن شہین شاہل ہو چکی اجازت ہائے میں۔

بجائے طعنہ اگر تیغ میں زند دشمن
ز دوستی بہت اریم سر خیر باد اباد

طعنہ کی بجائے اگر دشمن تلوار ہی مارے
جو کہ ہو سو ہو ہم دوست ہر زمانہ ہو

ز دوست عشق تو جان را میسر و حافظ
کہ جان ز محنت شیرین نمیدہ فرما د

حافظ تیری عشق کہ ہاتھ سے جان سلا نہیں لیا بیگنا
کہ باوجود بڑی محنت کے بھی فرما د اپنی جان سلا نہیں لیا

یعنی جب فرما د عشق میں اپنی جان شیرین باوجود محنت کی بھی سلامت نہ لیگیا تو حافظ تیری عشق کے

ہاتھ سے کیسے جان برہو سکیگا۔

باب روشن می عارفی طہارت کرد
علی الصباح کہ میخانہ رازیارت کرد

اوس عارف و شراب کے چمکدار پانی سے غسل کیا
پینے کے صبح کیوقت میں شکر زیارت کی

آب روشن می معاصفت بیانہ یعنی عشق و محبت ہے۔ اور میخانہ سر مراد عالم عشق یعنی جس

عارف نے کہ صبح کیوقت عالم عشق کی زیارت کر لی اسے گویا عشق انہی کے پانی سے وضو یا

غسل کیا اور جو کچھ طوئبات اوس کے دل میں تھیں وہ سب دھو ڈالی۔ بعض نے علی الصباح سے

روز ازل مراد لیا ہے یعنی طالبان حق اور عارفان کامل کو عشق آج سے نہیں ہوا بلکہ روز ازل

میں ہی اونکا فرہ عشق بازی پر پڑا تھا جنہوں نے کہ چشمہ عشق سے طہارت کی۔

ہمین کہ ساغریں خورشیدان کروند
ہلال ابرو سانی بی اشارت کرد

جیسے ہی کہ سورج کو زمین سامنے کو پوشیدہ کیا
ابر و سانی کو ہلال و شراب کیلوت شاہ کیا

یعنی جیسے ہی کہ سورج چہا مرشد کامل نے طالبوں کو می محبت پیکرست ہونے اور بوجہ

کرنے کا اشارہ کیا۔

خوشا نماز و نیاز کسے کہ از سرود
باب دیدہ و خون جگر طہارت کرد

کسی نماز و نیاز اچھی کہ درد سر کیوہ ہے
افسون اور خون جگر سے دمنو کر لیا

ہمای بادہ خون لعل چہیت جو عقل
بیا کہ سودی بر دین تجارت کرد

لعل کی طرح سرخ شراب کی قیمت کیا جو ہر عقل ہے
اگر اوس نے نفع اوٹھایا جسو تجارت کی

یعنی اگر نور یا صفت کو فائدہ سے آگاہ ہو جائے تو اپنا سرا سراسر دینے کے جس طرح شمع
ہنسی کیلئے اپنا سر کٹوا دیتی ہے۔

ولی تو غالب معشوق و جام کی خواہ : طمع بدار کہ کار و گز تو اسے نہ کرو

تو جینک لب معشوق اور جام شراب کا خواہ : امید ست رکھ کہ دوسرا کام کر سکے گا

گرامین نصیحت شاہانہ نشینوی حافظ : بشاہراہ طبع بقیہ گزر توانی کرو

اگر حافظ اس شاہانہ نصیحت کو سنے : تو طریقت کی شاہ راہ ہو گزر کر سکتا ہو

جنی اشعار اس غزل میں ہیں وہ سب عشق معرفت کی ہدایت ہو کر ہو رہے ہیں لہذا مقطع میں حسب

قاعدہ اپنی طرف خطاب کے فرمایا کہ اس حافظ اگر تو یہ نہ کہو رہ نصیحتیں جو ایک اعتبار سے شاہانہ طور

رکھتی ہیں خوب گوش دل ہو سنے گا تو طریقت کی شاہ راہ میں آسانی ہو پونج چائیگا۔

بیا کہ ترک فلک خوان روزہ عارت کی : ہلال عید بد و قدح اشارت کرو

اگر ترک فلک روزہ کو خوان کو عارت کر دانا : عید کو چاند نے قدح شراب کو ذکر کیوں اشارہ کیا

اس حافی نے کہ روزہ کو تمام ہوسے اور عید کے چاند نے قدح شراب کی اجازت دی علاوہ اس کے

پہلے مصرع میں ترک فلک کا خوان روزہ کو عارت کرنا اس اعتبار سے بھی کہ ترک لوگ اپنی

رستہ کو موافق خوان لینا کو ٹوٹا کرتے ہیں بہت ہی پر معنی ہے۔ اصطلاح میں ترک فلک میرٹج

کہتے ہیں جس سے بہان عشق مراد ہو۔ روزہ سے نہ بد و ورع ہلال سے جذبہ محبت منظور کرنا چاہی

پہلے عشق نے ہمے پر ہیز گاری کو ٹوٹ لیا اور جذبہ محبت نے قدح شراب معرفت مہنی کی طرف اشارہ

کیا پس اس حافی مرشد کامل آتا کہ می عشق پیکر خوبست ہون اور نشہ و فغان کو مزے لوٹیں۔

ثواب روزہ و حج قبول آنکس برد : کہ خاک سیکدہ عشق راز باریت کرو

روزہ اور حج قبول شدہ کا ثواب دوسرا حاصل ہوا : جسے مینانہ عشق کی خاک کی زیارت کر لی

مقام اصل ما گوشہ خرابات است : خداش خیر و ہاد اکملہ این عمارت کرو

ہمارا اصلی مقام گوشہ خرابات ہے : خدا او سونیک اجر دے جو ہنر کہ یہ عمارت بنائی

لوٹہ خرابات سے وہی مقام عشق مراد ہے یعنی مرشد کامل کو خدا نیک چھوٹے جسے یہ عمارت خدائی

سرسر شد و کردل میں بنا کر عشق اتنی قائم کی۔

و جد و سرور میں لاتا ہے پس مطلب یہ ہے کہ اس مخاطب تو دنیا میں بغیر عشق یا تھی اور مرشد کامل
 کے نہ کہنے کہ یہ دونوں دل کو دنیا کے غم سے پاک و صاف کر کے رجوع الی اللہ کر دیتی ہیں
 بعزم مرحلہ عشق پیش نہ قدمے کہ سودا ہری ارا میں سفر تو اس نے کر د
 مرحلہ عشق طے کر نیک ارادہ سوت دم بڑا کیونکہ تو فائدہ اوٹھائے گا اگر اس سفر کو کر سکر گا
 بیا کہ چارہ ذوق حضور و نظم امور فیض بخشی اہل نظر تو اس نے کر د
 آکہ ذوق حضور اور انتظام امور کا علاج اہل نظر کی تسبیح بخشی سے کیا جاسکتا ہو
 ذوق حضور یعنی ذوق حضور ہی محبوب حقیقی۔ اہل نظر سے عارفان کامل مراد ہیں۔ یعنی محبوب حقیقی
 کی حضور کی کا شوق اور جلد امور کا انتظام عارفان کامل کے فیض صحبت با کرم بخشی سے

پورا ہو سکتا ہے
 گل مراد تو انکہ نعت اب کشاید کہ منتش چو نیم سحر تو اس نے کر د
 نیری مراد کا پہول اسوقت نقاب اوٹھاؤ (کھلے) کہ او سکر خدمت نیم سحر کی طرح سکر کرنا
 تو کز سر امی طبیعت نیروی بیرون کجا بکوی حقیقت گذر تو اس نے کر د
 تو کہ طبیعت کز سر امی سے باہر نہیں جاتا تو کو چہ حقیقت میں کس طرح ہو چ سکتا گا
 سر امی طبیعت یعنی خواہش نفس باہر او ہوس۔ یعنی جب تو ہوا و ہوس کو مقام سے باہر نہیں نکلتا
 (ہوس دنیا نہیں چھوڑتا) تو حقیقت کو چہ میں تیرا گذر کیسے ہو گا۔

جمال یار نزار و نقاب و پردہ ولی غبار رہ نشان تا نظر تو اس نے کر د
 یار کا جمال پردہ و نقاب نہیں رکھتا و لیکن راہ کو غبار کو صاف کرتا کہ نظر آ سکے
 غبار رہ کا کیا یہ تعلقات دنیا اور جسم انسانی باہستی ظاہری سے ہے مطلب یہ کہ جمال
 یار پردہ متغیر کچھ نہیں ہے لیکن پہلے تو ظاہری ہستی اور قید جسمانی سے قطع تعلق کر دی ہو تو
 شوق ہو دیکھ کر جب تک تیری نظر تو کو سامنے یہ پردہ رہے گا اسوقت تک جمال یار کو کما ہی نہ دیکھا چنانچہ حافظ صاحب
 دوسری جگہ فرماتے ہیں سے حجاب چہرہ جان میشود غبار تنمہ خوشامد ہو کہ ازین چہرہ پردہ بردارم +
 دلا از نور ریاضت گرا گئے یا بی چو جمع خندہ ز نمان ترک سر توانی کر د
 او دل اگر تو نور ریاضت ہو آ گا ہی پاسے تو جمع کی طرح ہنستے ہو کر ترک سر کر سکتا ہو

قرۃ العین من آن یوہل یادش بود کہ خود آسان بشد و کار مشکل کرد
 میر قرۃ العین جسکی یاد میر کردل کامیوہ ہو جو خود تو سبکبار ہو گیا اور میری کام کو مشکل کر گیا
 سبکبار ہونا دنیا کے بگڑے سے چوٹنا جسم کے بار سے ہٹکا ہو جانا میری کام مشکل کر گیا یعنی میری
 زندگی کو تلخ کر دیا۔ یاد کو دل کامیوہ کنسویہ مراد ہے کہ اسکی یاد دل کو اچھی معلوم ہوتی ہے،
 ساربان یار من افتاد خدا را مددی کہ امید کریم ہمراہ این محل کرد
 امی شتر بان میرا بوجہ گر پڑا خدا کیلئے مدد کر کہ مجھے کرم کی امید دے اس محل کو ہمراہ کیا ہے
 شتر بان سے مرشد مراد ہے۔ بوجہ گر پڑنا منے مبتلائے تفکرات ہو جانا۔ خلاصہ یہ کہ امی مرشد کمال
 میں ہر کلام میں گرفتار ہوں خدا کیلئے میری مدد فرما اور مجھے کوان غمون سے چڑا کیونکہ میں نے
 کرم کی امید پر تیرا واسن بکڑا ہے۔

روی خاکی و تم چشم مرا خوار مدار چرخ فیروزہ طر بخانہ انون کہ گل کرد
 میری خاکی رخ اور زمی آنکہ کو خوار و ذلیل نہ سمجھ بیگلون آسان کی طرب خانہ کو اس میں گل کیا کیا ہے
 مطلب یہ کہ میری چہرہ کی مٹی اور آنکھوں کے پانی کو ذلیل نہ سمجھنا چاہئے اسوائے اسکا کہ آسان کا
 طرب خانہ جس سے عافیت ملے مراد ہے اسی گارہ سے آسان گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عارف کی ذات
 مدار اعلیٰ تک کو زینت بخشی ہے۔

آہ و فرباد کہ از چشم حسود مہر در چند ماہ کمان ابرو من منزل کرد
 آہ و فرباد کہ ماہ مہر کی حسد آنکہ سے میری چاند کمان ابرو کو زمین مقام کیا
 نزدیکی شاہ رخ و فوت شاہ کمان چٹا چکنم بازی ایام مرا غافل کرد
 امی ملاحظہ تو فرما شاہ رخ نماز اور امکان حاتار کیا کروں کہ بازی ایام نے مجھے غافل کر دیا

شاہ رخ مہر نے اس طلب شاہ شہ رخ کو کشت دینا اور رخ کے مارنے سے ہونا ہر فارسی محاورہ
 تھا کہ تیرے ہی سے کشت دینا ضروری ہے جو کچھ تجھے کرنا چاہئے نہادہ نہیں کیا مصوٹانی
 کا جواب ہو کہ بازی ایام نے مجھے غافل کر کے میری اصل فعل سے مجھے باز رکھا۔

بخت از دہان یار شام نمیدہد دولت خیر راز منبہد
 نصیب بار کرد میں کا نشان نہیں دیتا دولت طالع مجھ کو شیر راز نہیں بھلاتا

نماز و رخصت آن ابرو ان محرابے کسی کند کہ بخون جگر طہارت کرد
 وہ شخص ابرو ان محرابی ابرو انکی ہمین نماز ادا کرے جسے کہ خون جگر سے وضو کیا ہو
 امام شہر کہ سجادہ یکشید بدوش بخون دختر زر جامہ افسارت کرد
 شہر کا امام کہ جو بیٹے لکھد ہر پستے پہر تا تھا او سوز دختر زر کے خون سے خرقہ کو پھرک لیا
 دختر زر شہر اہل گوری سے شہر کے امام صاحب جو بہانک متقی تھے کہ جائز نماز کند ہر پستے پہر تا تھا
 اوہون نے شہر ابرو ان گوری سے خرقہ زہر پر داغ لگائے خلاصہ یہ کہ عشق کرتے لگے
 فغان کہ نرگس جماش شیخ شہر امروز نظر بدرد کشان از سر حقارت کرد
 فغان کہ شیخ شہر کی ڈبٹھ آنکھ سے آج عاشقون پر حقارت سے نظر کی
 حدیث عشق ز حافظ شونہ از عطا اگرچہ صنعت بسیار در عبارت کرد
 عشق کی حکایت حافظ سے سنو نہ وا غطا اگرچہ او سنو اسکی عبارت میں بڑی استاد کی
 سے عشق کی حکایت حافظ ہی انہی بیان کر سکتا ہے اگرچہ وا غطا از سین کتنا ہی شک سے ملائے
 تب ہی نہیں بیان کر سکتا "سلو کہ وہ حالت خود او سپہنہن گذری اور حافظ پر گذری ہے۔
 بلبل خون جگر خورد و گلی حاصل کرد باو غیرت بصدش حال پریشان دل کرد
 بلبل نے خون جگر کھا کر گل حاصل کیا تھا باو غیرت نہ سوطر سے او سکا دل پریشان کیا
 یہ غزل خواجہ صاحب نے اپنی فرزند کی انتقال میں لکھی ہے۔ یعنی میں نے خون جگر کھا کر فرزند پایا تھا
 افسوس کہ ہمارے حال میرا دل سوطر سے پریشان کیا۔ خلاصہ یہ لغت جگر کے صد مون میں میں
 سیکڑون طور سے پریشان ہوں۔
 طوطی اہواں شکرین دل خوش باد ناگش سیل فنا نقش اہل باطل کرد
 طوطی کا دل شکرین ہوا سے خوش رہتا تھا ناگاہ سیل فنا نو اسکی نفس امارت باطل کر دیا
 طوطی سے خود او رہو اسے شکرین بنے حافظ صاحب کا نور نظر مراد ہے۔ سیل فنا کا
 اشارہ موت کی طرف سے میرا دل اپنے نور نظر کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوا کرتا تھا
 لیکن موت سے ابد دن کے تمام نقش کو کا عدم کر دیا۔ اہل بختی زندگی نقش میں
 باطل کرتا یعنی زندگی کو خوب کر دینا۔

اگر از بند دل زابہ خود بین بستند

اگر زابہ خود بین کے دل کیلئے بند کر لیا ہے

در میخانه بہشتند حب ایا پسند

اسی خدا میخانہ کو در کو بند کرنا پسند نہ کر

بے ایوان اللہ تعالیٰ تو عالم عشق کے در کو بند کر لینا پسند نہ فرما سکتے کہ اگر یہ بند رہا تو ظاہری

عالم کو فریب کر گھر کا دروازہ کھول لین گرا اور اوس میں مخلوق کس جاییگی۔

گیسو چنگ بے برید برگ می ناب

چنگ کی گیسوی ناب کیا تم میں کاٹ ڈالو

یعنی می ناب کیا تم میں چنگ کا گیسو کاٹ دو تاکہ اور بچیجی ہی اپنی اپنی زلفیں اوسکو یا تم پر کھولیں

مرگ می ناب باعتبار پنی کی ممانعت کر لئے ہیں۔

بصفا می ل زیدان صبوحی زدگان

صبوحی پنی و از زندون کے دلکی صفائی کو

نامہ تعزیت دختر زر بنو سید

دختر زر کے لئے نامہ تعزیت ملکہو

خلاصہ یہ کہ اکیار ان طریقہ شراب کرنا تم میں تعزیت نامی لکھو تاکہ تمام عاشق اون کو بڑھیں

اور روئیں۔

حافظ این خرقہ پوش شہینہ بی بی فردا

حافظ تو اس خرقہ پوش شہین کو کل دیکر گا

خرقہ شہینہ سے لباس عریانی مراد ہے چونکہ خرقہ اسلام کی علامت ہے اور زنا کفر کی

اسلئے بہم دونوں الفاظ ضد ہیں۔ مطلب یہ کہ اسے حافظ تو فردا کے قیامت کو دیکر گا

کہ کتنے مدعی اسلام جو ظاہر میں خرقہ عبادت پہنے ہوئے تھے لعل میں زنا چپا کر

پہنے تھے یعنی اس خرقہ کی نیچے زنا رکھا جو اسکا اصل سک تھا اور خرقہ نیچے زنا رکھتا ہے

ظاہری اسلام اور دنی کفر مراد ہے۔

دل قوی دار کہ از بہر خدا بکشایند

تو دل مضبوط رکھ کہ خدا کیلئے کھول دین گے

کہ در خانہ تزویر وریا بکشایند

کہ ریا و فریب کا دروازہ کھول لینا ہو

عالم کو فریب کر گھر کا دروازہ کھول لین گرا اور اوس میں مخلوق کس جاییگی۔

ماہمہ منجھگان زلف دو با بکشایند

تاکہ تمام منجھ زلف دونوں کو کھول لین

یعنی می ناب کیا تم میں چنگ کا گیسو کاٹ دو تاکہ اور بچیجی ہی اپنی اپنی زلفیں اوسکو یا تم پر کھولیں

مرگ می ناب باعتبار پنی کی ممانعت کر لئے ہیں۔

بس در بستہ بفتاح دعا بکشایند

بہت سربستہ در دعا کی پنی کو کھول دین

تا حریفان ہمہ محون از مژہا بکشایند

تاکہ تمام حریف اپنی ہلکون سے خون ٹپکا دیں

خلاصہ یہ کہ اکیار ان طریقہ شراب کرنا تم میں تعزیت نامی لکھو تاکہ تمام عاشق اون کو بڑھیں

اور روئیں۔

کہ چہ زنا ز زریں بجا بکشایند

کہ کیسے زنا راوسکی نیچے سربستہ رکھا جائے ہیں

خرقہ شہینہ سے لباس عریانی مراد ہے چونکہ خرقہ اسلام کی علامت ہے اور زنا کفر کی

اسلئے بہم دونوں الفاظ ضد ہیں۔ مطلب یہ کہ اسے حافظ تو فردا کے قیامت کو دیکر گا

کہ کتنے مدعی اسلام جو ظاہر میں خرقہ عبادت پہنے ہوئے تھے لعل میں زنا چپا کر

پہنے تھے یعنی اس خرقہ کی نیچے زنا رکھا جو اسکا اصل سک تھا اور خرقہ نیچے زنا رکھتا ہے

ظاہری اسلام اور دنی کفر مراد ہے۔

از ہر بوسہ لبش جان ہمید ہم ایشم نمی ستاند و آنم نمید ہم
 او سکر بوسہ لب کو لری میں جان دیتا ہوں (مکرونی) بندہ یہ مجھ سے لیتا ہی اور نہ وہ مجھ سے دیتا ہر
 میں چاہتا ہوں کہ او سکر بوسہ لب کی غیوض میں جان دیدون مگر بار ایسا مستغنی ہے کہ نہ جان
 لیتا ہی اور نہ بوسہ دیتا ہے غرض کہ وہ اس قسم کا تقابض البدھین ہی نہیں کرتا۔
 مردم را انتظار و درین پڑہ راہیت یاہست پردہ دارانشا ایشم نمید ہم
 میں انتظار میں رہ گیا اور پردہ کی راہ پناہی یا پردہ ہے مگر پردہ دار نشانای نہیں بلاتا
 پردہ کا کیا یہ معرفت کی طرف اور پردہ دار سے عارف کامل مراد ہے یعنی میں انتظار میں مردہ
 ہو رہا ہوں پس باوجود معرفت انہی کے پردہ کی کوئی راہ نہیں یا مرشد کامل مجھے نہیں بتلاتا۔
 شکر بے ہمت ہر عاقبت شستے بدخمد کی زرا تا شد ایشم نمید ہم
 آخر کار ضیہ و شکر ہی مدد کرتا ہے لیکن زما نہ کی بدخمد ہی مجھے نہیں نہیں رہتی
 خلاصہ یہ کہ صبر اور شکر سے کام تو چلتا مگر کا یعنی گو ہر مقصود ہاتھ آئے گا لیکن تبتانگی بہمدی ہی عین لہو و کر
 زلفش کشید باد صبا چرخ سفندہ بین کا بنجا بجاں باد و زرا ایشم نمید ہم
 او سکی زلف باد صبا کو کھولی مگر چرخ سفندہ میں اب جگہ جگہ باد کو برابر ہی وہ نقل نہیں دیتا
 یعنی اس چرخ سفندہ پر درگزر میں باد صبا کو کوئی قدرت ہی کہ وہ زلف محبوب کھول سکے لیکن ہی انہی ہی مجال نہیں
 چند آنکہ بر کنار چو پر کار میروم دوران چو نقطہ رہ بیامم نمید ہم
 ہم کنارہ پر پر کار کی طرح پھر رہی ہیں گردش زمانہ نقطہ کی مانند درسا نہیں جگہ نہیں رہتی
 گفتم روم بخواب کہ بنیم جال یار حافظ ز آہ و نالہ امانم نمید ہم
 میں تو کہتا تھا سو جان ناکہ جال بار دیکھوں مگر حافظ اپنی آہ و نالہ سے مجھ چین نہیں لیتی دیتا
 حافظ سے دل مراد ہی اور گفتم کی تفسیر شکم حافظ صاحب کی طرف پھرتی ہے یعنی میں نے بہتر اچا ہا کہ سو جاؤں
 اور خواب میں جال بار دیکھوں مگر دل کی آہ و زاری کہاں سونے دیتی ہے۔
 بود آیا کہ در یکدہا بکشاہند گرہ از کار فرو بستہ ما بکشاہند
 شاید ایسا ہو کہ بیخاندہ کو در کو کھول دین ہمارے کرہ کو کام کی گرہ کو کھولیں
 یہ غزل حالت فیض میں لکھی گئی ہے اور ربط چاہتی ہے۔

اور نے شخص غنیمت مراد کیسے پاسکتا ہے۔

آہ ازین دل کہ بصد بند نیکیہ و بند

جز ریت تو نثار و دل عاشق میل

اس لہر افسوس کو سو بند تو کیا جو بھی نصیب نہیں پڑتا

سوائے تیری زلف کہ عاشق کا دل کوئی خواہش نہیں کرتا

کہ بینا دہی قامتت از دہر گزرتند

شب و روزت معا عاشق بیدار گوید

کہ تیرا سہی قد زانہ سے کوئی نقصان نہ دیکھے

رات دن عاشق بیدار مانا لگتا ہے

ز انکہ دیوانہ ہمان بہ کہ باند در بند

بازستان دل زان گیسو و مشکین چاقا

اس واسطے کہ دیوانہ وہی بہتر جو بندین رہے

اسی حافظاویں گیسو و مشکین سے دل دہاں کر

مطلب صاف تشریح طلب نہیں۔

ہمارا غرض خط بخون ارغوان دارد

تمی دارم کہ گرد گل ز سنبل سائبان دارد

اوسکو عارض کی ہمارا خط خون ارغوان کا رکھتی ہے

میں ایسا مشوق رکھتا ہوں کہ گل گرد سنبل کا سائبان

یعنی میں ایسا مشوق رکھتا ہوں کہ جو عارض کے گرد گل کی طرح زلف سنبل سے سائبان لگتا ہے

اور عارض کی ہمارا اوسکو خط رنگین سے خون کی طرح ارغوانی ہے خط بخون کسی داکشتن

معاورہ فارسی اوسکی قتل کا سامان ہمارا رکھتا۔

حیات جاودا نش وہ کہ حسن جاوداں دارد

غبار خط پو شایند خورشید رخس یارب

اوسکو ہمیشگی زندگی دی کہ حسن جاودانی رکھتا ہے

یا اللہ خط کا غبار اوسکو خورشید نکونہ دہانے کے

خلاصہ یہ کہ یا اللہ خط کا غبار اوسکو چہرہ خورشید کونہ ڈکے اور اوسکو ہمیشہ کی زندگی عطا فرما کہ

وہ لا اوال حسن رکھتا ہے۔

ندستم کہ این یابہ موج بکیران دارد

چو عاشق بشدم غمغم کہ بردم گوہر مقصود

مگر یہ بجا نکات کہ بے یابہ ہی بڑی موج رکھتا ہے

جین عاشق ہوتا تو کتنا کہ میں گوہر مقصود ہا لو لگا

دریائے عشق مراد ہے باقی مطلب صاف۔

کہ ہر گل اعتمادی نیست حین جوان دارد

چو در و پخت بخند و گل مشور مشرا می بلبل

کہ ہر گل اعتبار نہیں ہر گز وہ پورا حسن رکھتا ہے

جول تھر و شگاہ پخت و بلبل نو اوسکو دام میں نہ پیش

خلاصہ یہ کہ امی عاشق اپنی اکھوتانہ ہی مشوق پر فریاد نہ کر اس واسطے کہ حین بڑا اعتبار ہے۔

بعد ازین دست من و دامن آن سرو بلند
 کہ بالا و چنان ازین و چمن سر بلند
 اسکو بعد میرا ہاتھ اور اس سرو بلند کا دامن ہوگا
 کہ جسکو خرام ناز و فیسری پنج و بنیاد کو او گھیر دیا
 پنج و بنیاد کو او گھیرنا تباہ و برباد کر ڈالنا یا عنان صہرا تھم سے چوڑ دینا واضح ہو کہ حافظ علیہ الرحمۃ
 شاہ چمن کو بڑی پر عاشق ہو گئے تھے۔ جب حالت ہجر میں صبر و قرار نہ پا تو یہ غزل لکھ کر بطور عرض
 کے اوسکو پاس بھیجی تھی۔ یعنی ایک مجھے ضبط نہیں کی سکتا پس تمہارا دامن ہوگا اور میرا ہاتھ کیونکہ تمہاری
 طرز خرام نے مجھے تباہ کر دیا ہے۔

حاجت مطرب می نیست تو برقع بکشی
 کہ برقص آ ورم آتش رویت چو پسند
 مطرب می کی حاجت نہیں تو برقع کھول دے
 کہ جھکونی چہ کی تاب شل پسند کھن بڑا سکتی ہو
 یعنی میری دست ہو کرنا چہ کو دے تو کو مطرب اور شراب کی ضرورت نہیں صرف توغ سے برقع ہٹا دو میں
 پسند کی طرح اوسکو تاب سر قفس کرنے لگوں گا۔

پس رویش شود آئینہ ہیرہ بخت
 مگر آن روی کہ مالند بران سم سمند
 کوئی چہرہ نصیب کے موند نہ کا آئینہ نہیں
 مگر وہ چہرہ ہیرہ سمند محبوب کا سم رگڑا جائے
 علامہ یہ کہ کوئی چہرہ ایسا روشن نہیں کہ جہین میری نصیب کا عکس نظر آئے البتہ اس میں
 نظر آسکتا ہے کہ جو معشوق کے گھوڑے کرسم سرگڑ کر صاف کیا گیا ہو۔

گفت سہرا غمت ہر چہ ہو گویم باش
 صبر ازین پیش ندام چکنم تا کی و پسند
 تیر غم کا حال بیان کرتا ہوں چو کہ ہو جاو
 بن کیا کروں کہ اس سوزیادہ طہر نہیں ہو سکتا
 کش آن آہو شکین مرا اسے صیاد
 شرم از ان چشم سیرا غندش بکمند
 اوس صیاد میری شکین ہرن کو نہ مار
 اوس سیاہ آنکھ کی شرم کراو اسکو کند کرنے باندہ
 آہوے شکین سے معشوق اور صیاد سے اجل مرا ہے باقی طلب صاف کنایہ اسکا حالت

باز کی طوط سہنا چاہئے۔
 من خالی کہ ازین درتوا غم برخاست
 از کجا بوزنہ غم بر لب آن قصر بلند
 میں خالی کہ اس درتو نہیں اور طہر سکتا
 اوس قصر بلند کو گارہ پر کسے بوسہ دون
 مطلب یہ کہ من خالی تیرا وجود در معشوق پر پڑا ہوں۔ اس بلند مراد یا اعلیٰ مقصد کو نہیں پہنچ سکتا

قاعدہ ہے کہ سر کے دخت کو جو نیار کے کنارہ نصیب کیا کرے تو من پس مطلب یہ ہے کہ
میری آنکھیں جو کشت گریہ سے پانی کا چشمہ جاری رکھتی ہیں تو آپ سر و قد کو اب و کثر قریب نصیب
خلاصہ یہ کہ میری آنکھوں سے دوزخ ہونے سے۔

ز چشم جان شاید بوز کو ہر بھی میخیزد
کین از گوشہ گردش تیر اندر زمان دارد
نہری شمع جوان سدا نہیں بج سکتی کہتا ہوں کہ
بیشماران جو ہر رخاں حال اہل شکست ہیں
توڑی خاک پر از او اہل شکست کہاں پرورد
کہ چشمہ و کینہ ہر یکے ہزاروں داستان ہیں

دوستو رہے کہ شہر بہشتی و کشت نمود بوز و ز میخیزد گراہستہ ہیں۔ لہذا حافظہ صاحب فرماتے ہیں
کہ حسب وجہ تہذیب و تمدن و انہی کے ہزاروں شہر آباد ہیں اور ہر شہر کے اہل شکست و غم و غم و غم کے
و نیار نہ رہی میری اور ہزاروں شہر آباد ہیں۔ اور ہر شہر کے اہل شکست و غم و غم کے
ہزاروں شہر و نیار میں مشہور ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دنیا سے شہر ہے۔

چرخہ از گشت و گوم کہ ان دنیا سے شہر ہے
پتے گشت حافظہ از و شکر و زبان دارد
اپر نصیب کے کیا از تخیل و خیال کہ اور عبادت شہر ہے
حافظہ کو طبع سے نقل کیا اور ہونہ میں شکر رکھتا تھا
یعنی میری نصیب کی برائی ہو کر ہوئے باوجود شکر و ان ہو کر مجھے طبعی استغناء سے قنل کیا۔

بہ حسن خلق و وفا کس بیار بازسد
تراورین سخن انکار کار بازسد
خلق و فائز کوئی بن کوئی ہمارے بار کو نہیں ہو چکا
اس بات میں تیرا انکار ہمارے کار کا امن کیا غلط انداز ہو سکتا
اگرچہ حسن و روشن جلوہ آمدہ اند
کسے بحسن و لطافت بیار بازسد
اگرچہ حسن و روشن جلوہ و کھلائے آئے ہیں
لیکن کوئی ہمارے بار کی حسن کی لطافت نہیں ہو چکا

یہ غزل حضور سرور کائنات کی شان میں ہے ہر شعر کا یہ مطلب ہے کہ کوئی خلق و فائز بن کر برابر نہیں ہو سکتا
مگر ہر انکار سے ہمارے اعتقاد میں کبھی غلط واقع ہو گا۔ دوسرے شعر میں حسن و شوخی اور انبیاء علیہ السلام مراد ہیں یعنی
گواہی بخیر دنیا پر نازل ہو کر آپ کو حسن و خلق کو کوئی بھی نہیں ہو چکا۔

بقی صحبت میرین کہ ہر محرم راز
بیار محبت حق گز از بازسد
پرانی صحبت کے حق بھی کوئی محرم راز
ہمارے بار محبت حق گذار کو نہ ہو چکا

خدا را دامن بستانان و ابر شمع مجلس کہ می باد گلشن در دست بلبل گران ارد

ای شمع مجلس خدا کے لئے اوس کی میرا فیصلہ کر کہ او منور و سرور کی ساتھ شمع زنی اور بلبل گران ہے
ازدی نہیں محبوب کی طرف ہے جس سے شاید مقصود اور شمع مجلس سے مرشد کامل مراد ہے
باقی مطلب تشریح طلب نہیں۔

چو دام طرہ افشانہ ز گرد خاطر عاشق بغماز صبا گوید کہ راز من نہان دارد

جو طرہ کا ہال خاطر عاشق کی گرد سے ہوائے تو بھنل خور صبا کہو کہ میرا سید پوشیدہ رکھی
یعنی اگر معشوق اپنی زلفت کو ہال سے عاشق کی گرد کو ہواڑے تو ہوا سے کہد وہ وہاں کی
غبار کو اڑائے نہ پہرے اس لئے کہ میری عشق کا حال معلوم ہو جائیگا۔ گویا گرد کو اڑانا
بھی ہوا کی بھنل خوری ہو کہ وہ عاشق کا راز افشا کر دیتی ہے۔

ز خوف مجرم امین کن اگر امید آن دارد کہ از چشم بداند نشان خدا در امان دارد

بھو مجرم کی اندیشہ سے بھگ کر دی اگر تو یہ امید رکھتا ہے کہ دشمنوں کی چشم بد سے خدا تجھے محفوظ رکھے
چہ افتادہ است دل من کہ ہر سلطان معنی را درین درگاہ می بینم کہ سر آستان دارد
اس راہ میں کیا افتادہ ہو گا و شاہ مستوی کو بین دیکھنا ہوں کہ اس درگاہ کو آستان پر سر رکھتا ہے

سلطان معنی سے عارف کامل و عاشق صادق۔ درگاہ سے مراد درگاہ محبوب حقیقی ہے یعنی

کیا بات ہے کہ درگاہ محبوب پر ہر عارف و عاشق بعد نیاز سر تسلیم جبکا می ہو می رہتا ہے

بشر اک امی بندی خدا را زود صمیم کن کہ آفتناست تاخیر طالب ایان دارد

جو بھو فزاگ سے باندہ تھا ہر تو خدا کو جلد شکار کر کہ تاخیر میں آتین میں جو طالب نقصان پہنچائی ہیں

فزاگ شمع کو کہتے ہیں جو گھوڑی کی زین میں ماری ہو می شکار کے باندہ بنے کو لگا ہوتا

ہے۔ خلاصہ مطلب یہ کہ اسے مرشد تو نے اگر بے ارادت کے فزاگ میں باندہ

ہے۔ تو میرا شکار ہی عشق اکہی میں جلد کر لیونکہ دیر میں آتین میں جو طالب نقصان پہنچائی کرتی ہیں

زیر قد ولایت کن محروم چشم را بدین سر چشمہ اس شمشان خوش گران ارد

اگر سر قد بلو سے میری آنکھ کو محروم کر اس سر چشمہ پر قائم کر کہ کیا اچھا آہدوان رکھتا ہے

بسوخت حافظ و ترسم کہ شرح قصہ او بسبع بادشہ کامگار مانرسد

حافظ جل گیا اور میں درتا ہوں کہ اوس کا قصہ ۔ ہماری شہ کامگار کے کان تک نہ پہنچے
نی کہیں ایسا ہو کہ حافظ کے آتش عشق میں جل جائے کا حال معشوق کو معلوم ہو چاہے حافظ
سے عشق میں جلا کر سوخت ہو گیا ہے ۔

بیا کہ زایت منصور پاوشاہ رسید نوید فتح و بشارت بہر وہ ماہ رسید

اگر شاہ کی نصرت کا بہت سدا پہونچا فتح و بشارت کی خوشخبری چار سو چک پہونچی

تھے ہیں کہ یہ غزل تہنیت میں لکھی ہے اور اپنی آپکو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ آؤ میرے تضرع کر کہ
عبدالوہاب شاہ کا جہنڈا فتح کر کے پہرا اور خوشخبری فتح و بشارت بہر وہ ماہ تک پہونچی

جمال بخت ز روی ظفر نقاب آفتاب کمال عدل بفریاد وادخواہ رسید

جمال بخت نے ظفر کے سبب نقاب اوٹھائی کمال انصاف وادخواہ کی فریاد کو پہونچا

پہر دور خوش کنون زند کہ ماہ آمد جہان بکام دل کنون سر کہ شاہ رسید

اب پہر نے دور چاہا کیا کہ چاند نکلا اب جہان دل کے مقصد کو پہونچی گا کہ شاہ اب پہونچا

ز قاطعان طریق آن بیلان شونداہین قوافل دل و دانش کہ مرد راہ رسید

راہ لوٹنے والوں سے اوس وقت بیکار ہون گئے دل و دانش کے قافلے کہ مرد راہ کا پہونچا

قاطعان طریق سے شیطان و نفس آثارہ اور مرد راہ سے راستہ کا محافظ مرشد مقصود ہی یعنی دل
و دانش کے قافلے اب نہیں لوٹے جائیں گے اسلئے کہ مرشد وقت پہونچا ہمارا شعر کا اشارہ شاہ
کی طرف کو ہو گا کہ جو اس غزل کا سر مضمون ہے ۔

عزیز مصر بزم عم برادران غمور ز قمر چاہ بر آید باوج ماہ رسید

شاہ مصر برادران غمور کے زعم کے خلاف قمر چاہ سے نکل کر چاند کی بلندی پہونچے

عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام کو کہتے ہیں یعنی آپ کے بہائیوں نے تو کنوئیں کے قعر میں ڈالا تھا
مگر یوسف علیہ السلام اس پستی کے خلاف رتبہ میں چاند تک پہونچے یعنی مصر کے بادشاہ ہو گئے اسی طرح
ہمارا مروج دشمنوں کے خلاف منشا فتح ظفر حاصل کر کے پہرا حالانکہ وہ اوس کا ظفر لب ہونا نہیں
چاہتے تھے ۔

صحبت دیرین اوس صحبت کیلئے آیا ہے کہ جو عالم اطلاق میں میسر نہتی۔ یکجہت یا رجنی گذر کا اشارہ
سہرا اقبال کی طرف ہی یعنی باوجودیکہ اور انبیاء ہر سلین ہی عالم اطلاق میں ہم صحبت و محرم راہی تھی
مگر یہی تو وہ آپ کی رہنمائی کو نہیں پہونچے

ہزار نفست بہ بازار کائنات ارند
ہزار ون نفست کائنات کے بازار میں لائے
دریغ قافلہ عمر آچنان فرستند
افسوس قافلہ عمر کا اس طرح چلے سے جائے ہیں
قافلہ عمر سے ایام عمر مراد ہیں یعنی افسوس ہے کہ عمر کو دن برابر گزرتے چلے جاتی ہیں اور ہم کو معلوم ہی نہیں
ہوتا کہ ہمارے عمر کو ایام بون کم ہو رہی ہیں۔

ہزار نقش بر آب ز کلاک و صنوع کیے
ہزار نقش بر آب کی طرح کلاک و صنوع کیے
صانع کرم کو ہزار نقش نکلتے ہیں لیکن ایک ہی
ہمارے نقش کی دلپذیری کو ہمیں پہونچتا
اس میں پہلا صانع دوسرے کو تابع ہے جبکہ کوئی نہ دو طرح ہو سکتی ہیں۔ اول تو یہ کہ ہمارے نقش نگار کی دلپذیری
کوئی نقش نہیں پہونچتا یعنی جتنا ہمارا عشق و دلپذیری ہر ایسا کوئی نقش صانع کو قلم نہ دلا دینا نہیں بنایا۔ گذرے
صورت میں نقش نگار محبوب کی صفت ہوگی جس سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہو سکے۔ دوم
یہ کہ اگر نقش نگار کے معنی نقش بنایا اور اگر لیں تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ صانع کو قلم نے ہزار نقش بنائے مگر کوئی
کوئی دلپذیر نہ ہوا جیسا کہ منشی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی لکھتے ہیں ۷ شبیہ نظر ہو کسی کہ کوئی
پوری نہیں اوترتی + مٹا دے صانع ازل نے ہزاروں نقش بنائے مگر

ولا ذلطن جسدان منج و امین باس
دل حاسدون کو طعنوں سے بچدہ نہوا اور بفرار رہ
چنان بزمی کہ اگر خاک رہ شوی کہن را
عبار خاطر می از رنگہ دل را نہوا
اس طرح ہی کہ اگر خاک رہ ہی ہو جاوے
نہی کسی خاطر کو ہماری رنگہ نہوا
یعنی اس طرح کی زندگی کرنا کہ اگر رفتی ہو راہ کی خاک ہی چسبے تو کسی خاطر پر تراغبار اور ٹکرنہ پہونچے
خلاصہ یہ کہ اپنی زندگی میں کسی پر بار خاطر نہوا اور کسی کو منج نہ ہونچا۔

حالتِ ذوقِ مین اسرارِ الہی کے راز کو افشاں کر دے۔

شکسته و از پندر گامت آید که طیب . بمویای لطف تو اعم نشانی داد

ٹوٹے ہوئے کی طرح تیری درگاہ میں آیا ہوں کہ ٹوٹے ہوئے لطف کی موسمیای کا پتہ بتلایا ہے
ٹوٹے ہوئے عضو کو موسمیای جوڑتی ہے اس لئے یہاں ٹوٹے ہوئے سے ٹوٹے ہوئے عضو کی مراد لینا چاہئے

شب کی خمیر محبوب کی طرف اور طیب کا استعارہ مرشد کی جانب ہی مطلب ظاہر۔

برو معالجه خود کن ای نصیحت گوئی شراب و شادی و مساقی گرازیانی داد

ای نصیحت گویا اور ایسا علاج کر

یعنی اے دعا عطا جائے تو اپنا علاج انہیں تین کے طالبِ کرگوں کہ شراب اور معشوق و ساقی ایسی چیزیں ہیں

چندوان سنے کسی کو کہی نقصان نہیں پہونچایا۔

شش دست و دیش شاد باد و خاطر خوش که دست داد و دیش او نالتوئی داد

تجربہ کا صحیح وسالم دالہ اسکا شاد اور غلام اور سکی خوشی کہ داور و ہر شے کے ہاں شہر نے داور ناتوانی کی دی

گشت برین مسکین و بارقیباں گفت در بیع عاشق مسکین من کہ جانی داد

مجدداتوان کے پاس ہو کر گذر اور قیہوں کو کہہ دیا۔ میرے عاشق مسکین یا فوس کا دل سوچ جان دیدی

خزینہ و احفاظارگو سرا سرار
بیمین عشق تو سرمایہ جهانی داد

دلِ حافظ کے خزانے کو ہر اسرار کا
عشق کی برکت کی وجہ سے جہاں کو سراپا دیا

جو کہ حافظ کا دل عشقِ محبوبِ حقیقہ کی برکت سے گوہرِ اسرار کا خزانہ تھا اس لئے اس نے تمام جہان کو

سرای عشق و محبت ہو گیا دیا۔

سیرانه سرم عشق ز جوی بسرافتاد و آن راز که در دل نهفته بدرافتاد

پیرانہ مری من اک چھان کا عشق پیدا ہوا
وہ راز کہ جو میں نے دل میں چھپایا تھا ظاہر ہو گیا

از راه نظم و عدل گشت موافق
ای دنده نظر کن که بدام که در افتاد

ای راہ نظر سے دیکھو گے ہوا پر
ای آنکھ غور کر کے کیسے جال میں پھنسا

خداوند کے سر ادا ہاں کہ نظر میرا تیرے سے جاتا رہا اور بے اختیار ہو گیا اے آنکہ تو نہیں دیکھتی کہ کس

شیخ کے والدین نے اسے گھرا کر

کی است صوفی و جانِ چشمِ ملیح شکل بگو بسوز کہ مہدی دین پناہ رسید
 دجالِ چشم اور ملیح شکل صوفی کہاں ہے کہو جہاں کہ دین کی پناہ مہدی آپہونچا
 ملو راہ حق سے پہنچو الے بیدین اور فاسق کو کہتے ہیں۔ صوفی سے مکار صوفی مراد ہے۔ مہدی
 دین پناہ مرشد۔ باقی مطلب صاف ہے۔

صبا بگو کہ چہا برسِ درین غمِ عشق ز آتشِ فل سوزان و برقِ آہ رسید
 صبا بتا دو کہ پیری سر کیا کچھ اس غمِ عشق میں دل سوزان کی آگ اور آہ کی بجلی سے پہنچو گا
 ز شوقِ روی تو جانان بریں اسیرِ فراق ہماں رسید کہ ز آتشِ ہرگ گاہ رسید
 ای جانان تیری چہرہ کے شوق میں اس فراق کو کبیر وہ کچھ گدرا کہ جو آگ سے گہاس کے تنکے پر گزرتا کہ
 یہی جسطح آگ گہاس کے تنکے کو ایک لپٹ میں جلا دیتی ہے اسی طرح تیری فراق دید نے عاشقِ زار کو
 ایک لپٹ میں جلا کر خاکستر کر دیا۔

مرو بخواب کہ حافظِ مبارک گاہ قبول زورِ نیم شبِ درسِ صبح گاہ رسید
 سمجھا کہ حافظِ بارگاہِ قبولیت میں وظیفہ نیم شبی اور درس صبح گاہ کی پہنچا کہ
 خلاصہ یہ کہ ای مخاطب تو غافل نہ ہو ہشیار رہ کیونکہ حافظِ وظیفہ نیم شبی اور درس صبح کی پہنچ سے
 بارگاہِ قبولیت میں پہنچا ہے اگر تو یہ کر گیا تو یہی قبول ہو جائیگا۔ ہندی مثل ہے سویا سوکھو یا
 جاگا سو پایا۔

بنفشہ دشن بگل گفت و خوش نشانی دا کہ تاب من بچہاں طرہ فلانی داد
 گل بنفشہ نے گل سے کہا اوجا چاہتہ بتلایا کہ مجھ کو جہان میں تاب فلان کے طرہ نے دی تو
 فلان کا اشارہ محبوب کی طرف بنفشہ سے عاشق اور گل سے مرشد مراد ہے یعنی گل عاشق نے مرشد
 کہا کہ مجھ کو جہان میں رخص محبوب نے پیچ و تاب میں ڈالا ہے خلاصہ یہ کہ اپنا اسیر بنا لیا ہے۔
 دلم کہ مخزنِ اسرار بود دستِ قضا دشن بیت و کلیدِ شبن لسانی داد
 میرادل کہ خزانہ اسرار کا تھا دستِ قضا دروازہ اور سکا بند کر کے کبھی محبوب کو دیدی

دستان سے محبوبِ حقیقی مراد ہے۔ اور مطلب یہ کہ میرادل اسرار الہی کا خزانہ تھا چونکہ اسرار الہی ظاہر
 نہیں کی جاتے اس وجہ سے قضا و قدر نے اسکا دروازہ بند کر کے کبھی محبوب کو دیدی تاکہ عاشقِ زار

گر جان بد ہنسک سیہ لعل نرود باطنیت اصلی چکن بد گہر افتاد
 اگر جان ہی دید تو سیہ پتر لعل نہیں ہوتا طینت اصلی کا کیا علاج کیا جاوے کہ بد گہر واقع ہو
 یعنی جس طرح جان کہو دینے سے ہی سنگ سیاہ لعل نہیں بنی ہوتا اس طرح بد طینت دہ گہر کی افتاد مزاح کا
 علاج نہیں ہو سکتا۔

حافظ کہ سر زلف بتان خوش نشین ہو بس طرفہ حریفی ست کش اکنوں لبہ افتاد
 حافظ کہ جو معشوق کی زلف کا عاشق تھا اب ایک طرفہ حریف او سکے پائے پڑا ہو
 خلاصہ یہ کہ حافظ ہمیشہ معشوق کی عاشق کیا کرتا تھا مگر اب جو معشوق او سکے پائے پڑا ہے وہ غضب کا
 حریف ہے۔

برید باد صبا دوشم آگہی آورد کہ روز محنت و غم رو بکو تہی آورد
 باد صبا کا تھکا دینا میری خوشخبری لایا کہ محنت و غم کے دن اب رو بکمی رکھتے ہیں
 بمطربان صبحی و صبح جامہ پاک بدین نوید کہ باد بھر گہی آورد
 ہم اپنا جامہ پاک مطربان صبحی کو دینے ہیں اس خوشخبری پر کہ باد بھر نے سنائی ہے
 یعنی کل مجھے مرشد نے یہ بات کہی کہ ای طالب خوش ہو جا کیونکہ محنت و فراق کے دن اب آخر
 ہو چکے اور تجھ پر شاہدہ جمال ہو گیا ہے۔ لہذا میں اس خوشخبری کی خوشی میں جو مرشد نے سنائی کہ
 اپنے کپڑے تک مطربان صبحی کو اوتار دوں گا۔ اتنی خوشی کروں گا۔

نسیم زلف تو شد خضر را ہم اندر عشق نہی رفیق کہ بخت ہم رہی آورد
 تیری زلف کی نسیم عشق میں میری خضر رہی ہے میری نصیب نے اچھا رفیق میری ہمراہی میں دیا
 مطلب یہ کہ خود تیری ہی زلف کی نسیم راہ عشق میں میری خضر بن گئی ہے مجھے اپنی نصیب پر تازہ ہو کہ
 جسکی مدد سے ایسا عجیب راستہ بتاؤں گا خضر میرا رفیق رہتا ہے۔

بیا بیا کہ توجہ بہشت را رضوان درین جہان تہ برای دل ہی آورد
 آ آ کہ تجھ جو بہشتی کو رضوان سے اس جہان میں بندہ کے دل کے لپیڑ بھجھا ہے
 چونکہ معشوق کو جو بہشتی قرار دیا اور بہشت کا مالک رضوان ہے اسلئے یوں کہا گیا کہ تجھ کو رضوان نے
 دنیا میں بندہ کے دل کی خاطر بھجھا ہے ورنہ رضوان سے خدا تعالیٰ مراد ہے جو سب چیزوں کا دنیائے

درد آگہ از آن آہوی مشکین سید چشم

چون نافہ بسی خون جگر در دم افتاد

حیف کہ اوس آہوی مشکین سید چشم سے

نافہ کی طرح بہت سی خون میری جگر میں ہو گئی

معتشوق کی آنکھ کو سیاہی کی تعریف میں ہرن کی آنکھ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں اسلئے آہوی مشکین اور سید چشم صفت کی صفت ہو نافہ ہی سیاہ ہوتا ہے اور چونکہ ہرن کی ناف سے نافہ ملتا ہے اسلئے آہوی کے لئے نافہ کا لفظ لائے ہیں۔ مطلب کچھ ایسا پیچیدہ نہیں۔

بار غم از دھن بہر کس کہ نمودم

عاجز شد و این قرعہ بنام زہر افتاد

جس کسی سے کہ اوسکے بار غم کا حال عرض کیا

عاجز ہوا اور اس قرعہ کو میری نام پر ڈالا

از رہگذر خاک سرکوی شہا بود

ہر نافہ کہ درد دست نسیم سحر افتاد

تمہاری کوچہ کی رہ گزری خاک تھا

جو نافہ کہ نسیم سحر کے ماتھے آیا

یعنی جو غم شہو کہ نسیم سحر کے ماتھے آئی تھی وہ میرے کوچہ کی خاک کی تھی۔ خلاصہ یہ کہ محبوب کی رہ گزری کی خاک ہی معطر ہوتی ہے۔

شرکگان تو تا تیغ جہانگیر بر آورد

بس شد دل زندہ کہ بریکہ گرا افتاد

جب کہ تیری شرکگان کی تیغ جہانگیر کھچی ہے

بہت سی زندہ دل ایک دوسری پر زنی پڑی ہیں

زندہ دل یعنی عاشق صادق۔ یعنی جب سے تیری شرکگان کی جہانگیر تلوار کھچی ہے بہت سی عاشق کشتہ ہو کر یکے پر دیگرے گری پڑے ہیں۔

این بادہ کہ پرورد کہ خمار خرابات

از موی ہشتیش ز خود پناہ افتاد

یہ شراب کئے کچھی کہ میخانہ کامی فروش

اوسکی ہشتی بوسے خود خود پناہ ہو کر گر پڑا

شراب سے عشق اور خمار خرابات سے مراد مراد ہے یعنی یہ شراب محبت کئے بنا دیا ہے کہ جسکی ہشتی خوشبو سے مرشد خود ہستی ہو کر گر پڑا۔

بس تجر بہ کو دیم درین دار مکافات

بادر و کشان ہر کہ در انسا دبر افتاد

جہنے بہت تجر بہ کو لیا کہ اس دار مکافات میں

جو کوئی درد کشوں سے او بکھا غم بخت ہوا

دار مکافات دنیا۔ اور درد کشوں سے عشاق الہی مراد ہیں۔ یعنی جس کسی نے عاشقان الہی سے محبت کی وہ خسرو باد ہو گیا۔

مباحثی کہ دران حلقہ جنون میرفت و رانی مدرسہ وقیل و قال مسئلہ بود

وہ بحث کہ جو اوس جنون کے حلقہ میں ہوتے تھے علاوہ مدرسہ کے اور مسئلہ کی گفتگو کے تھی
یعنی جو باتیں کہ مجنونوں کے حلقہ میں کہی جاتی تھیں وہ ظاہری مباحثوں اور مدرسہ کی گفتگوؤں کے
علاوہ تھیں خلاصہ یہ کہ وہاں حقیقت کے مسئلے بیان ہوتے تھے۔

دل از کرشمہ ساقی بشکر بود ولی زنا مساعت نختش اندکی گلہ بود

دل ساقی کے کرشمہ کا شکر گزار تھا لیکن
قیاس کر دم از ان چشم جادو آنہ مست ہزار ساحر چون سامر شش در گلہ بود
میں نے اندازہ کر لیا اوس چشم جادو سان
سامری جیسے ہزاروں ساحر روینواسے تھی۔

خلاصہ یہ کہ محبوب کی آنکھ ایسی مست اور جادو کنندہ تھی کہ سامری جیسے ہزاروں جادو گراؤں کے مقابلہ میں
روئے دیتے تھے سامری ایک جادو گر کا نام ہے جو توسنی علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور جنون
کی طرف سے آپ کے مجنون کے مقابلہ میں ہو کیا کرتا تھا۔

بگفتش بلیم بوسہ حوالہ کن بخندہ گفت کیت با من این ماجلہ بود

میں نے اوس کو کہا کہ میری کج اپنا بوسہ حوالہ کر
مسئلہ معنی لین دین اتنا ہے یعنی جب میں نے اوس کو بوسہ طلب کیا تو جواب میں ہنکر کہا کہ میرا تیرا کوئی
لین دین نہیں ہر تو کیسا بوسہ مانگتا ہے۔

ز آخر تم نظر سعد در رہ است کہ دور میان ما رخ یار من مقابلہ بود

میرے اختر کی نگاہ نظر سعد تھی کہ کل چاند اور میرے یار کے چہرہ کی درمیان مقابلہ ہوا
جب درمیان چاند اور اس ستارہ کے جو سعد ہو مقابلہ ہو جاتا ہے تو اس کو نظر سعد بولتے ہیں لہذا
فرماتے ہیں کہ میرے اختر کی نظر سعد تھی اسلئے کہ چاند سے اور چہرہ یار سے کل مقابلہ ہو گیا تھا۔

وہاں یار کہ در مان در محافظہ داشت فغان کہ وقت مروت نہ تنگ حوصلہ بود

وہاں یار کہ جو حافظ کے درد کا علاج رکھتا تھا افسوس کہ مروت کو وقت کیابی تنگ حوصلہ تھا
دہن کے واسطے تنگ حوصلہ کا حفظ پر مبنی ہے یعنی افسوس کہ یار کا دہن مروت میں ہی تنگ حوصلہ
تھا جبکہ اوس کی پاس حافظ کے درد کا علاج تھا تو اس نے عاشق کی دلجوئی نہ کر دی۔

پیدا کر نیوالا اور بیچنے والا ہے خلاصہ یہ کہ اسے عورتوں اور خدائے تجلویہ نیا بین سیری دل لگی کر سہل
پیدا کیا ہے۔

بخیر خاطر ماکوش کین کلاہ نمد بسی شکست کہ برافسہ شہی آورد
ہماری خاطر کے ساتھ نیکی کی کوشش کر کے منہ کی لڑائی بہت ہٹ گئی ہے کہ جو تاج شاہی پہنچ جاتی تھی
چہ مالہا کہ رسید از دم بخر کہ ماہ چو یاد عارض ان ماہ خرگہی آورد
کیا کچھ نالے یہی دل سے چاند کی خرگاہ تک پہنچی جب اس ماہ پردہ نشین کے عارض کی یاد آئی
خرگہ بمعنی ڈیرہ خیمہ خرگہ ماہ مسکن چاند۔ ان ماہ خرگہی کے معنی اس محبوب پردہ نشین کی طرف
باقی مطلب صاف ہے۔

رساند رایت منصور بر فلک حافظ چو التجا بجناب شہنشاہی آورد
حافظ فتح و نصرت کے جہنڈے کو فلک پر پہنچا دے جو شہنشاہ کی جناب میں التجا کرے
یعنی عاشق اگر خدا کے حضور میں التجا کرے تو اپنی مقبولیت کے جہنڈے کو بام فلک تک اونچا
کرالے۔

بکوی میکدہ یارب سحر چہ مشغلہ بود کہ جوش شاد و ساقی و شمع مشعلہ بود
یارب میخانہ کی گلی میں صبح کیا مشغلہ تھا کہ شاد اور ساقی شمع و چراغ کا جوش شاد
کوئی میکدہ سے گوشہ دل سے ابتدائی سیری یا مشاہدہ کی دریافت کا اول روز مراد ہے شاد
ساقی کا کتنا یہ نقش امید کی جانب ہے کہ جب کو بتی ذکر کے وقت پیش نظر کہتا ہے شمع و مشعلہ سے انوار
الہی عبارت میں یعنی میری دلیل ابتدائی مشاہدات کو کسی ذکر و اشغال سے بے نقاب نہیں بلکہ میں جوش زن تھا اور
انوار الہی کے نزول کا فیض حالت سرور میں پہنچاتا تھا۔

حدیث عشق کہ از حرف و صوت مستغنی بنالہ دف و نی در خوش و ولولہ بود
عشق کی حکایت جو آواز اور حرف سے مستغنی ہے دف و نی کے نالہ سے شور و غوغا میں ہے
حرف و صوت سے مستغنی ہونا بمعنی تحریر و تقریر سے باہر ہونا۔ دف کا کتنا یہ بیدل عاشق کی نظر
اور سننے کا اشارہ ذکر الہی کی جانب ہے یعنی گوشت کی حکایت تحریر و تقریر سے باہر ہے لیکن یہ بیدل
عاشق اور ذکر الہی کے جوش و خوشی سے شور و غوغا میں ہے۔

یادہ زیر خرقہ نہ امروز می کشیم
صد بار پیر میکده این ماجرا شنید
بچے جد کے نیچے شراب آج ہی نہیں چھایا ہو
بلکہ پیر میکده نے سو بار اس جری کو پیسا ہے
یارب کجا سب محرم رازی کہ یکن زبان
دل شرح آن دہد کہ چہ دید و چہ شنید
یاد محرم داز کہبان ہے کہ تہوڑی دیر
جو دیکھا اور جو کچھ سنا دل اوسکو بیان کر دی
یعنی ہر محرم راز عاشق کہبان ہے کہ جس سے دل کچھ وہ باتیں بیان کرے جو عشق محبوب میں

سنی یاد رکھی ہیں
مامی بہانگ جنگ امروز می کشیم
بچے جنگ کی آواز پر شراب آج ہی نہیں پی
بس دیر شد کہ گنبد جریخ این صبح شنید
دلت ہوئی کہ گنبد آسمان کی یہی آواز سنی ہو
باقی بیا کہ عشق نہ اسیکند بلید
اوس سانی آ کہ عشق نہ ابلند کرتا ہے
خلاصہ یہ کہ جو شخص ہماری باتیں کہتا ہے یعنی عشق کی باتیں معروض بیان میں لانا ہے اوس کو ہم بھی
توسنی ہیں۔

پند حکیم عین جنواب محض خیر
فرخندہ بخت آنکہ نسیم رضا شنید
حکیم کی نصیحت عین جنواب اور محض نیک ہے
وہ شخص فرخندہ بخت ہے کہ جو رضا کا قانون کوئی
پند حکیم ہے، مرشد کی نصیحت مراد ہے یعنی جسے مرشد کی نصیحت رضا کے قانون سے سنی اور اوپر عمل کیا وہ
بڑا مبارک نصیب ہے۔

حافظ و طیفہ تو دعا گفتن بہت بس
در بند آن مباحث کشید یا شنید
حافظ نے اور طیفہ دعا کر لیا ہے اور بس
اس فکر میں نہ پڑ کہ کسی نے نہ سنا یا سنا
یعنی ای حافظ نے تیرا کام معشوق کو دعا کر لیا ہے تجھے اس فکر سے کیا غرض کہ وہ اوسکو سنتا ہے یا نہیں
بندہ کو بندگی کے کام ہی اس سے بحث نہیں کہ خالق اوست قبول نہ کرے یا کرے گا۔

بر سر آنم کہ گرز دست بر آید
دست بکاری زخم کہ غصہ سراید
اس فکر میں ہوں کہ اگر ہاتھ آوے
تو اوس کام کو ہاتھ لگاؤں کہ جس سے غصہ دور ہو
غصہ یعنی غم یا غمناک ارادہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہ کام کروں جسکو بغیر اس سے بچو نصیحت سے نجات پاؤں

بوی خوش تو ہر کہ ز باد صبا شنید از یار آشنا سخن آشنای شنید
 جس کسی نے کتری بوی خوش باد صبا سو گئی یار دوستوں سے بات دوست کی سنی
 باد صبا سے مرشد اور یار و آشنا سے یہی مرشد ہی مراد ہے۔ کہ شناسے مقصود معشوق باقی
 مطلب صاف۔

ایشن سنرا بنود دل حق گذارن کہ رنگسار خود سخن ناسنرا شنید
 او میری حق گذار دل پر ادھ کی سنرا بنی کہ رنگسار اپنے سے تالافت باتیں سنیں
 اسی شاہ حسن چشم بجال لدا فکن کین گوش بس حکایت شاہ و گدا شنید
 از باد شاہ حسن فقیر کے حال پر نظر ڈال کہ ان کا نون سے بہت سی باتیں شاہ و گدا کی سنی
 یعنی اسے حسن کے بادشاہ مجہ فقیر کے حال پر توجہ کر اور رحم فرما اس واسطے کہ میں نے بہت سی روایتیں
 بادشاہوں اور فقروں کی سنی ہیں کہ بادشاہوں نے فقروں پر رحم فرمایا ہے۔

خوش میکنم ببادہ مشکین مشام جان کز دلوق پوش صنومہ بوی ریاشنید
 میں بادہ مشکین کے مشام جان کو خوش کرتا ہوں کہ صنومہ کو دلوق پوش سے لکر کی بوسلوم ہوئی
 صنومہ کے دلوق پوش سے ظاہر ہوا ریاض کار صوفی مراد ہے یعنی مجھے صوفی کی ریاض کاری معلوم ہوئی ہے اسلئے
 میں شراب پیتا ہوں اور مشام جان کو خوش کرتا ہوں ایسی عبادت ریاضی سے شراب بہتر ہے۔
 سر خدا کہ عارف سالک کی کھنت در حیرت کہ بادہ فروش از بجا شنید
 خدا کے راز کہ عارف و سالک کی کسی سے نہ کہے میں حیران ہوں کہ بادہ فروش نے کہاں سے لکھا کہ

عارف سالک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بادہ فروش سے مرشد کامل مراد ہیں۔ لکھا کہ
 منراج کو جب محبوب خدا خلوت سرا کو خاص میں پہنچے تو حق تعالیٰ نے نوے ہزار باتیں بتلائی ہیں۔
 جنہیں سے تیس ہزار کے واسطے فرمایا کہ اسے محمد انکو خاص عام سب سے کہہ دینا۔ اور تیس ہزار کے لئے
 حکم دیا کہ انکو امت کے اہل لوگوں سے کہنا اور نا اہلوں سے مخفی رکھنا۔ اور تیس ہزار کے لئے قطعی
 مانعیت کر دی کہ انکو کسی سے نہ کہنا کیونکہ یہ ہمارے سر کے خاص اسرار ہیں لہذا حافظ صاحب
 کہتے ہیں کہ میں حیران ہوں مرشد کامل نے وہ خاص خدا کے راز کہاں سے معلوم کئے جو
 رسول خدا نے کسی کو نہ بتلائے تھے۔

خواہم شدن بیکدہ گریبانم و خواہ
 من میخانم بر گریبان او بد او خواہ ہوں گا
 این سر کشی کہ در سر مرز پائند
 یہ سر کشی جو تیر و قامت بلند ہے خیال تیری
 این قہر سائنست کہ توان راه رفتی
 یہ قہر سائنست کہ تیرا نہ منظر ہے
 از ہر کہ تیر و عا کردم اہم روان
 میں نے ہر طرف سے دعا کی تیرا نہ کہ میں
 از گیمیا می مہر تو ز گشت روحی من
 تیری گیمیا می محبت سے میرا مونہ زہر ہو گیا
 تیری گیمیا می محبت سے میرا مونہ زہر ہو گیا ہی یعنی جب میں نے تیرا عشق کیا ہی او سوقت سے میرا اعتبار
 آگے کے مونہ مثل سونے کے ہے اور یہ ٹھیک ہی ہے اسلئے کہ تیری ہمت کی برکت سے خاک ہونا
 ہو جاتی ہے۔

ایدل حدیث ما بردلدار عرض کن
 ای دل بہار احوال دلدار سے عرض کرنا
 لیکن چنان مکن کہ صبار اخیر شود
 لیکن اس طور پر کہنا کہ صبار کو ختم ہو نہ
 خلاصہ یہ کہ اس طور پر بہار احوال محبوب پر روشن ہو جائے کہ کسی دوسرے کو اسکی غیر ضرورت اظہار
 عشق کا لطف جاتا رہے گا۔

روزی اگر غمی رسد تنگدل مہیا
 کسی دن اگر تجھے غم پہنچے تو آزر دہ نہو
 روشکر کن مہباش کہ از بدتر شود
 جاشکر کہ کہیں ایسا نہو کہ بد سے ہی بدتر ہو جا
 یعنی اگر تجھے کسی روز غم و فکر سے سابقہ پڑے تو آزر دہ مت ہو اور شکر کہ کہیں ایسا نہو کہ تو ناشکری کی
 علت میں بڑے سے ہی زیادہ بڑا ہو جائے۔ لیکن شکر کہ تو کا دل تنگ نہ ہو۔
 ایدل صبور باش مخور غم ز عاقبت
 ای دل غم نہ کھا او صبر کر کہ آخر کار
 از شام صبح کرد و از شب صبح شود
 شام سے صبح اور صبح سے شام ہوا کرتی ہے

وہ کام عشق ہے اور رنج و مصیبت سے حوادث دنیا مراد ہیں۔

منظور نیست جای صحبت اغیار دیو چو پروں رود فرشته در آید

دل کا منظر صحبت اغیار کی جگہ نہیں ہے دیو باہر نکلے تو فرشتہ اندر آوے

صحبت اغیار یعنی اندیشہ ماسوا اللہ۔ دیو کناہ شیطان یا نفس امارہ کی طرف اور فرشتہ کا اشارہ صفات حسنہ کی جانب ہے یعنی منظور سوا اللہ کے اور کسی کی فکر کہنی کی جائے نہیں جو گویا میں سے شیطان نکلے تو رحمن اندر کہے۔

صحبت حکام ظلمت شب یلداست نور ز خورشید خواہ بو کہ بر آید

اہل دنیا کی صحبت اندھیری رات کی ظلمت ہے خورشید سورہ شنی مانگ شاید کہ امید بر آئی

حکام سے اہل دنیا خورشید سے مرشد کامل مراد ہے نور سے نور عرفان مقصود ہے یعنی اگر تو قلبی نور حاصل کرنا چاہتا ہے تو مرشد سے مانگ شاید کہ تیری مراد بر آوے۔ ورنہ اہل دنیا کی صحبت تو اندھیری رات زیادہ تاریک ہے۔

بر درار باب بی مروت دنیا چند نشینی کہ خواجہ کی بدر آید

بے مروت اہل دنیا کے دروازہ پر کب تک بیٹھے گا کہ صاحب کب نکلیں گے

یعنی ارباب دنیا کے دروازہ پر جو سخت بی مروت ہیں تو کب تک اس میدان میں بیٹھا رہے گا کہ کب صاحب خانہ نکلیں گے تاکہ میں اون سے کچھ طلب کروں۔ خلاصہ یہ کہ اہل دنیا سے کچھ طلب نہ کرے بے مروت ہیں نہ کچھ تجھے دے سکتے ہیں اور نہ کچھ انکی پاس ہی ہے لہذا تو اہل دنیا کو چھوڑ پھاڑ اللہ والوں سے ملو گا اور ان ہی سے مانگ وہ تجکو سب کچھ دے سکتے ہیں۔

بگذر ازین روزگار تلخ تر از زہر بار و گر روزگار چون شکر آید

اس زمانہ سے جو زہر ہے سب سے زیادہ کڑوا ہے کیونکہ دوسرا زمانہ شکر کی طرح میٹھا آئے ہے

یعنی یہ زمانہ دنیا جو باعتبار حوادث و ہلیات کے زہر سے ہی زیادہ تلخ ہے اس کی جگہ گزر جا۔ دوسرا زمانہ جس سے عالم موت مراد ہے جہ غل و غش۔ یعنی شکر کی طرح میٹھا آئے والا ہے۔ اور ممکن ہے کہ تلخ روزگار سے ابتدا و عشق اور پیچھے زمانہ سے انتہاء عشق الہی مراد ہو اور اسکو بوجہ ناکامی تلخ اور اسکو بوجہ کامیابی شیرین قرار دیا گیا ہو۔

صالح و طالح متاع خویش نمودند تا کہ قبول افتد و چہ در نظر آید

نیک بخت و بد بخت نے اپنا اپنا مال دکھلایا تا کہ جو نظر پر چڑھ جائے قبول ہو

یعنی زائد اور عاشق دونوں نے اپنی اپنی پوہنچی منظر ہو جائیگا تو پیش کیں ہیں اب جو یہی پسند آجائے وہ ہی مقبول ہے۔

بلبل عاشق تو عمر خواہ کہ آخر باغ شود سبز و سرخ گل بدر آید

ای عاشق بلبل تو عمر تو مانگ کہ آخر الامر باغ سبز ہو جائی اور او سین سرخ ہو ل آوین

خلاصہ کہ سالک کو عمر و رازی طلب کر کے معرفت میں کوشش کرنی چاہئے قاعدہ یہ کہ سرخ سرخ ہوں سبز باغ میں آئے ہیں اس طرح عمر کے سبز باغ میں معرفت سکھ ہوں لگنے ممکن ہیں جسے شاہد

محبوب حقیقی مراد ہے۔

صبر و ظفر مر دو دوستان قدیم اند پیر اثر صبر نوبت ظفر آید

صبر و ظفر دو دون قدیم دوست ہیں مگر صبر کے اثر سے ظفر کی ہادی آتی ہے

الصبر مفتاح الفرج کے مصداق پر یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مگر پہلے صبر کرنا چاہئے تاکہ نتیجہ میں ظفر حاصل ہو۔

عقلست حافظ درین سراچہ عجیب ہر کجا میخانہ رفت بے خبر آید

اس سراچہ میں حافظ کی عقلست عجیب نہیں ہے جو کوئی میخانہ میں جاوے بے خبر ہو جاتا ہے

سراچہ اور میخانہ یہ دونوں لفظ اس شعر میں دنیا کے لئے آئی ہیں یعنی اگر حافظ دنیا میں اگر نہ بھرنے ہو گیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں اسلئے کہ جو کوئی شراب خانہ میں جائے گا وہ بے خبر دست ہوگا۔

پیش ازینت پیش ازین عجمواری عشاق بود مہر و زری تو با ما شہرہ آفاق بود

اس سے پہلے تجھے عاشقوں کی عجمواری زیادہ تھی ہماری سائے تیری محبت و زری شہور عالم رہی

معتوق سے یا مرشد کامل سے خطاب ہے۔ باقی مطلب صراف تشریح طلب نہیں۔

یاد باد این صحبت شہساز زلف توام بحث سر عشق و ذکر حلقہ عشاق بود

وہ صحبت یاد ہوگی کہ انوں کو تیری زلف سے اور مجھے سر عشق کی بحث اور حلقہ عشاق کا ذکر رہتا تھا

حسن مہر و یان مجلس گرد دل سیر و یاز عشق ما بر لطف و طبع و خوبی اخلاق بود

اگرچہ مجلس کے خوب رویوں کا حسن میرا دل بہن بیگیا تاہم ہر لطف طبع اور خوبی اخلاق کا عشق رہتا

خلاصہ یہ کہ جب زمانہ ایکساں نہیں رہتا یعنی کبھی صبح ہوتی ہے کبھی شام تو ہمیشہ غم ہی نہیں
رہے گا شام سے اگر غم مراد لین تو وہ بھی مدام نہیں رہتی اور صبح سے اگر خوشی تصور کریں تو
اوسکو بھی پیشگی نہیں۔

ورنگنای حیرت مخوت قریب یارب مباد آنکہ گدا معتبر شود
مین رقیب کی نخوت سے حیرت کی غار میں ہو یارب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ معتبر ہو جائے

یعنی رقیب اس قدر متکبر و متعجب ہو کہ مجھے حیرت آتی ہے یا خدا فقیر کو اعتبار کا موقع دے نہ ہونے دجو
کیونکہ جب آدمی کو اوسکی حیثیت پر کچھ زیادہ تہہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ ہوش میں نہیں رہتا اسکی
شال فقیر کی سی ہو کہ اگر فقیر کو بہت سافند مل جائے تو وہ پر فقیر نہیں رہی گا بلکہ ایسے ہو جائیگا یہ صفت
بیک رنگی گدا کی ہے مجھے محاورہ کی مطابق گدا کا ترجمہ فقیر کیا ہے ورنہ فقیر اور ہوتا ہے اور گدا اگر اور

بس نکلتے غیر حسن بیاید کہ تا کسی
بس یہ باریکی ہو کہ بغیر حسن کے کوئی چاہی کہ کسی
مہر تو در در و غم و عشق تو در سرم
میر دل میں تیری محبت ہو اور سر میں تیرا سودا
حافظ سرازحد بدر آرد پیامی بوس
حافظ پا بوسی کے لئے قبر سے سر نکالے

خلاصہ یہ کہ اگر حافظ کو مرنے کے بعد ہی تمہاری قدیم بوسی نصیب ہو تو وہ قبر میں سے سر نکالے ادائی
خاک کو تمہاری قدیم بوس کے نیچے پا پاں ہونے کے لئے ڈال دے۔

تحت بنای طیبیان نیاز مند مباد وجود نازکت آزرده گزند مباد
تن تیرا طیبیوں کے ناز کا نیاز مند نہ ہو جو تیرا وجود نازک نقصان سے آزرده نہ ہو جو

خلاصہ یہ کہ اگر محبوب خدا کرنے نہ لو گہی بیمار ہو اور نہ تیرے وجود کو کسی قسم کا نقصان پہنچے۔
واضح ہو کہ یہ تمام غزلن دعائیہ ہے۔

سلامت ہمہ اتفاق و سلامت
سلامتی تمام جہان کی تیری سلامتی سے ہے
بیچ عارضہ شخص تو درو مند مباد
کسی عارضہ سے تیرا جسم درو مند نہ ہو جو

یعنی حافظ کے اشعار جو معرفت کی دولت سے پرین آدم علیہ السلام کے زمانہ میں باغ بہشت کے پہلوں یعنی گل نسرین و نسرین کے پتوں پر لکھے ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے جد امجد آدم علیہ السلام ہی معرفت الہی سے خوب واقف تھے کیونکہ اسرار معرفت نسرین کے پھول کی پنکھڑیوں پر جا بجا اونکو لکھے ہوئے ملتے تھے۔

تاز میخانہ و می نام و نشان خواہد بود سر خاک ہر پیر مغان خواہد بود
جب تک میخانہ اور می کا نام و نشان رہیگا ہمارا سربراہ پیر مغان کی خاک بنارہے گا
میخانہ سے مقام عشق اور می سے محبت مراد ہے پیر مغان مرشد یعنی جب تک دنیا میں عشق و محبت قائم ہیں اور اونکا نام و نشان ہے اسوقت تک ہمارا سربراہ پیر مغان کی خاک بنارہے گا۔
حلقہ پیر معانم ز ازل در گوش است باہما نیم کہ بودیم ہمان خواہد بود
ازل سے حلقہ پیر مغان پیر کان میں ہے ہم دونوں جو ہیں اور وہ ہی ہوا حلقہ میں ہے
حلقہ بگوشت ہونا غلام ہونا یعنی ہم ازل سے پیر مغان کے حلقہ بگوشت میں ہیں۔ اور ہمارا اعتقاد اس پر ہے کہ جسکی ہم اہل ہیں اول سے اوسمین شامل ہے اور آخر اوسمین ہی ہر ملجا میں گے۔ خلاصہ یہ نہ کوئی خلل واقع ہوا ہے اور نہ واقع ہوگا۔

بر سر تربت ما چون گذری بخت خواہ کہ زیارتگہ زندان جہان خواہد بود
جب تو ہماری زرابی پر ہو کر گزرے بخت کر کہ جہان کے زندوں کی زیارتگہ ہو جائے گا
یعنی میرے مرنے کے بعد جب تو زرابی پر ہو کر گزرے تو وہاں کہڑے ہو کر فاتحہ پڑھنا اگر ایسا کریگا تو ہماری قبر جہان کے عاشقوں کی زیارت گاہ بن جائیگی۔

سز مینی کہ نشانی کف پائی تو بود سالہا سجدہ صاحب نظران خواہد بود
جس میں پر کہ تیری کف پا کا نشان پڑ جائے وہ برسوں تک صاحب نظر و نکاح سجدہ کا بن جائے گا
بروای ز اہد خود بین کہ چشم منی تو راز این پردہ نغان ست نہان خواہد بود
اے ز اہد خود بین جا کہ میری اور تیری آنکھوں کے اس پردہ کا راز پوشیدہ رکھا گیا ہے اور پوشیدہ ہی رہیگا

خلاصہ یہ کہ ز اہد جا اپنا کام دیکھ اور اس خیال باطل سے باز آ کیونکہ عالم سلوک کا راز میری اور تیری آنکھوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اور پوشیدہ ہی رہیگا اگر تو اسکو دیکھنے کی کوشش کری تو یہ فضول ہے۔

یعنی اگرچہ مجلس کے ہر دیوان کا صحن میرادل و دین دونوں یگانہ ہے تاہم مجھے زیادہ تر لطیف
طبیعت اور اخلاق پر عشق زیادہ ہوتا ہے نہ کہ ظاہری حسن پر محبت دلانے کے لئے صرف خوبصورتی
ی کافی نہیں ہوتی بلکہ عادت و مزاج بھی اچھے ہونے چاہئیں۔

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد دوستی مہر بر یک عہد و یک مشتاق بود
صبح ازل کی ابتداء سے شام ابد کے آخر تک دوستی کو محبت دونوں یک عہد و یک زمان پر تین
سایہ معشوق اگر افتاد بر عاشق چہ مابا و محتاج بودیم او ہما مشتاق بود
معشوق کا سایہ اگر عاشق پر پڑا تو کیا ہوا ہم اس کے محتاج تھی اور وہ ہمارا مشتاق ہوا
معشوق سے مراد حق تعالیٰ ہے اور اس کے ساتھ بندوں کی احتیاج ظاہر مگر اس کا مشتاق ہونا باعتبار
اس کے کہ ہم اس کے مظاہر قدرت میں سے ایک منظر تھے صبح ہے علاوہ برین یہ ہی قاعدہ ہے کہ مصالح
اپنی صفت کو دوست رکھتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ بھی اپنی مصنوعات کا مشتاق بکھا جائیگا۔
پیش ازین کہن سبغ سبز و طاق مینا کشید منظر چشم مرا بروی جانان طاق بود
اس سے پہلے کہ یہ سبز چیت اور مینا کا طاق بنایا بروی جانان کا طاق میری آنکھ کا منظر تھا
یعنی قبل اس کے کہ یہ سبز رنگ آسمان بنا گیا ہو بروی محبوب حقیقی کا طاق میری چشم کا منظر رہتا تھا۔
اس شعر میں عالم اطلاق کا بیان ہے۔

رشتہ نسیج اگر بکست معذورم بدار دستم اندر ساعد ساقی سین ساق بود
نسیج کا ذور اگر ٹوٹ گیا تو مجھے معذور کہہ کیونکہ میرا ہاتھ ساقی سین ساق کے ہاتھ سے دو ہاتھوں
بر در شام کہد ای نکتہ در کار کرد گفت بر سر خوان کہ نسیج خدازاق بود
شاہ کو دروازہ پر ایک فقیر نے مجھے یہ نکتہ بیان کیا کہا کہ جس خوان پر کہ میں بیٹھا خدازاق تھا
یعنی بادشاہ کے دروازہ پر ایک فقیر نے مجھے کیا اچھی بات بیان کی اس نے کہا کہ جسے خوان پر میں کہان
کہانے کو بیٹھا میں نے ہی سمجھا کہ رزق دینے والا خدا ہے نہ آقا سے خوان۔ خلاصہ یہ کہ طلب فری کی
حاجت شاہ سے ہی نہیں کرتا جس جگہ جا رہا ہوں میری تقدیر کا رزق مجھ کو خدا ہی بخاتا ہے کیونکہ وہ رزاق ہے۔
شعر حافظ در زمان آدم اندر باغ خلہ دولت نرسن گل از نیت اوراق بود
حافظ کو شعر آدم علیہ السلام کو زمانہ میں باغ پر گل نرسن کی دولت کے اوراق کی نیت تھی

یعنی ای محبوب جب تمام دنیا کی سلامتی تیری سلامتی پر موقوف ہے تو خدا کرے کہ تیری جسم کو
کوئی بیماری نہ پہنچے اور تو کسی عارضہ میں مبتلا نہ واسے کہ اگر تو درد مند ہو تو جانو کہ تمام عالم
درد مند ہو گیا۔

درین چمن چور آید خزانِ سخائی ریش بسرو سہی قامت بلند مباد
اگر اس باغ میں باد خزانِ غارتگری کو آوی تو ادسکی راہ تیری سرو سہی قد بلند کی طرف نہوجو
در ان بساط کہ حسن تو جلوہ اندازد مجال طعنہ بدین و بد پسند مباد
ادس بساط میں کہ جہان تیرا حسن جلوہ افروز حاسد کو طعنہ کی اور بد خواہ کو مجال نہوجو
مجال صورت معنی ہمیں بہت تست کہ ظاہر ت و ذرم و باطن ت نرند مباد
مجال صورت و معنی کا تیری بہت کی برکت اسے تو ظاہر میں بیمار اور باطن میں مغموم نہوجو
صورت یعنی ظاہر اور معنی یعنی باطن یعنی چونکہ تیری بہت کی برکت سے ظاہر و باطن کو رونق ہوئی
تیرا ظاہر بیمار اور باطن مغموم نہوجو۔

ہر آنکہ رویِ چو بہت بچشمِ بد بیند بر آتش تو بجز چشمِ او پسند مباد
چون شخص کہ تیرا کاندہ آتش بد آئے دیکھ تیری آتش بر ادسکی آنکھ بجز پسند کا کام نہوجو
یعنی جو شخص تیری چاند سے چہرہ کو بد نظر سے دیکھے ادسکی آنکھ تیری آتش پر وہ کام کرے کہ جو آگ پر
پسند کیا کرتا ہے۔

شفا زلفہ شکر فشانِ حافظ جوی کہ حاجت بعلاجِ گلابِ قند مباد
حافظ کی شکر فشان باتوں سے شفا نہونہ کہ تجکو اپنی علاج کے لئے قند و گلاب کی چٹانہو
یعنی ای طالب معرفت تیری صحت کے لئے حافظ کی شکر فشان باتیں کافی ہیں پس تجکو اپنے
علاج کے لئے قند و گلاب کی کیا ضرورت ہے جبکہ حافظ کی باتیں خود شکر فشان ہیں۔

ترک من خونِ جعد مشکینِ گردِ کامل بشکند لالہ ز دلِ خونِ شود باز از سنبل شکند
میرا مستحقِ جو جعد مشکینِ کامل کے گرد ہوں تو لالہ کا دلِ خون ہو اور سنبل کا بازار کہوتا
جعد مشکین سیاہ چوٹی کا کل زلف یعنی اگر میرا محبوب چوٹی اور زلف کو اترالے کہے تو لالہ کا غم ہے
خون ہو جائے اور سنبل کو کوئی نہ پوچھے پر تشبیہات میں جسے شادی کی خوبی ہوید ای کا کل کو سنبل

ترک عاشق کش مہرشت برون فست مرزا تار خون دل امرو زروان خواہد بود

میر عاشق کش ترک مست ہو کر آج باہر نکلا ہی دیکھنے کہ کس کا خون آج بہا یا جلسہ گاہ

عجیب مستان مگر انکو اجہ کرین کہ نہ رہا کس نہ داشت کہ رحلت بچہ میان خواہد بود

اگر خواہستون کو عیث لگا کہ اس درینہ سا ذخا کوئی نہیں جانتا کہ کس طرح رحلت ہوگی

خواہی ہے، مراد زائد کہ نہ رباط سے دنیا مقصود ہے مطلب یہ کہ ایسا نقطہ تو عاشقوں پر عجیب نہ لگا آئی کہ یہ کسی کو نہیں معلوم کہ دنیا سے کون شخص کس حال میں اور پھر گالی یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کس کا خاتمہ کفر ہوگا اور کس شخص کا ایمان پڑے

چشم آن دم کہ ز شوق تو نہد سر یہ بحد تادم صبح قیامت نگران خواہد بود

میری نگاہ کہ جب تیری شوق میں قبر میں سر نہد صبح قیامت تک تیری نگران رہیگی

بخت حافظ گرا زین گو نہ مدد خواہد کرد زلف معشوق بدست دگران خواہد بود

حافظ کا نصیب گرا سیلحہ یادری کرتا رہے گا تو زلف معشوق کی دوسرے کے ماتھے پہ چھ جائیگی

یہ استقام ہے یعنی اگر حافظ کا نصیب ایسی یادری نہیں کریگا جیسی کہ او سکھ کر نی چاہے تو ضرور محبوب کی زلف دو سر دن کے ماتھے پر جائیگی اور حافظ محروم رہ جائیگا۔

ترسم کہ اشک در غم ما پر زہ در شود دین راز سر بھر بچا لم سمر شود

مجھے ڈر ہے کہ اشک ہماری غم کا پر زہ در نہ ہو جائے تاکہ یہ سر بسہ پید عالم میں مشہور ہو جائیگا

راز سر بھر سے راز عشق مراد ہی اور سمر کے معنی مشہور ہو جانے کے ہیں۔ یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے اشک عشق کے پر زہ در ہو جاوین اور راز محبت جو پوشیدہ رہنا چاہیے عالم میں شہرت پا جائے۔

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر آری شود و لیک بخون جگر شود

کہتے ہیں کہ مقام صبر میں پتھر لعل ہو جاتا ہے مان ہو تو جاتا ہے لیکن خون جگر کے ساتھ مل کر ہوتا ہے

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ صبر کا پتھر لعل ہو جاتا ہے۔ یہ شک صبر ایسی ہی چیز ہے کہ لعل ہو جائے۔ مگر اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک جگر کو خون نہیں بنادیتا یعنی جب تک کہ طالب صبر سے جگر کو

خون نہیں کر ڈالتا اس وقت تک مقصود کو نہیں پہنچتا تو اس اعتبار سے گویا پتھر لعل ہو جاتا ہی مگر خون جگر کے ساتھ مل کر۔ لعل کے واسطے خون جگر کا لفظ بہت عمدہ رعایت ہے۔

باریک پس نشانی زبان لسان ندیدم یا من خبر ندانم یا او نشان ندارد

کسی میں نشان او میں لستان کا سینہ نہیں کیا یا تو مجھ کو خبر نہیں یا وہ نشان ہی نہیں کہتا
یعنی کسی معشوق کو میں نے اپنے لیے نظر معشوق کا نظیر نہیں پایا۔ پس یا تو میں خبر نہیں رکھتا یعنی میری
آنکھوں میں اوسکا نظیر نہیں چھپتا یا درحقیقت وہ ہی اپنا ثانی نہیں رکھتا ہی پر مجھے اوسکا نظیر
دکھائی دینا کیسے ممکن ہے۔

ہر شبی درین ہر صدم موج آتشین درد اکہ این معما شرح و بیان ندارد

ہر شب ہم اس راہ میں ہر موج آتشین کی بارش
یعنی راہ عشق میں ہر بے حقیقت قطرہ شبنم سو آتشین ہو چون کا حکم رکھتا ہی پس افسوس کہ یہ معما و شوق
بیان کرنیکی قابل نہیں اور نہ کسی پر ظاہر ہوا۔

سرمز دل قناعت نتوان در سرت اویں ای ساربان فروکش کل رہ کران ندارد

صبر کی منزل کو ہاتھ سے نہ مکے دینا ای شتر بان ٹھہر جا کہ یہ راہ انتہا نہیں کہتی
ساربان سے سالک ہر ادھی۔ یعنی ای سالک قناعت کو ہاتھ سے نہ چھوڑ اور منزل صبر پر آرام کر آگے
بڑھنے کی ہوس مگر کیونکہ یہ راہ حرص بے پایاں ہے اور اسکی انتہا نہیں۔ اگر تو قناعت کو چھوڑ کر آگے
بڑھے گا تو راہ سے ہٹک جائیگا۔

چنگ خمیدہ قامت مخواندت بعشرت بشنو کہ پندیران محبت زبان ندارد

چنگ خمیدہ قامت تجھ کو عشرت کی اور بتلاتا کہ سن کہ بڑھوں کی نصیحت تجھ کو ہی نقصان نہیں پہنچائیگی
چنگ خمیدہ سے کہیں سال مرشد اور عشرت سے عشق مراد ہی لہذا مطلب یہ ہے کہ ای نوجوان تجھ کو مرشد
بزرگوار راہ عشق کی طرف بتلاتا ہی تو جا اور اوسکی سن کیونکہ بڑھوں کی نصیحت تیری کام آئیگی اور تجھی
کوئی نقصان ہی نہ دیگی خمیدہ قامت کا لفظ پیر کے اعتبار سے لائے ہیں۔

گر خود قریب شمع است احوال از دہوشان کان شوخ سر بریدہ بند زبان ندارد

اگر قریب خود شمع ہے تو اوس سے حال چھپا کہ یہ سر بریدہ شوخ اپنی زبان کو لگام نہیں کہتی
جو نہ شمع کا سر کلگیر سے کاٹ لیتی ہیں اسلئے اوسکو سر بریدہ شوخ کہا۔ باقی مطلب صاف ہے کہ شمع تک سے
حال عشق چھپانے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔

تشبیہ دیا کرتے ہیں۔

در خرامان سرو گلزارش کند میل چمن
سرو را از یاد راند از دل گل شکند

اور جودہ سرو گلزار خرامان باغ کی طرف رخ کرے
تا خیال ابروی جانان ز چشم دور شد
جیسے کہ ابروی جانان کا خیال میری آنکھ سے دور ہوا
اندرین رہ سیلہا پاشد کہ صید بل شکند
راہ میں اتنی روین میں کہ سوپلون کو توڑ دین

یعنی جب سے کہ ابروی جانان میری آنکھوں سے دور ہوئی میں اس قدر رویا ہوں اور اتنی
کروٹن آنسوؤں کی جاری ہوئی میں کہ سوپلون کے توڑنے کو کافی ہوں۔

چون نسیم صبح گاہی پردہ گل بردرد
فارغ غم اندر دل مجروح بلبل شکند

جب صبح کی ہوا گل کا پردہ پھاڑتی ہے
غم کا خار بلبل کے دل مجروح میں توڑتی ہے
یعنی جب صبح کی ہوا ہے پول کہلتا اور تروتازہ ہو کر خوش و خندان ہوتا ہے تو بلبل کے دل مجروح میں
اس وجہ سے خد چہ ہوتا ہے کہ اوسکا معشوق کیسے جوین رہے مگر اوسکے حال زار کی طرف توجہ نہیں کرتا
اور اوسکی طرف سے لاپرواہ ہے۔

جافظ این سر وحدت را ز دست خمیہ مدہ
تا خیال زہد و تقوی را توکل شکند

ای حافظ وحدت کا راز اپنے ہاتھ سے مدے
تاکہ زہد و تقوی کے خیال کو توکل توڑ ڈالے
خلاصہ یہ کہ ای حافظ یہ سر وحدت جو تو رکھتا ہے ہاتھ سے پھوڑ۔ تاکہ زہد و تقوی کا خیال کہ میں ایسا
مستحق اور پرہیزگار ہوں اوس توکل کو جو تو خالق حقیقی پر رکھتا ہے توڑ دے اور دور کر دے۔

جان بی جمال جانان میل جہان نازد
ہر کس کہ این نندارد تھا کہ آن نذارد

جان جمال جانان کو بغیر جہان کی خواہش نہیں کہتی
جو شخص کہ یہ نہیں رکھتا قسم خدا کی وہ نہیں کہتا
یعنی اگر عالم میں دیدار جانان سے نہ ہو تو جان کو جہان میں سے کسی کی بددعا نہیں اور خدا کی قسم
جس کو دیدار جانان سے نہیں اوس میں جان نہیں گویا وہ مردہ ہے۔ علاوہ اسکے چونکہ میدالیش

انسان کی نفس باطن کے لئے ہے اسلئے جان نے جو عالم لطیف سے عالم کشف کی طرف میل کیا ہے وہ
کیاں حاصل کر نیکیو کیا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ دنیا میں کمال معرفت حاصل کر کے پرجہ کی
واصل ہو جائے۔

پس عید کے چاند کو ابرو سے یاد پر دیکھنا چاہئے تاکہ وہ ہی خوشی جو لوگوں کو عید کا چاند دیکھنے سے ہوئی ہو کہ ابرو ان یاد کے دیکھنے سے ہو جو ہلال کی طرح ہیں۔

شکستہ گشت چو پست ہلال قامت کمان ابروی یارم کہ بار و نیمہ شید

میری پست ہلال قامت جو شکستہ ہوئی ہے
میں کمان ابروی یارم کہ بار و نیمہ کا کہی ہو

پوشش روی و شود خط از غر ج حسن کہ خواند خط تو بروی و ان یگاؤ و مید

مونہ نہشت چہا اور نظارہ حسن سے غصہ نہو
کہ تیرا خط تیری چہرہ پر آیت و ان یگاؤ پڑتا ہو اٹھلا

اس شعر میں آیت کریمہ و ان یگاؤ الذین کفر و الذین یقولونک یا بضاد ہسو کے مضمون کی

تلمیح ہے اس آیت کو نظر بد کے واسطے باندھتے ہیں۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ اگر محبوب اپنی مونہ کو مست

جسا اور نظارہ خلق سے درہم ہی نہو کیونکہ تیرا خط جو تیرے چہرہ پر نکلا ہے وہ گویا آیت و ان یگاؤ الذین

پڑتا ہو اٹھلا ہے اسلئے مبادا کہ تجھ کو کسی کی نظر بد سے نقصان پہنچے۔ پس تجھ کو کسی چشم کے نظارہ

سے ہی غم نہ کرنا چاہئے۔

مگر نیم تنہ صبح در چمن بگذشت کہ گل ہوئی خوشبت محو صبح جامہ درید

تجھ کو نیم تنہ صبح کی بوا صبح کو چمن میں پہنچی
کہ گل نے تیری خوشبو سے بھیج کی طرح کپڑی ہار دی

بیایا کہ بالو بلویم غم ملالت دل چرا کہ فی تو ندارم مجال گفت و شنید

آتا کہ تجھے دل کے غم و ملال کا حال کہوں
کسو اسلئے کہ سوا تیری کسی سے مجال گفت و شنید کی

یعنی اسے محبوب تو آتا کہ تجھے جو کہ غم و ملال کا حال بیان کر دے کہ تیرے سوا اس غم و عشق کو

کسی اور سے بیان کر نیکی مجال نہیں رکھتا ہوں۔

نبود چنٹ رہا بے گل و عید کہ بود گل وجود من آغشتہ شراب و بنید

جنگ در باب اور گل و شراب نہ تھے
کہ میری وجود کی گل آغشتہ شراب و بنید کی

خلاصہ مطلب یہ کہ میں ہر وقت سے مست شراب عشق ہوں کہ جب نہ تو جنگ در باب کا لطم و خشان تھا اور شراب

معتوق ہی کا پتہ تھا یعنی میرا عشق ازلی ہے امروزہ نہیں۔

بہائی وصل تو گر جان بود خریداریم کہ چمن خوب مہر بہر چہوید خرید

اگر تیری وصل کی قیمت نقد جان ہو تو خریدار ہوں
کہ اچھی چیز جس کسی بھر لے دیکھی خرید لی

ذوقی چنان ندارد بی دوست زندگانی دوست زندگانی
 مجھے بغیر دوست کے زندہ رہنے کا کچھ ذوق نہیں کیونکہ دوست زندگانی کچھ ذوق نہیں کہا کرتی
 احوال گنج قارون کا یام واد بر باد در گوش گل فم و خوان تاز نہاں ندارد
 گنج قارون کا قصہ کہ جس کو زمانہ تو برباد کر دیا پہول کے کان میں کہوتا کہ وہ بر کو پوشیدہ کر دے کہو
 یعنی قارون کے خزانہ کا حال کہ کس طرح اس کو قارون نے چھپا ہوا رکھا تھا اور پھر کیسے زمانہ نے
 برباد کر دیا پہول سے کہہ دتا کہ وہ اپنا زر (چون) جو چھپا کے رکھتا ہے صرف کر دے اور زمانہ کی
 دست برد سے آگاہ ہو جائے کہ اس میں سب کو زوال ہوتا ہے۔

آنرا کہ خواندی استاد گری تہتق صنعت گریست اطیع روان ندارد
 جس کو تو استاد کہتا ہے اگر غور سے دیکھے تو کاریگری رکھتا ہے لیکن طبع کی روانی نہیں کہتا
 یعنی اسی مطلب جس کو تو استاد کہہ رہا ہے اگر اسے بنظر تھمیں دیکھے اور اصلیت پر غور کرے تو تجھ کو معلوم
 ہو جائے گا کہ یہ شخص صرف چالاک ہے اور طبیعت میں جوہر نہیں رکھتا اس کا اشارہ چوٹے مدعی کی
 طرف ہے کہ حسین کچھ ہنر تو نہوا اور طبعی فطرت سے پری مری کر تا ہے۔
 ایدل طریق رندی از محتسب بیاموز مست مست و در حق او کین گمان ندارد
 ایدل رندی کا طریقہ محتسب سے سیکھ کہ وہ مست تو ہے مگر اس کی حق میں کوئی یہ گمان نہیں کہتا
 محتسب ہی مرشد کامل مقصود ہے اور خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ایدل رندی کا طریقہ محتسب سے سیکھ لے جو کہ باطن میں
 مست ہے مگر اپنی آپ کو مست نہیں کہتا گویا وہ اپنا حال چھپاتا ہے اس طرح تجھ کو بھی خلق سے اپنا بہید
 عشق چھپانا چاہیے۔

کس در جہان ندارد یک بندہ چو حافظ زیر اگر چون تو شاہی کس جہان ندارد
 کوئی جہان میں ایک ظالم ہی حافظ کی مانند نہیں اسو اس کی تیری طرح بادشاہ ہی تو جہان میں کسی کو نہیں
 یعنی جب تک شاہ خلق میں کسی کو میسر نہیں تو حافظ سا بندہ ہی جہان میں کسی کے پاس نہوگا۔
 جہان ز ابروی عید از لال و سم کشید لال عید برابر وی یار باید دید
 جہان نے ابرو سے عید پر لال کا دسم لگایا عید کا لال ابروی باید پردیکھنا چاہیے
 خلاصہ یہ کہ جہان نے لال عید سے گویا ابرو سے عید پر دسم لگایا یعنی عید کو لال سے زینت بخشی

قاعدہ ہے کہ نظر کو سورج ہی سے روشنی ملتی ہے لہذا مطلب یہ ہے کہ تیرا جمال ہر نظر کے لیے روشنی ہو جو اور تیرا چہرہ باعتبار خوبی اور مشوقوں کے چہرون سے خوبتر ہو۔

ہمائی الیج شامین شہیرت را دل شامان عالم زیر پر باد
تیرے پاس الیج کے شامین کے سپہ کئے شامان عالم کا دل زیر پر کے ہو جو
خلاصہ یہ ہے کہ تیرا عروج شامان عالم کے عروج سے ہی بڑھ چڑھ کر رہے ہے۔
دلی کو بستی زلفت نباشد ہمیشہ غرقہ خون جگر باد
وہ دل کہ جو تیری زلف کا اسیر ہو ہمیشہ خون جگر میں غرق رہے

یعنی جس دل کو تیری زلف کا نسواں ہو ہمیشہ خون جگر میں غرق رہے تو اچھا۔ خلاصہ یہ کہ گلیں
دشیمان رہے۔

بہتا چون غمرہ ات ناوک کشاید دل مجروح من ہر شش سپر باد
اے صدم جب تیرا غمرہ تیرے نکالے میرا دل زخمی اوسکے آگے ڈھال ہو جو
چو لعل شکرت بوسہ بخشد مذاق جان من زو پر شکر باد
جو تیرا گہبہ شکرین بوسہ عطا کرے اوس سے میری جان کا مذاق پر شکر ہو جو
مرا از تست ہر دم تازہ عشقی ترا ہر ساعتی حسن و گر باد
مجھ کو تجھے ہر دم تازہ محبت سے ترا ہر گھڑی نیا حسن ہو جو
بجان مشتاق روی تست حافظ تیرا ہر حال مشتاقان نظر باد
تیرے چہرہ کا حافظ جان سے مشتاق ہی تجھ کو مشتاقوں کے حال پر نظر کہنی چاہے

ان سب اشعار کا زیادہ مطلب تشریح نہیں چاہتا تھا اسلئے مجھے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔

چو رویت مہر و مہ تابان نباشد چو قدرت سرور در بستان نباشد
تیری چہرہ کی مانند جانو سورج نہیں چمکتے اور تیرے قد کی مثل سحر وہی باغ میں نہیں ہے
چو لعل ذلولت در و لغو ز می در دریا و لعل کان نباشد
تیری لعل اور موتیوں کی مانند و لغو ز می میں دریا کے موتی اور کان کا لعل بھی نہیں ہے

چونکہ معشوق کے لب سرخ کو لعل سے اور دندان ابدار کو موتیوں سے تشبیہ دیتی ہیں اسلئے پہلے مصرع میں

یعنی اگر تیری وصل کی قیمت جان ہی ہو تو میں خریدار ہوں اس واسطے کہ عمدہ جنس بھر جس قیمت میں ملے پہتا ہے۔ کیونکہ وصل تیرا عمدہ جنس ہے اور میں اس کا مبصر ہوں۔

میرزا آب ہر شکم کہ بی تو دور از تو چو باد میشد و در خاک راہ می غلطید
میرزا شک آب مت بو کہ بغیر تیری تجھے دور جو ہوا ہوتا ہی تیری راہ کی خاک میں لوثتا ہی ہے
یعنی میرے اشک کی آبرو نہ بگاڑ اس واسطے کہ بغیر تیرے اس کا دال یہ ہو جاتا ہی کہ راہ کی خاک میں لوثتا ہی ہے
پس جب وہ تجھے ایسی محبت رکھتا ہی تو اس کی آبرو نہ بگاڑنی چاہیے۔

چو ماہ روی تو در زلف میدیدم شہم بروی تو روشن چو روز میگردد
جب تیرا چاند سپاہ زلف کے چہرہ دیکھتا ہوں تو بجگوارات تیرے رخ پر دن کی طرح روشن ہو جاتی ہے
بلک سید مرا جان و بر نیامد کام اسیر رسید امید و طلب بسر رسید
میرا دم ہوں پر ہو بچا اور مطلب نہ نکلا اسیر آمد آخر ہو گئی اور طلب آخر نہوی
خلاصہ یہ کہ امید آخر ہو کر تبدیل ہو یا نہیں ہو گئی مگر طلب ختم نہوی اور نہ مطلب بر آیا۔

ز انقلاب زمانہ طمع ہوا رای کج برخ چو صبح بر رخ عالم ازین صفت خندید
اور فی طلب انقلاب زمانہ ہی امید نہ کہہ کہ آسمان مشعل صبح کے رخ عالم پر اسی طرح ہی ہوتا ہی کہ گنا
یعنی اسے مخاطب تو زمانہ کے انقلاب سے یہ طمع نہ کہہ کہ جس طرح آسمان عالم کے ساتھ اس وقت نیکی کرتا ہے اسی طرح ہمیشہ کئی جائیگا۔ اور صبح کی طرح دنیا پر ہستار ہی گا۔

دلکم تو زلف تو شوریدہ ہو و میداغم کہ میش روی تو بر خود چو برق می خندید
میں جانتا ہوں کہ میرا دل تیری زلف سے پریشان ہے کیونکہ تیری رخ کی سانس نے اپنی اور پریشانی برق کی ہستار
ز شوق لعلی حافظ نوشت شعری چند بخوان تو نظم و در گوشش شہم مرواید
تیری لب لعل کے شوق میں حافظ نے چند شعر تیرے لکھے ہیں تو اس کی نظم کو پڑھ اور کانوں میں موتیوں کی طرح ڈال
خلاصہ مطلب یہ کہ حافظ نے یہ چند شعر تیرے لب لعل کے شوق میں تصنیف کئے ہیں تو انکو پڑھ اور کانوں میں موتی کی طرح ڈال لے۔

چہالت کتاب ہذا نظر باد ز خوبی روی خوبت خوبتر باد
تیرا جمال ہذا نظر کے لئے آفتاب ہو جو تیرا روی خوب خوبی سے ہی خوبتر ہو جو

چو آفتاب می از مشرق پیرا بر آید نرباغ عارض سباقی ہزار لالہ بر آید
 جوئی آفتاب مشرق کے پیالہ سے نکلے ساتھی کے باغ عارض سے ہزار لالہ پیدا ہوں
 می سے شراب عشق مراد ہے اور بوجہ صفائی اور روشنی کے اس کو آفتاب سے تشبیہ دی گئی ہے کہ یہ
 وجود سالک ساقی سے مرشد لالہ سے نازگی و فرخندگی مقصود میں۔ اور مطلب یہ کہ جب آفتاب عشق کا
 وجود سالک پہنچا کر ناز تو اس کے مرشد کو ہزاروں تازگیان اور مبارکیان حاصل ہوتی ہیں۔
 نسیم و ہر گل بشکند کلالہ سنبل چو در میان چین بومی آن کلالہ بر آید
 نسیم کلالہ سنبل کو پسچ بچنے لگے جو باغ کے درمیان خوشبودار لعل کی آوی
 نسیم اس نرم و نازک ہوا کو کہتے ہیں جس سے ملکر ہولوں کی بہک آیا کرتی ہے۔ کلالہ کے معنی پھیرہ یا
 یا کاکل یا گلدستہ کے ہیں اور یہ لفظ کلالہ ہی لکھا جائیگا کہ مطلب یہ ہے کہ جب چین میں مشرق کی لعل کی
 نوا آجائے تو نسیم سنبل کی لعل کو پسچ سمجھتی ہے اور لعل محبوب کے مقابلہ میں اس سے کمزور و کمزور ہوتی ہے۔
 حکایت شب بجران زان شکایت کہ شمع زریا نشی صد سالہ بر آید
 شب بجران کی حکایت حال کی شکایت نہیں کہ اس کا تورا سا بیان ہی سو سالوں میں سما جائے
 زگوہ خوان بگون فلک مدار توقع کہ بی طالت صد غصہ یک نوالہ بر آید
 اوندی آسمان کو خوان کو گردے تو تیر کہہ کہ بغیر رنج اور سو غصہ کے ایک نوالہ ہی ملے گا
 یعنی خوان آسمان سے جو اوند یا خوان ہے بالکل یہ توقع مت رکھ کہ بغیر رنج اور سیکڑوں
 طرح کے غصہ کی بجائے ایک نوالہ ہی میسر ہو جائیگا۔ خلاصہ یہ کہ خوان آسمان میں نوالہ کہاں کی لعل
 ہزاروں غم و غصہ ہی کہاں کی ضرورت پڑتی ہے۔
 گرت چو نوح بنی صبر بہت در طوفان بلا بگرد و کام ہزار سالہ بر آید
 مگر تجھے حضرت نوح کی طرح غم کو طوفان میں مہر تو بلا لوث جائیگا اور ہزار سال کا خراب کام سنبل
 مطلب یہ کہ اگر تجھے حضرت نوح علیہ السلام کی طرح غم کے طوفان میں صبر ہے تو یاد رکھ کہ صبر کی ساری
 بلائیں اٹھائیں گی اور مدتوں کے بگڑی ہوئے کام درست ہو جائیں گے۔
 قسبی خود نتوان برد پی بگوہر مقصود خیال باشد کاین کار بی حوالہ بر آید
 اپنی پوشش سے گوہر مقصود اتہ نہیں آسکتا یہ محض خیال ہے کہ یہ کام بغیر حوالہ کے ممکن نہیں آسکتا۔

صرف استعارہ کے طور پر لعل و لولو کے الفاظ بجائے لب و دندان کے لائے ہیں مگر اسے مراد لب اور دانت ہی سمجھنے چاہئیں مطلب یہ ہے کہ دریا کے موتی ترے دانتوں سے اور کان کا لعل ترے لب سے دلفریبی میں زیادہ نہیں۔

میان خط سبز ت لعل نوشین عجب گر چہ حیدر ان نہا شد
ترے خط سبز کے درمیان سرخ ہو نہٹہ تعجب ہے اگر آب حیات کا چشمہ نہوں
خط سبز سے ظلمات کا اور لب سرخ سے آب حیات کا استعارہ دیا گیا ہے باقی مطلب صاف ہے کہ
خط سبز کے درمیان آب حیات کا ہونا تعجب ہوتا مگر نہیں تعجب کی کوئی بات نہیں اسلئے کہ سیاہی خط کی
درمیان سرخ ہو نہٹہ گویا آب حیات کا چشمہ موجود ہیں۔

جو فندق پستہ اش خند و بجا لم چرا بادام من گریان نہا شد
پستہ اوسکا مثل فندق کی میری حال نہتا ہی تو کسو اسطے میرا بادام گریان نہوں
فندق ایک ولایتی میوے کا نام جو بیر کی برابر اونگیوں کے اگلے پوروں کی مشابہ ہوتا ہے پستہ
دہن مشوق مراد ہے۔ بادام کی تشبیہ آنکھوں سے دی جاتی ہے لہذا مطلب یہ ہے کہ آنکھیں کیوں گریان
نہوں جبکہ اوسکا پستہ دہن فندق کی طرح میرے اوپر نہتا ہے۔

سوا و کفر زلف او کہ دل را بروی تو از ان ایمان نہا شد
اوسکی زلف کی سیاہی دل کے لئے کفر ہے تیری صورت کی قسم کہ ایمان نہیں ہے
بتو نسبت نہا شد یہ سچ تن را نہ تن ہا شد کہ مثلت جان نہا شد
نیچے کسی تن کو نسبت نہیں تن کیا بلکہ خدا کی قسم کوئی چا تیری مثل نہوگی
تن کی شیف چیز ہے اور جان لطیف اسلئے حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ تیری تن کی مانند کوئی تن نہیں اور
تن کیا بلکہ خدا کی قسم کوئی جان بھی ایسی لطیف نہیں ہوگی جیسا کہ تیرا تن لطیف اور سبک ہے۔

اگرچہ ہست شیرین شعر حافظ چو لعل خسرو خوبان نہا شد
اگرچہ حافظ بھی شیرین شعر ہے لیکن مثل خسرو خوبان کے لعل کے نہیں
خلاصہ یہ کہ گو حافظ کے اشعار شیرین ہیں مگر مشوق کے لب لعل حافظ کے اشعار سے زیادہ شیرین
سمجھنے چاہئیں۔

کرون گا۔ اور عہد قدیم سے قالو ابلی کی طرف اشارہ ہے۔

نفاق و زرق نہایت صفائی دل حافظ طریق رندی و عشق اختیار خواہم کرو:

اور حافظ حسد و فریب دل کو صفائی نہیں بخشنے ہیں۔ رندی و عشق کا طریق اختیار کرونگاہیں خلاصہ یہ کہینہ فرمایا ہے دلی صفائی حاصل نہیں ہوتی عاشقی اور بیباکی سے ہوتی ہے لہذا میں وہی طریقہ مطلق اختیار کروں گا جس سے کہ دل صاف ہو جائے۔

چہ مستی بہت ندامت کہ رو بجا آورد کہ بود ساقی درین بادہ از کجا آورد
 نہیں جانتا ہوں میں کہ یہ کیا مستی ہے جو ہم پر طاری ساقی کون تھا اور یہ شراب کہاں سے لایا تھا
 یعنی نہیں معلوم کہ یہ کیسی مستی ہے جو مجھ کو حاصل ہوئی ہے اور ساقی کون تھا اور ایسی مست شراب کہاں سے لایا۔ واضح ہو کہ مستی سے مستی عشق اور شراب سے ہی معرفت مراد ہے۔ ساقی کا لکنا یہ مرشد کامل کی طرف۔

دل چو غنچہ شکایت ز بخت بستہ بکن کہ با صبح نسیم گرہ کشا آورد
 اور غنچہ کی طرح بخت بستہ سے شکایت نہ کر کہ ہوا صبح کی نسیم گرہ کہو لہذا والی کو لائی ہے
 اور دل غنچہ کی طرح اپنے سر بستہ نصیب کی شکایت نہ کر کہ ہوا صبح کی نسیم کو جس سے رشہ کامل مراد ہے تیری عقدہ کشائی کو لائی ہے۔

رسیدن گل از نسیم بخیر و خوبی باد بنفشہ شاد و خوشامد سخن صفا آورد
 گل نسیم کا پہنچنا خیر و خوبی کے ساتھ ہو جو بنفشہ خوش ہے اور میں صاف کی خوشامد کرتی ہو
 علاج ضعف دل با کرشمہ ساقی مست بر آری کہ طبیب آمد و دوا آورد
 ہمارے ضعف دل کا علاج ساقی کا کرشمہ ہے سر او تھا کہ طبیب آیا اور دوا لایا ہے
 صبا بخوشخبری بہ بد سلیمان بست کہ مژدہ طرب از گلشن سبا آورد
 صبا خوشخبری میں سلیمان کا بہ بد ہے کہ مژدہ طرب از گلشن سبا آورد
 کہ مژدہ خوشی کا باغ شہر سبا سے لائی ہے

گلشن سبا سے کوئی محبوب مراد ہے جس کا اشارہ عالم لاہوت کی طرف سمجھا جاسکے۔ صبا خوشخبری ہو گی کہ بد سلیمان کی مانند ہو کہ جسے شہر سبا اور اسکی ملکہ بلقیس کے حال کے حضرت سلیمان کو آگاہ کیا لہذا اس موقع پر صبا سے مرشد کامل اور گلشن سبا سے عالم لاہوت مراد ہے جو مقام محبوب حقینی کا ہے۔

یعنی یہ صرف خیالی ہی خیال ہے کہ اپنی سچی سے کام پورا ہو گا یہ بات نہیں بلکہ بغیر عاقلانہ تدبیر کے کوئی کام نہیں پورا ہو سکتا۔

نسیم وصل تو گر یکدزد و تبرت حفا
نثار خاک کا لہر شمس صمد نرا ز نالہ بر آید
اگر تیرے گھٹل کی نسیم ہی حفا کی قبر کے پاس ہو کر گزری
تو ادب کی جسم کی خاک سے ہزار نالی پیدا ہوں
بطلب صاف ہی کشہ رخ طلب نہیں۔

چو بادِ عمرم سرکوی یار خواہم کرد
ہوا کی مانند ارادہ کوئی بار کا کروں گا میں
ہر آبروی کہ اندر و ختم ز دانش و دین
جو آبرو کہ میں نے عقل اور دین پر جمع کی ہے
بیر زہلی می و مشوق عمر میگذرد
بغیر شراب و مشوق کے عمر بچاؤ نہ گزرتی ہے
یعنی عمر بے شراب و مشوق کے بیکار گزری جاتی ہے بس ایس قدر کافی ہے کہ ایک روز سے ہی مشوق اختیار کروں گا۔

صبا کجاست کہ این جان گرفتہ چو گل
فدا می نگہت گیسوی یار خواہم کرد
صبا کہاں ہے کہ اس جان گرفتہ کو شل گل کی
گیسوی یار کی نگہت پر فدا کروں گا میں
صبا کا کنایہ ملک الموت کی طرف ہے۔ گیسوی یار پر جان قربان کرنا یعنی جان جہان آفرین کو سپرد کر دینا
یعنی ملک الموت کہاں ہے کہ دوست کا پیغام دوست کو پہنچا دے کہ عاشق اپنی جان خون گرفتہ کو دوست کے اوپر قربان کرنی چاہتا ہے اس میں موت کی تمنا کی گئی ہے۔

چو شمع صمد مہر اور روشن
کہ عمر در سرائین کار و بار خواہم کرد
ادب کی محبت سے روشن ہے کہ شمع صمد کی طرح
عمر اس کار و بار میں گزار دوں گا میں
بیاد چشم تو خود را خراب خواہم کرد
بنای عہد قدیم استوار خواہم کرد
تیری چشم کی یاد میں اپنے کو خراب کر کے
عہد قدیم کی بنا کو مضبوط کروں گا میں
یعنی تیری چشم پر فریفتہ ہو کر اور تجھے عشق و محبت کیلئے اس عہد کو جو روز ازل میں کیا گیا ہے مضبوط

بہ تنگ چشمی آن ترک لشکری مدام کہ حملہ بر من سکین یک قبا آورد
 من اوس ترک سپاہی کی تنگ چشمی بناد کر ہوا کہ جسے مجھے سکین اور اگر کپڑا پہنے والی پر حملہ کر دیا
 خلاصہ یہ کہ من اوس ترک سپاہی کی تنگ چشمی کا قائل ہوں کہ جسے مجھے مستکین پر جبکہ من نہ زور دینے تھا
 نہ چلنے اور نہ ہلنا بلکہ گہرے گہرے پختے تھا اپنی تلوار سے حملہ کر دیا گویا مجھ بیکس ائمہ مجبور کردار ڈالا۔
 فلک خلاصی حافظ کنون بطوع کند کہ التجا بدر دولت شما آورد
 اب حافظ فلک کی غلامی کی رغبت کرتا ہے کیونکہ وہ تیرے در دولت پر اپنی التجا لایا۔
 یعنی اب حافظ فلک کی غلامی کی طرف راغب ہو گا کیونکہ وہ خود سری چھوڑ کر تیرے در دولت پر اپنی
 التجا لایا ہے۔

چو دست بر سر زلفش زخم بیاورد
 اور جو آشتی سے طلب کرتا ہوں تو نصہ لاتی ہے
 چو ماہ نورہ نظارگان بیچارہ
 زندہ بگوشتہ ابرو و در نقاب رود
 ماہ نو کی سیر ہمارے دیکھنے والوں کا ہوسٹہ
 طریق عشق پر آشوب فتنہ ہست
 گوشت ابرو سے لوثتا ہے اور چھپ جاتا ہے
 ایدل طریق عشق پر آشوب اور فتنہ ہے
 جو شخص کہ اس راستہ میں پڑے وہ جلد چلا جاتا ہے
 یعنی راہ عشق وہ پر آشوب فتنہ کی راہ ہے کہ جو شخص اس راہ میں پڑتا ہے وہ جلد چل دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ
 راہ عشق میں کوئی زندہ نہیں رہتا یہ زندہ نہ رہنا یا تو باعتبار اذیکے آیا ہے کہ دنیا کے مطلب کا نہیں رہتا
 یا زندہ نہ رہنا بمعنی خودی سے خود ہو جانا ہے۔

گداہی در جانان بسطنت مغرور
 کسی ز سایہ اپنی در بافتاب رود
 در جانان کی گداہی کو سلطنت سے بدل
 آدمی اس در کے سایہ سے آفتاب تک جاتا ہے
 جناب را چو فتنہ باد نخوت اندر سر
 کلاہ داریش اندر سر اب رود
 جب نخوت کی ہوا جناب کے سر میں بھونکتی ہے
 تو اس کی کلاہ داری سر اب میں چلی جاتی ہے
 چاہے کہ دنیا میں نخوت کو اپنے سر میں راہ نہ دے چنانچہ جناب کے سر میں نخوت کی ہوا بہر جاتی ہے
 تو اس کی کلاہ داری تھوڑی دیر میں برباد کر دیتی ہے۔ واضح ہو کہ جناب صرف ہوا ہوتی ہے جہان کے

خلاصہ یہ کہ مرشد کامل نے مقام مجرب کے حال سے آگاہ کر کے خوشخبری سنائی ہے۔
 پھر راہ میزند او مطرب مقام شناس کہ در میان غزل قول آشنا آورد
 وہ مطرب مقام شناس کیا اچھا گاتا ہے کہ غزل کے درمیان دوست کا قول لے آیا
 مقام شناس مطرب کی صفت ہے یعنی مطرب گلشن کا موقع اور وقت ٹوٹے پھانٹا ہے خلاصہ یہ کہ اپنی
 فن میں کامل ہے مگر مطرب مقام شناس کا اشارہ مرشد کی طرف سمجھنا چاہئے اور مطلب یہ کہ
 مطرب نے غزل خوانی کے درمیان حقائق و معارف کا بیان ہی کر دیا اور محبوب حقیقی کے قول
 اپنی عاشقوں کو غزل گوئی کے پیرایہ میں سناوئے یعنی جب او اپنی عاشقوں کے سامنے معرفت کی
 غزل گائی تو ادبی کے سایہ دوست کے سداغ کا بیان ہی کر دیا اس سے ثابت ہوا کہ ہمارا مرشد
 کامل مقام شناس مطرب ہے کہ جو عاشقوں کے دلوں کو اپنی قبضہ میں کرنا خوب جانتا ہے۔

تو نیز بادہ بچنگ آورد راہ صحرای گیر کہ مرغ نغمہ سرا ساز و خوش نوا آورد
 تو یہ شراب ہاتھ میں لے لے اور جنگل کی راہ پکڑ کہ مرغ بولنے والا نغمہ سرا ہے اور خوش نوا
 مطلب یہ کہ وہ مخاطب ہمارا کا مومن ہے اور مرغ خوش نوا عمدہ عمدہ بولیاں بولتے ہیں تو یہی ملکہ میں
 شراب کی بوتل لیکر جنگل کو چلے اور عیش و عشرت میں مہی کر میں موسم بہار میں تجھ کو مرغ خوش نوا سے
 بچے نہ رہنا چاہئے۔ بادہ بچنگ آر یعنی عشق حقیقی الہی کر راہ صحرای گیر یعنی سب الگ ہو کر مرغ نغمہ سرا
 خوش الحان سے مرشد مراد ہے باقی مطلب سمجھ میں آ ہی گیا۔

مرید پر مغامز من مرغ ای شیخ چرا کہ وعدہ تو کردی داو بجا آورد
 اذی شیخ مجھے رنجیدہ ہو میں پر مغامز کا مرید ہو گیا تو اسلئے کہ بجا تو نے وعدہ کیا اذی تو کو بجا کر دیا
 یعنی اسے زائد تو مجھے رنجیدہ کیوں ہوتا ہے میں پر مغامز کا مرید ہو گیا ہوں اسلئے کہ تو نے شراب
 پلہانے کا وعدہ جس سے شراب ظہور مراد ہے قیامت کے دن کو کیا نہا چونکہ پر مغامز نے قیامت کو
 نہیں ٹالا بلکہ یہیں پلوا دی اسلئے میں بچے چوڑ چلاؤں گا مرید ہو گیا ہوں اذ مرید ہو جانے کی
 یہی وجہ ہے کہ شراب جو میری مطلوبہ شے تھی تو اس کے پلوان کا وعدہ قیامت کو کرتا تھا اور
 پر مغامز نے یہیں پلوا دی اور وعدہ کو بچھے پہلے دفا کر دیا۔ چونکہ وعدہ کے مقابلہ میں او دار قابل
 اذ بار نہیں اسلئے میں پر مغامز کا مرید ہوں۔

میں اور محبوب کہنے ہی دن ہوے کہ تو نے اپنی خیر و عاقبت لکھ کر نہ بھی میری پاس اس کو نہ قاصد سے
کر میں اس کے ماتر چند کلے اشتیاق تجھ کو کہلا سچوں۔

مابدان مقصد عالی تو اینم رسد ہم مگر پیش نہد لطف شما گامی چند

ہم اس مقصد عالی کو نہ پہنچ سکیں گے البتہ اگر تیرا لطف چند قدم آگے بڑھ آئے
اس کا خطاب مرشد کی طرف ہو یعنی ہم اس مقصد عظمیٰ کو جو وصل محبوب حقیقی کے متعلق ہے نہ پہنچ سکتے
البتہ اگر تیرا لطف ہماری آرزو کے استقبال میں دو ایک قدم آگے کو بڑھ آئے تو مقصد دلی پا جانا
ممکن ہے اور نہ نہیں خلاصہ یہ کہ مرشد کے ہی طفیل میں وصال محبوب حقیقی ہمیں ہو سکتا ہے۔

چون می از خم لببورت و گل افکند نقاب دوست عیش نگہدار و وزن جامی چند

جب شراب شگوشہ گہری میں پریشانی چھلے نقاب دوست عیش کا خیال رکھ اور چند پیالے پی
شراب کا شیک سے گہری میں پہنچنا گویا چھپنے کی لالچ ہو جانا اور گل کا نقاب گرانا بمعنی کہلنا یا موسم
بہار کا آجانا خلاصہ یہ کہ اس سالک عشق و محبت باطن سے تیز و جود میں آگئی ہیں اور تیرا دل جو غنچہ کی طرح
سر بستہ تھا گل کو شکستہ ہو گیا۔ پس تو دوست عیش کے موقع کو نہ چھوڑ اور چند پیالے تو شراب کے
پی ہی جاوے اسکے مشابہ تجلیات سے مسدود ہو۔

قند میخیزد با گل رخ علاج دلی نیست بوسہ چند بیامیزد شناسامی چند

قند گل سے ملا ہو اسیر سے دل کا علاج نہیں ہے بلکہ چند بوسے ایسے دی کہ جنہیں گالیان ملی ہوئی ہوں
یعنی میری دلی سزا کا علاج گفتار سے نہیں ہوگا۔ بلکہ اگر محبوب میں اپنا چہرہ ہو جائیکے لئے چند بوسے ایسے
چاہتا ہوں کہ جنہیں گالیان ملی ہوئی ہوں۔

ای گدایان خرابات خدایار شہامت چشم انعام ندارد ز انعامی چند

ای خرابات کے فقیر و خدایار تمہارا ہے چند ان جو پالو سنو انعام کی امید نہ رکھ
زاہد از کوچہ زندان سسلا بگذر تا خرابات ننگد صحبت بدنامی چند
ایزاہد زندو کو گلوچہ سے بچکر گذر جا تا کہ تجھ کو چند بدنامی کی صحبت خراب نہ کر دے

چونکہ زند بھرنے کے بدنام میں پس اسے زبا نہ تو لے پاس سے بچکر چلا جاتا کہ انکی صحبت میں
تو ہی بدنام نہو جائے۔

حلقہ میں ہنس کر بلبلہ سان بٹرنے لگتی ہے چنانچہ ہوا نکل گئی جناب ٹوٹا۔
 شب شراب خراہم کند بہ بیداری و گریہ روز حکایت کنم بخت آب رود
 رات کو شراب مجھے جگا کر خواب کرتی ہے اور جوں کو بات کرتا ہوں تو سوتی ہے
 یعنی اگر رات کو شراب مینا ہوں تو وہ مجھے جگا کر خواب دہشتان کرتی ہے اور سو نہ نہیں دیتی اور
 اگر دن کو سو نہ لگتا ہوں تو سو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ میری طبیعت اور وقت کے خلاف ہوتا ہے
 شراب وہ ہی کرتی ہے۔

مرا تو عہد شکن خواندہومی ترسم کہ بالوروز قیامت ہمیں خطاب رود
 تو مجھ کو عہد شکن کہتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ تجھ کو قیامت کے دن ہی خطاب نہ دیا جاوے
 دلچاپچہ پر شدی حسن ناز کی مغرورش کہ این معاملہ با عالم شباب رود
 اے دل جب تو بڑا ہوئے تو حسن ناز کی نہ بیچ کہ یہ معاملہ عالم جوانی میں اچھا معلوم ہوتا ہے
 یعنی بادل تو بوڑھا ہو کر غمزہ و نزاکت سے باز نہیں آتا یہ حسن و ناز کی جوانی ہی میں اچھی معلوم ہوتی ہے
 بوڑھے غمزوں کو کوئی پسند نہیں کرتا۔

سواد نامہ موی سیاہ چون شد طی بیاض کم نشود و صد انتخاب رود
 سیاہ بالوں کا سواد نامہ جب طے ہو گیا سپیدی کم نہیں ہوتی اگر سو بار انتخاب کیا جائے
 یعنی جب بالوں کی سیاہی زائل ہو کر سفیدی آگئی تو چاہے سو بار اوکھیر کر دیکھو وہ ہرگز سیاہ
 نہیں گے بلکہ سفیدی جتنے آئیں گے۔

تو خود حجاب خودی حافظ از میان خبر خوشا کی کہ درین راہ بی حجاب رود
 اے حافظ تو خود اپنا ہی حجاب ہی درمیان ہی توڑ کیا اچھا وہ شخص جو اس راہ میں بی حجاب جائے
 اے حافظ چونکہ تو خودی کا گرفتار ہے اسلئے اپنا حجاب آپ ہی ہوتا ہے پس درمیان سے اوٹھ
 یعنی اپنی نفی کرے تاکہ طالب و مطلب کے درمیان سے حجاب اوٹھ جائے اور کوئی روک ٹوک باقی
 نہ رہے۔

حسب حالی نوشتنی نوشد ایامی چند قاصدی کو کہ فرستم تو پیمانی چند
 کتنے ایک دن ہو کہ تو نے حسب حال کچھ تحریر کیا کون قاصد ہو کہ چند باتیں میری پاس پہنچاؤں

عیت می جملہ بگیتی ہنرش نیز بگو نفی حکمت کن از بہر دل عامی چند

تو نے شراب کی بہت سی عیب بیان کی اب میری کہو چند جاہلون کے دل کے لئے حکمت کی نفی
یعنی ایسا عطا تو کیا جاوے گا تو کی سلسلے شراب کی عیب تو بہت ہی ظاہر کرتی مگر اس کی ہوس تو بیان کر دی اور دل عامی
کے لئے حکمت الہی کی نفی نہ کر کیونکہ فعل الحکیم کا مفعول عن الحکیمہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا

خدا حکیم ہے اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور جو چیز کہ کائنات میں ہو اور میں اگر بہت سی بات بیان میں
چند پہلا بیان ہی ضرور میں۔ اسی اعتبار سے شراب ہی بالکل عیب دانہیں بلکہ کچھ نہ کچھ ہنر بھی ضرور کہتی ہے

پیر میخانہ چہ خوش گفت بدر دوش خویش کہ مگو حال دل سوختہ با خامی چند

پیر میخانہ نے اپنی درد کش سی کیا اچھی بات کہی کہ دل سوختہ کا تھوڑا سا حال ہی کسی خام سے

پیر میخانہ سے مرشد مراد ہی اور خام سے اہل ظاہر۔ خلاصہ یہ کہ پیر نے اپنی مرید سے کیا اچھی بات کہی کہ عشق کا درد کسی

اہل ظاہر سے نہ کہو۔ کیونکہ جس دل پر عشق کی چوٹ نہ لگی تو وہ عاشق کا حال کیا جاسکے

حافظ آرتاب خ مہر فروغ تو بخت کا ہنگام نظری کن سوی ناکامی چند

تیری مہر فروغ رخ کی تاب سے حافظ جاہل گیا ای کامگا۔ کہی تو ناکام کی طرف نظر کر

یعنی ترے رخ کی تاب سے جو منظر آفتاب کی فروغ رکھتا ہے حافظ سوختہ ہو گیا۔ ای کامگا محبوب و ہمارا

ایک نظر ناکام کی طرف ہی ڈال دے۔ تاکہ اس کا کام بن جائے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصّٰدِقِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْمِنَّتُ کہ گلبن معرفت شرح دیوان حافظ کا

پہلا حصہ ماہ مئی سنہ ۱۳۲۱ عیسوی میں مطابق

صفر المظفر ۱۳۲۲ ہجری چپ کر

تمام ہوا

فقط

اعلام۔ اس کتاب کا کالی سے لکھنا مصنف محفوظ ہے کوئی صاحب طبع نفاذ نہیں

